

12 مدینہ سرگوشیاں

13 حمید عمیس احمد

13 نعمت نعیم انصاری

14 مدینہ درجواب آل



18 مشاق ہرگز مشاق

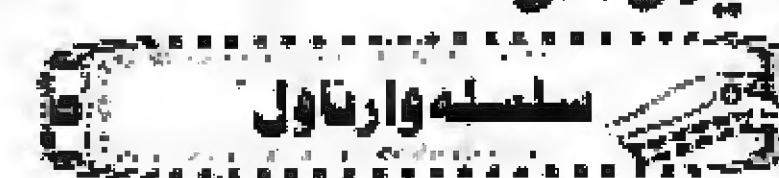


22 افسی منظور امیر العیر

نورین شاہد/توشیح شتاق



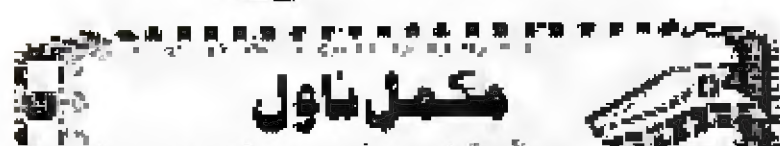
26 ادارہ نازیہ نول نازی



57 کیمز شریف طور ٹوٹا ہوا ٹارو



209 فاطمہ خان بہار کے رنگ



33 بڑے آنسو نازیہ نول نازی

93 شباس گل یہ جوت ہے



133 وہی ایک لمحہ رست کا فاخر گل

155 محبتوں کے گلاب فرح طاہر

177 مجھے علم ازاں اہموم

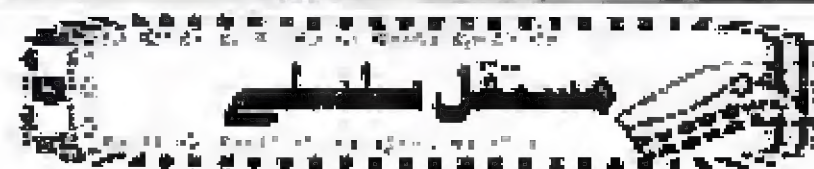


193 صوفی ملک خطاوار تھیں ہم

199 سمیرا اور میں تعاقب جاں

پبلشر مشرقی و وسطیٰ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ
پانی، چنبرہ، کراچی۔ فون: 74400

سردق مریم آرائش روزیوں پارے سہاگن سہاگن



کجانی مسائل کا حل

بیاض دل

ڈش مقابلہ

بیوٹی گائیڈ

عزیزین نظمیں

حافظ شبیر احمد 213 دوست کا پیغام آئے بہا احمد 230

میمونہ رومان 215 یادگار لمحے جویہ سالک 236

طلعت آثار 218 آئینہ شہلا عامر 242

روبین احمد 223 ہم سے پوچھئے شائلا کاشف 250

ایمان وقار 225 آپ کی صحت جویہ اختر یا شمع مرزا 253

کام کی باتیں حنا احمد 257

نقد و تحریک: پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمن، پتہ: 75/74200، فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773، ای میل: info@anchnal.com.pk، ویب: www.anchnal.com



”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو اس سے زیادہ مال دار ہو اور اس سے زیادہ اونچے شکل و صورت کا ہو (اور اس کو دیکھ کر اپنی حالت پر شرمی ہو) تو اسے چاہیے کہ وہ اس شخص پر نظر ڈالے جو اس سے کم تر ہو۔“ (مستدرک حلیہ)

سگوشیاں

بسم اللہ مکتبہ دار رحمۃ اللہ و برکاتہ

جولائی ۲۰۱۴ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

اس بار آپ سے بہت سی باتیں اور مشورے کرتا ہوں میری بحث گوشش رہی ہے کہ اپنی بہنوں کی پسند و پسند کو مقدم سمجھیں اور اپنی کے صاحب مشورہ پر عمل کر دیں۔ تقریباً تین چار ماہ سے نئی اور پرانی لکھنے والی بہنوں کا اصرار ہے کہ یا تو آنچل کے صفحات بڑھا دیے جائیں اگر ایسا ممکن نہیں تو کوئی نیا پرچہ نکالا جائے یا آنچل کو ہر ماہ میں دو بار شائع کیا جائے تاکہ تمام لکھنے والی بہنوں کی تحریریں زیادہ سے زیادہ جلد شائع ہو کر سکیں۔ وہ اپنے افسانے کی اشاعت کے انتظام سے تھک چکی ہیں یقیناً ان تمام بہنوں کی اسے آنچل سے محبت ہی تو ہے کہ وہ اپنی تحریریں افسانے یا ناولی کہانیاں آپ تمام قارئین بہنوں کی دلچسپی اور دلچسپی کے لیے ہمیں ارسال کر رہی ہیں یقیناً انتظام کی ذمہ داری شدید اور کبھی بھی شدید تر ہوتی ہے۔ ہمارے پاس بھی اونچلی اور خوب صورت افسانوں اور دیگر تحریریں ہر طرح ایک انہونی صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں ہماری کچھ مکتبہ نہیں آ رہا کہ کیا کیا جائے۔ لکھنے والی بہنوں کو روکا بھی نہیں جاسکتا۔ اب اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ماضی صرف کچھ ہنگامہ آنچل کے ادارے کو بھی آپ کے مشورے اور معاونت کی شدید ضرورت ہے چند تجاویز نامہ کوئی ہیں وہ ہمیشہ خدمت میں نہیں آپ کی منظوری سے ہی اختیار کیا جائے گا۔

(۱) کوئی نیا پرچہ نئے نام سے نکالا جائے (جونی انچل مکتبہ نہیں)

(۲) 32 صفحات کا کم از کم اضافہ کر دیا جائے اور قیمت ساٹھ روپے کر دی جائے۔

(۳) 24 صفحات کا اضافہ کر دیا جائے اور قیمت ساٹھ روپے کر دی جائے (قیمت میں اضافے کا مطالبہ تمام ایکٹ حضرات بھی

کرتے ہیں)

(۴) خاص نمبر جو عید نمبر، اقربہ عید نمبر، سالانہ نمبر کے طور پر شائع کیے جاتے ہیں انہیں کم از کم 60 صفحات کے اضافے کے ساتھ شائع کیا

جائے اور قیمت 75 روپے کر دی جائے۔

محترم بہنوں! ہم اب تک تمام تجاویز کو جمع کرتے رہے ہیں اب یہ صرف لکھنے والی بہنوں کا بلکہ قاری بہنوں کا بھی کہنا ہے کہ آنچل ایک بڑھتے ہی نہیں چلتا بہنوں کی محبت اور سہارا ہے چونکہ ہر آنچلی میں بڑے لگائے گئے ہیں اس لیے مجبوراً ہم اپنا مقدمہ اپنی قاری بہنوں کی خدمات میں لے کر حاضر ہیں فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ آنچل کی قیمت اگست سے کیا ہوئی چاہیے یقیناً میں بھی اور ادارہ آنچل بھی آپ کی مشورے کا احترام کرتا ہے اور ہمیشہ کرے گا ان شاء اللہ۔

عزیز اس ماہ کے ستارے

بہن مازہ سکون مازہ طویل عمر کے بعد ایک شہکار ناول کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

بہن فخریہ گل اپنے مخصوص انداز کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

بہن سہاس گل اپنے مخصوص انداز کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

فرح خاتون محبتوں کے گلاب تسلیم کر رہی ہیں۔

صوفیہ ملک نے بہت ہی اچھے چرائے میں افسانہ تحریر کیا ہے۔

سمیرا اور نیس اپنے افسانے کے ساتھ اپنی بار شریک محفل ہیں۔

فاطمہ خاتون نئی نونہیں میں شریک محفل ہیں۔

ہذا برف کے آنسو

ہذا وہی ایک لہر زبیر کا

ہذا یہ جو عشق ہے

ہذا تھپوں کے گلاب

ہذا خطا دار تھے ہم

ہذا تعاقب جان

ہذا بہار کے رنگ

اگلے ماہ تک کے لیے القدر وقف۔

دعا گو

قیس آرا

آنچل

حکمران ملک

نعت

آفت میں مصیبت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 حسرت میں ضرورت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 حادثہ نشانی ہے یہاں بر ذات کافی ہے
 دنیا کے سامان عبرت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 کبھی تو جسم نوری تو کبھی جسم خاکی ہے
 برہنہ کو ہر صورت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 اسی کے آئینے پر سب کاروان رواں ہیں
 بحر و دشت کی وسعت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 بہک جانا تو بشر کی پرانی کمزوری ہے مگر
 اس گمراہ کی ندامت میں خدا ہی یاد آتا ہے
 اس درج میں ہی نام آنا بڑی بات ہے عیسٰی
 جس لوگوں کو فرصت میں خدا ہی یاد آتا ہے

عمیس احمد جھٹک صدر

جہاں فتنے کا سمندر رواں رہتا ہے
 وہاں ہر لمبے عجب سماں رہتا ہے
 نعت کہتے چلیں میری بھیگ جاتی ہیں
 اختیار میں یہ میرے کہاں رہتا ہے
 کسی لمحہ آجائے پیغام ماضی
 ہر اک میں پٹھان رہتا ہے
 مدینہ کی گلی میں ہو میرا گھر
 دل میں یہ میرے ارمان رہتا ہے
 سر زمین مدینہ پہنچی جانے تو بھی
 تیرے آپ کا مہمان رہتا ہے
 بلا لیں اپنے غلام کو بھی پاس
 اسی جانب انصاف کا دھیاں رہتا ہے

نعیم انصاریاشی... جھٹک

درجہ اول مدیرہ

حاضری کے بعد ایک مرتبہ پھر بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کا کہنا بجا ہے شادی کے بعد ذمہ داریاں بے شک بہت بڑھ جاتی ہیں یہ تو قید حیات با مشقت کا نام ہے اسی مناسبت سے آپ کا شعر بھی پسند آیا بہر حال آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے بہت جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

حمیرا نگاہ..... ملک وال

ڈیر حمیرا! سدا سگھی رہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ایک بار پھر اپنی رحمت سے مالا مال کیا آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ دونوں کو صحیح کاملہ عطا فرمائے آمین۔

امیر گل..... جھنڈو سندھ

ڈیر امیر! شاد و آباد رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کے والد رب تعالیٰ کے گھر کے مہمان بننے جا رہے ہیں آج جیسی عظیم سعادت کے حصول پر ہماری جانب سے بھی ڈیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیوں سے بھرپور زندگی عطا فرمائے..... آمین جان کر بے حد اچھا لگا۔

عائشہ خان..... تندو محمد خان

عاش ڈیر! جگ جگ جیو آپ کی دیگر نگارشات کافی تاخیر سے موصول ہوتی ہیں اس لیے شرف قبولیت سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اب بھی دیگر تمام سلسلے فائنل ہو چکے ہیں جہاں گنجائش تھی وہاں آپ کو موقع دیا گیا ہے آئندہ اور درجہ اول آپ کے علاوہ دیگر سلسلوں کی ڈاک ہم رکھ لیتے ہیں وہ آئندہ ماہ بھی استعمال ہو جاتی ہے۔ امیر گل سے آپ پختاوات کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتی ہیں آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

سلمیٰ فہیم گل..... لاہور

اچھی سلمیٰ! سدا خوش رہو ہماری جانب سے آپ کو بھی رمضان مبارک۔ موسم کا حال کیا پوچھتی ہیں گل حالات کی طرح یہ بھی شدید گرم ہیں۔ آپ کا افسانہ ”مستقل“ تو تھے ہم مگر ضرور شائع ہوا ہے لیکن اب اسے

نازیہ کتول فازی..... ہارون آباد

ڈیر نازی! شاد و آباد رہو آنچل کی مشہور مصنفہ و ماہرہ شاعرہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے جو بھی لکھا گویا لکھنے کا حق ادا کر دیا، قلم کی طاقت کو جہاد بالقلم کے لیے استعمال کیا اور کر رہی ہیں گزشتہ سال آنچل میں مقبولیت حاصل کرنے والا ناول ”جھیل کنارہ سنگھ“ کتابی صورت میں شائع ہونے پر آنچل کی پوری ٹیم کی جانب سے آپ کو ڈیروں مبارک باد۔ امید ہے آپ کا یہ ناول دیگر ناولوں کی طرح شہرت کی بلندیوں کو چھو جائے گا اللہ تعالیٰ آپ کو شہرت دوام عطا فرمائے آمین۔

مہر گل..... اورنگی ٹائون کراچی

مہر نازی! شاد رہو! گل و تارا گل سے بھرپور خط موصول ہوا ساتھ ہی خط میں ڈوبا ایک عدد شعر بھی ماتھے پر جگمگا رہا تھا۔ بہر حال ہمیں آپ کا خطا خفا انداز بھی بے حد بھایا اور بے تحاشا پیار بھی آیا اب جواب شکوہ بھی سن لیں ہم نے آپ کی ضرورت محسوس کی تھی اور اسی لیے آپ کی دیگر نگارشات جو ہمارے پاس محفوظ تھیں وہ شائع کر لی تھیں دیگر سلسلوں میں اپنی پرانی نگارشات دیکھ کر آپ کو ہماری بات پر یقیناً یقین آئی ہو جائے گا شعر کے جواب میں عرض ہے

جو تو نہیں تھا شریک محفل تصور تیرا ہے یا کہ میرا؟

اب فیصلہ آپ کو خود کرنا۔

چندہ چوہدری..... حویلیاں

کیمنت

چندہ! سبھی چندا روشن رہو پانچ سال کی عویل فیر

پائیں گی ابھی آپ مختصر افسانے کو ہی منتخب کریں مادل لکھنے کی کوشش مت کریں افسانے پر عبور حاصل ہونے کے بعد اس صنف پر طبع آزمائی کیجیے گا۔

پروین افضل شاہین..... بھاؤلنگر
اپنی پروین! شاد رہو مستقل سلسلے "ہم سے پوچھئے" میں آپ کے سوالات ثقافت اور برجستہ ہوتے ہیں دیگر بہنوں کی آداسے آپ کو بخوبی اندازہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے سوال ہمارے لبوں پر بھی جسم بکھیر دیتے ہیں آپ اپنا تعارف بھیج دیجیے لیکن دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہو ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گا۔

روبی علی..... سید والہ
روبی لڑکی! سدا سلامت رہو آپ افسانہ دلبران آنکھ کی زینت بڑھانے کے لیے ضرور بھیجیں اور ایسی سچے پرانے سال کر دیں جس پر آپ نے خط بھیجا ہے موصول ہو جائے گا۔ بہر حال اتنا خیال رکھنا کہ مختصر جامع اور موثر تحریر ہو خوب صورت الفاظ سے سجا آپ کا انداز تحریر پسند آیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہر امتحان میں کامیاب کرے آمین۔

عطیہ زاہرہ..... باغبان پورہ لاہور
پیاری عطیہ! سدا مسکراؤ یہ جان کر بے حد اچھا لگا کہ آپ کا قلم سفر کامیابی سے تری کی جانب گامزن ہے اس سلسلے میں آپ نے دیگر جو حوالے دیئے ہیں ہم آپ کی بات سے متفق ہیں لیکن آپ کی تحریر "میری بیٹی" آنکھ کے لحاظ سے اس کا موضوع ٹھیک نہیں آپ کا اندازہ تحریر پختہ اور کہانی پر گرفت بھرپور ہے لیکن آپ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں آپ کی تحریر کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اقراء اکبر..... سانگلہ ہل
اقراء اکبر! مسکرائیں رہو آپ کے بل اسٹیشن کا جان کر اچھا لگا خواب انجوائے کرو۔ دوستوں کے لیے آپ کا دیا گیا سرپرائز خود آپ کے لیے بھی سرپرائز

قسط وار صورت میں آگے بڑھائی مالی مشکل ہے قسط وار کہانیوں کا پہلے ہی ایک ڈھیر موجود ہے اس لیے معذرت! امید ہے سمجھ پائیں گی۔

مہر کش ملک..... نامعلوم
پیاری مہر! جیتی رہو آپ کی تحریر "یقین محکم" آنکھ کے صفحات پر اپنی جگہ نہ بنا سکی وجہ یہ ہے کہ آپ نے موضوع کے انتخاب میں غلطی کی ہے بہر حال اس غلطی سے یہ اندازہ ہوا کہ آپ کا انداز تحریر کافی بہتر ہے بس تھوڑی محنت اور مطالعہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ گزرا آپ کسی اور موضوع پر مختصر اور جامع افسانہ لکھ بھیجیں جو اصلاحی رنگ میں دلچسپی سے بھرپور ہو امید ہے نشانی ہو پائے گی۔

سبین..... چنیوٹ
پیاری سبین! جگ جگ جیو آنکھ سے آپ کی گہری دانش جان کر اچھا لگا یہ تو آپ کا حسن نظر ہے بہر حال آپ اپنی تحریر بھیج دیجیے اگر معیاری ہوگی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

مونا شاہ قریشی..... کبیر والا
مونا ڈئیر! خوش رہو اس قدر بدگمانی و مایوسی ٹھیک نہیں بعض اوقات آپ کی نگاہ شامت کا خیر سے موصول ہونے کے سبب شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہیں۔ آئندہ کے علاوہ دیگر ڈاک آئندہ پرچوں کے لیے روک لی جاتی ہے رو ہونے کے پیش نظر آئندہ نہ لکھنا تو حماقت ہے۔ "گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں" امید ہے ناراضگی دور ہوگی ہوگی۔

شگفتہ جاوید..... کنگن پورہ چوئیاں
شگفتہ ڈئیر! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "انتظار کے لمحے" موصول ہوئی لیکن کچھ خاص تاثر قائم نہ کر سکی۔ کہانی حقیقت سے دور لگ رہی ہے بہر حال اس سے یہ اندازہ ضرور ہوا ہے کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اگر تھوڑی توجہ اور محنت کریں تو ضرور بہتر لکھ

پیاری حلیمہ! سدا مسکراؤ! آپ کی تحریر "ارمان" پڑھ ڈالی لیکن کوئی خاص تاثر قائم نہ کر سکی! انداز تحریر اور کہانی دونوں ہی کمزور ہیں۔ ابھی آپ پہلے اپنے مطالعہ پر توجہ دیں! وسیع مطالعہ اور مشاہدہ کی بناء پر آپ کے انداز تحریر میں بہتری آئے گی! امید ہے کچھ پائیں گی۔

ثمینہ بیٹ..... لاہور

پیاری ثمینہ! شاد رہو! آپ کے قلمی سفر کے آغاز اور پھر پہچان کا مرحلہ طے کر لینے پر مبارک باد! آپ کی تحریر "ہیں کو اکسب کچھ" ہمارے پاس منتخب شدہ کہانیوں کی لسٹ میں موجود ہے! ان شاء اللہ باری تعالیٰ نے ضرور لگ جائے گی! دوسری کہانی ابھی موصول ہوئی ہے! فی الحال کوئی رائے دینے سے معذرت! بہر حال نظر انداز تو آپ کو نہیں کرتے لیکن باری کے لیے انتظار کی رحمت ضرور ہوگی۔

ثوبہ نواز اعوان..... کنڈان

سو گونہا

ثوبی ڈیر! سدا سہاگن رہو! ہماری جانب سے آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد! اپنی مصروف زندگی سے کچھ ہل آپ نے ہمارے دم کیے جان کر بے حد اچھا لگا! آپ کی جو نگارشات محفوظ ہیں وہ گاہے بگاہے شائع ہوتی رہیں گی۔

نورین مسکان..... ڈسکہ

مسکان ڈیر! سدا ہونٹوں پر مسکان رہے! آپ کی تحریر "مقدر کا سکندر" بے جا طوالت کا شکار ہے! اسی طوالت کی بنا پر آپ نے رشتوں کو آپس میں اٹھایا دیا ہے! کہانی پر گرفت بھی کمزور ہے! آپ محنت جاری رکھیں! طوالت سے گریز کرتے ہوئے ابھی صرف افسانہ پر ہی طبع آزمائی کریں۔

حلیمہ زمان ہمایوں..... ٹوبی

پیاری حلیمہ! جگ جگ جیو! بارش شیب میں بنے دیدہ زیب انداز لیے! آپ کا خوشبو میں بسا خط موصول

بن گیا ویسے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ سر پرانہ محکمہ ڈاک کی نذر ہو گیا ہو! بہر حال ہم نے آپ کو جواب دیا ہے! یاد رکھیے گا تعارف ارسال کر دیں لیکن انتظار کرنا ہوگا وقت آنے پر شائع کیا جائے گا۔

صبا نواز بھٹی..... سانگھڑ

پیاری صبا! جتنی رہو سرخ گلابوں کی مہک لیے خوشبو میں بسا خط موصول ہوا! آپ اپنا افسانہ اسی طرح ڈاک کے لفافے میں رکھ کر بھیج دیں! ان شاء اللہ موصول ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ اور صبر و استقامت عطا فرمائے! آمین! اوٹا آپ کے خالہ زاد کی جوان موت کا سن کر بے حد رنج ہوا! اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے! آمین۔ سالانہ خریداری بننے کے لیے آپ آفس کے نمبر پر فون کر کے معلومات حاصل کر لیں۔

طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات

ڈیر طیبہ! سدا مسکراؤ! سب سے پہلے تو ہماری جانب سے آپ کو اپنی سالگرہ پر ڈھیروں مبارک باد۔ مختصر کہانی اور مختصر فلمی فریڈ کو ہم بھی یاد کر رہے ہیں! آپ تک ان کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ مختصر فریڈ شادی کے بعد کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئی ہیں۔ آپ کی طرح دیگر بہنوں نے بھی صفحات بڑھانے کی فرمائش کی ہے! ان شاء اللہ جلد آنچل آپ کی اس خواہش کی تکمیل کر دے گا! آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

فاتحہ بتول..... نامعلوم

فاتحہ گزیر! جیتی رہو! آپ نے اس قدر محنت میں خط لکھا کہ اپنے شہر کا نام بھی لکھنا بھول گئیں! بہر حال آئندہ خیال رکھیے گا! آپ طنز و مزاح کے انداز میں افسانہ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور لکھیں لیکن اتنا خیال رکھیے گا کہ افسانہ مختصر اور موثر ہو! پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔

حلیمہ سعدیہ..... میرپور آزاد

کشمیر

طرف توجہ دلائی ہے بے شک وہ ایک نازک معاملہ ہے بہر حال آپ کی تجویز نوٹ کر لی ہے عمل کرنے کی کوشش ضرور کریں گئے پہلی بار شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔

قابلِ اشدت:

میری بیٹی یقین محکم مقدر کا سکندر ارمان میرے مولا کرم ہو کرم رنجشیں کچھ ایسی انتظار کے لئے میرے ہم نشیں کر میری چارہ گری صرف پانچ سو روپے محبت کا فرض باجی اک بل میں ہے جا روک ٹوک یہ دل کچھ اور سمجھا تھا انتظار آہ اک معصوم خواہش بھرم وصل شب بساط جاں پر پھیلی تھائیاں بدو عا زندگی نے وفات کی مسافر میں ہو تم تپس آئینہ کوئی اور ہے سکھ کی آس فرسٹ پوزیشن اچھی۔



ہوا دعاؤں کے انمول تحفے بھیجے پر جزاک اللہ۔ ہم تو آپ کی محبتوں کے مشروط ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو شاد و آباد رکھے..... آمین۔

شیوین گل..... تمن، نلہ گنگ

شیریں ڈیرا اسم باجی بن کر سب میں شیریں و مخاس باجی رہو ہماری دعا میں آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے اور امتحان میں کامیاب کرے آمین! آجکل کی پسندیدگی کا شکر یہ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

حرا زینب..... بھلوال

اچھی حرا! خوش رہو آجکل کے بارے میں آپ کے والہانہ جذبات جان کر ہمیں بے حد خوشی محسوس ہوئی ہے شک آجکل دونوں صورتوں میں عزت فراہم کرنا ہے۔ بہت اچھی بات کہی ہے آپ نے آپ کا تعارف باری آنے پر لگ جائے گا البتہ غزلیں نظمیں متعلقہ شعبے میں بھیج دی جاتی ہیں اگر معیاری ہوں تو جلد حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عائشہ گل انصاری..... توبہ قیامت سنگھ

بیاری عائشے! سدا مسکراؤ ہر ماہ شرکت کرتی رہو آپ بھی مستقل قاریہ بن جاؤ گی آجکل کی بزم میں خوش آمدید۔ آپ کی تحریر موصول ہوئی ہے پڑھ کر ہی اندازہ ہو پائے گا کہ تحریر کا معیار کیا ہے جلد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

قوۃ العین عینی..... فیصل آباد

عینا ڈیرا! شاد رہو بزم آجکل میں شرکت پر خوش آمدید! اچھی اور معیاری چیزیں اپنی جگہ خود بناتی ہے ارد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرورتاً آجکل کے اوراق پر اپنی جگہ بنائے گی آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں۔

سندوہ فرید خیال..... شادین لند

بیاری سندوہ! سدا مسکراؤ گریا آپ نے جس

مصنفین سے گزارش
جیو مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشم لگا نہیں سنی کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
بہ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
ہفت روزہ نگاری ہمیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر ضیع آزمائی کریں۔
بہ ناولٹ و افسانہ کہانی قابل قبول نہیں ہوتی۔ ادارہ نے نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
بہ کوئی بھی تحریر پہلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
بہ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پنا خوشخط تحریر کریں۔
بہ اپنی کہانیاں دفتر کے چار پرچہ شراؤاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فرید خیال سندوہ لند ہارون روڈ۔ کراچی۔

مسائل کوالدین

مشتاق احمد قریشی

(۷) تین بڑے خسف یعنی سورج گرہن جو ایک بار شرق میں ہوگا دوسری بار مغرب میں ہوگا تیسری بار مغرب میں ہوگا جو دنیا کا مرکز ہے۔
(۸) ایک زبردست آگ جو یمن سے اٹھے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔

خلق آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ خالق و مالک نے اپنی باز پرس کی ابتدا سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام سے ہی کی۔ آقا و مالک اپنے غلام اپنے بند سے باز پرس یا جواب طلبی اسی کام یا احکام کی کرتا ہے جو وہ اپنے غلام کو دے اور غلام اس کی پیروی نہ کرے اور مالک کے حکم کے خلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کو اولین ہدایت سے فرمائی

حضرت آدم کے واسطے سے تمام بنو آدم کو جنت کا یہ راستہ دیکھا پاتا یا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جو میری ہدایت یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے احکام و ضابطے بتائیں جائیں ان پر جو عمل کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جو نہیں کرے گا یا انکار کرے گا کفر کرے گا وہ عذاب الہی کا سزاوار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بعد کے عرصے کو یوم الدین اسی سبب کہا ہے کہ اللہ کے احکام و ہدایات سے انحراف و انکار کرنے والوں سے اس روز حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی عادل و مہربان ہے وہ تمام تا فرمانوں کا فروں کو ایک صف میں کھڑا کر کے ایک ہی سزا نہیں دے گا بلکہ ہر ایک کے انحراف و انکار اور شرک و کفر کے مطابق ان کی سزاؤں کا تعین فرمائے گا۔ جیسے جیسے جس کے اعمال و افعال اور اقوال ہوں گے ان کے مطابق ہی ان کے جرم کے حساب سے ان کا فیصلہ فرمائے گا۔

اب تک گزشتہ سطور میں قیامت پر پابونے اور یوم حساب ہونے اور آخرت کی زندگی کے جواز کے طور پر غور و فکر کر رہے تھے قیامت کے بارے میں خود رب کائنات کیا فرما رہا ہے یہ کیسے اور کیونکر واقع ہوگی اس کے بارے میں قرآن کریم میں کیا ارشادات آئیں ان کو سمجھنا ضروری ہے۔

ترجمہ: لوگو! اپنے پروردگار کے غضب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ (الحج - ۱)

آیت مبارکہ میں پروردگار عالم اپنے تمام بندوں کو تمام انسانیت کو خبردار فرما رہا ہے کہ قیامت کوئی معمولی چیز نہیں ہوگی یہ تو بڑا ہولناک بہت ناک واقع ہوگا جب زمین پکا یکا لٹی گردش کرنے لگے گی اور سورج مشرق کے بجائے از خود مغرب سے طلوع ہوگا۔ ایک حدیث مبارکہ ابن جریر اور طبرانی اور ابن حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ ”نفس صور کے تین مواقع ہیں۔ ایک پہلے نزع دوسرا نزع صلق اور تیسرا نزع قیام رب العالمین۔ یعنی پہلا نزع سے عام سراپہ لگی پیدا ہوگی اور دوسرے نزع سے سب مخلوقات انسانوں سمیت مرکز گرد جائیں گے اور تیسرے نزع پر سب لوگ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ

کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ پھر پہلے رفع کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت زمین کی حالت اس کشتی کی سی ہوگی جو موجوں کے پھیڑے کھا کر ڈگر گار ہی ہو یا اس معلق قندیل کی سی جس کو ہوا کے جھونکے بری طرح جھنجھوڑ رہے ہوں۔ اس وقت زمین پر موجود انسان پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس کا نقشہ قرآن حکیم میں رب کائنات نے پیش فرما دیا ہے تاکہ انسان سمجھ لے اور اپنی آخرت کا بروقت بندوبست کر لے۔

اس سے پہلے کہ ہم قیامت کے بارے میں مزید جستجو کریں بہتر ہوگا کہ یہ سمجھ لیں کہ صور کیا چیز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب ایک دیہاتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صور (نوح) کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ ”کہ وہ ایک سینک ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (زهد ابن السبارک مسند احمد ابو داؤد ترمذی درائی حاکم)

ایک حدیث حضرت وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید پتھر سے شفاف شیشے کی شکل میں پیدا کیا پھر عرش کو حکم دیا کہ صور کو اٹھالے تو صور اس سے چمٹ گیا پھر کن (ہو جا) فرمایا تو حضرت اسرافیل پیدا ہوئے پھر ان کو حکم دیا کہ وہ صور لے لیں تو انہوں نے صور لے لیا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”کہ میں کس طرح آسودہ حال ہو جاؤں جبکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور کو منہ میں لیا ہوا ہے اپنے ماتھے پر بل ڈال دیا ہے اور اپنے کان متوجہ کر دیئے ہیں اور انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ پھونک مارے۔“ (ابن السبارک ترمذی مسند احمد ابن جریر طبرانی صغیر)

صور میں پھونک مارنے کا احوال رب کائنات نے مختلف آیات میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ترجمہ:- پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ اس روز ہونے والی قیامت ہو جائے گی۔ (الحاقة - ۱۳-۱۵) آیات کریمہ میں صور میں پہلی پھونک سے جو احوال واقع ہوگا کہ پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ یہی قیامت واقع ہونے کا وقت ہوگا یعنی ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔ قیامت حضرت اسرافیل کی ایک ہی پھونک سے برپا ہو جائے گی۔ سورۃ الزلزلاں میں قیامت کی اس انداز میں منظر کشی کی گئی ہے۔

ترجمہ:- جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی اور (وہ) اپنے اندر کے بوجھ باہر نکال پھینکے گی انسان کہنے لگے کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ (الزلزلاں - ۳۱)

آیات مبارکہ میں رب کائنات باخبر کر رہا ہے کہ پہلا صور پھونکا جائے گا تو سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور زمین میں دفن جتنے انسان ہیں اور جو کچھ زمین کے اندر موجود ہے ان سب کو زمین اپنے اندر سے باہر نکال کر پھینک دے گی۔ یہ پہلے صور میں پھونک مارے جانے سے ہوگا۔

ترجمہ:- جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا ایک جھٹکا اور اس کے بعد دوسرا جھٹکا اس دن دل کانپ رہے ہوں گے اور لگا ہیں خوف زدہ ہوں گی۔ (الزمر - ۶۹)

آیات میں پہلے صور پھونکنے کی کیفیت کو ظاہر کیا گیا ہے اس نچے کو فنا کا نچہ بھی کہا گیا ہے اس کے پھونکنے ہی

ساری کائنات شدید زلزلے سے کانپ اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں دوسرے نوحہ کی کیفیت کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے جس میں پھونک مارنے کے سبب مردے زندہ ہو کر اپنی اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور دوسرے نوحے کے درمیان کہتے ہیں کہ چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ سورۃ الواقعة میں صور کے پھونکنے جانے کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:- جبکہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی اور پہاڑ ہالک ہو کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پھر وہ غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ (الواقعة- ۶۳)

آیت کریمہ میں رب کائنات جس زلزلے کی خبر سن رہا ہے وہ کوئی نہ تو مقامی زلزلہ ہوگا نہ کوئی معمولی نوعیت کا زلزلہ ہوگا نہ کسی محدود علاقے میں آئے گا بلکہ پوری کی پوری دنیا کی زمین ایک وقت ہلا دی جائے گی۔ اس کو یک لخت ایک زبردست جھٹکا لگے گا جس سے سارا نظام حیات و کائنات ویران ہو کر رہ جائے گا۔

اگرچہ مفسرین کرام نے اس زلزلے کا وہ وقت بتایا ہے جب مردے زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے لیکن قرآن کریم کے مطابق وہ وقت ایسا ہوگا جب مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے سے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔ اگر قرآن کریم کی اس صراحت پر غور کیا جائے تو یہ زلزلہ پہلے قہر کے وقت آئے گا جب دنیا اپنے معمولات زندگی میں مصروف ہوں گی۔ کیونکہ ثمرت کے روز جب سب رب ذوالجلال کے سامنے جمع کر دیئے جائیں گے تو وہ وقت تو ایسا ہوگا کہ کسی کو کسی کا ہوش ہی نہیں ہوگا قرآن حکیم کی واضح صراحت ہے کہ وہاں سب رشتے ناٹے منقطع ہو چکے ہوں گے ہر شخص انفرادی حیثیت میں اللہ کے سامنے جوابدہی کر رہا ہوگا عجب نفسی کا عالم ہوگا قیامت کا احوال کے کس حالت میں کس طرح واقع ہوگی سورۃ الحج کی پہلی آیت میں پڑھ چکے ہیں۔ اب دوسری آیت کریمہ میں رب کائنات لوگوں کا احوال بتا رہا ہے کہ انسان اس روز قیامت کس حال میں ہوگا کسی نفسی ہوگی۔

ترجمہ:- جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھئے گا کہ لوگ بد ہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا۔ (الحج- ۲)

آیت کریمہ میں رب کائنات نے جو منظر کشی فرمائی ہے وہ صور میں پہلی پھونک سے سمجھ سکتے ہیں اور صور میں پہلی پھونک لگتے ہی دنیا فنا ہو جائے گی اور تمام مخلوقات الہی کو موت آئے گی۔ سب مرجائیں گے سارا نظام ویران ہو جائے گا جیسا کہ اس ہی سورۃ کی پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔ سورۃ الکہف کی درج ذیل آیت میں دوسرے صور کی کیفیت کی منظر کشی کی گئی ہے جب مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکلنا شروع ہو جائیں گے۔

ترجمہ:- اور اس روز (قیامت کے روز) انہیں چھوڑ دیں گے ایک دوسرے سے گمراہ (تھم گئے) ہوتے ہوئے اور صور پھونک دیا جائے گا پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے۔ (الکہف- ۹۹)

آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت کی منظر کشی فرمائی ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو لوگوں کے تمام رشتے ناٹے ختم ہو چکے ہوں گے جب صور کی آواز سن کر تمام مخلوقات جو پہلے صور سے مرگئی تھیں زندہ ہو کر نکلنے لگے گی تو وہ پریشانی اور گھبراہٹ کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگے گئے اس بھاگ دوڑ میں ایک دوسرے سے الجھ الجھ جائیں گے ختم گئے ہو جائیں گے کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہوگا کہ کدھر جائے کیا کرے ہر ایک پر خوف

اور گھبراہٹ طاری ہوگی یہ دوسرا نکتہ سب انسانوں کو میدانِ حشر میں جمع کرنے کے لئے ہوگا۔ سورۃ الزمر میں بھی دو صورتوں کا ذکر اسی طرح آیا ہے اور قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ:- اور ان لوگوں نے اللہ کی قدرتی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنا چاہتے تھے ساری زمین قیامت کے دن اس کی منگنی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے واسطے ہاتھ میں لیئے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائے۔ (الزمر۔ ۶۷)

انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہے کہ خالق و مالک کائنات کی ہستی اس کا مقام کتنا بلند ہے جبکہ انسان اس کی مخلوق بندہ اور غلام ہے اس کے باوجود وہ اللہ کی کبریائی کو تسلیم نہیں کرتا اور شیطان کے بہکائے میں پھنس کر دنیا کی حقیر ترین ہستیوں کو اپنی نادانی کے سبب اللہ کے اختیارِ ارات اور معبودیت کا شریک بنالیتے ہیں۔

آیت کریمہ میں اللہ کے جلال و اقتدار اور تصرف کا کھل نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس منظر میں دنیا کو اس کی منگنی میں ہونے اور آسمانوں کو یعنی وسیع تر عظیم کائنات کو اپنے واسطے ہاتھ میں لیئے ہوئے بتایا گیا ہے۔ یقیناً یہ اللہ ذوالجلال و اکرام کے لئے بڑا ہی معمولی کام ہے جس طرح کوئی شخص اپنی منگنی میں کسی گیند کو دبا لیتا ہے وہ اس کے لئے معمولی کام ہوتا ہے ایسے ہی دنیا کو منگنی میں لینا اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے اس سے بھی زیادہ معمولی ہوگا جس طرح ہم اگر اپنے ہاتھ پر کوئی رومال پیٹ لیں تو کوئی زحمت کی بات نہیں ہوتی ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بہت معمولی کام ہوگا جو افراد اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور قوت کا اندازہ نہیں کر سکتے وہ یہ منظر روز قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زمین اور آسمان اللہ کے وسیع قدرت میں ایک حقیر گیند ایک ذرا سے رومال کی طرح سے ہیں۔ (مسند احمد بخاری، مسلم نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر وغیرہ) ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دورانِ خطبہ یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی اور فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں (سیاروں) کو اپنی منگنی میں لے کر اس طرح پھرائے گا جیسے کوئی بچہ گیند پھراتا ہے۔ اور فرمائے گا میں ہوں اللہ واحد میں ہوں بادشاہ میں ہوں جبار میں ہو کبریائی کا مالک کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں جبار؟ کہاں ہیں مستکبر؟ یہ کہتے کہتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں آپ منبر سمیت گر نہ جائیں۔

(جاری ہے)



ہمارا آنچل

قصہ منظر

محمد احمد

تعارف کے لیے اپنے بھی اک بات کافی ہے
وہ رستہ چھوڑ دیتے ہوں جو رستہ عام ہو جائے
جناب یہ تو شاعر کا فلسفہ ہے ہماری مشق الگ
ہے وہی رستہ جو عام ہو جائے اس پر ہم اس نرالی
دعا سے چلتے ہیں کہ وہی عام رستہ خاص لگے۔

اب تعارف کا مرحلہ ختم کیے لیتے ہیں مجھے
قصہ منظر کہتے ہیں۔ ویسے میرے دوسرے نام
بھی ہیں مثلاً صدف، ساحر، انصی ملک اور بہت حوا
نمر زبان، روح عام انصی منظور ہی ہے۔ چاہئے
والے کہنے والے پیار سے غصے سے دھونس سے
بھی بلاتے ہیں۔ ان بدلائی کو چکوال کے ایک
نواب گاؤں سرکال، میر میں میری پیدائش کا ساٹھ
روٹھا ہوا۔ ہم دو کنٹینر دو بھائی، اسٹار میرا بہن سے
یونگا میری بی طرف کنٹینر سرطان، ویسے میری
سہیلیوں کا کہنا ہے کہ تم سارے اجازت کا پتھر ہو
کچھ کا فرما ہے کہ تمہارا تیر ہواں اسٹار ہے۔
یونگے کی سناٹا شوقین، بولتے ہوئے سانس لینا
بھی مشکل یاد رہتا ہے۔ کتابوں سے مجھے عشق ہے
لگتا ہے ایسے ہی کسی دن اوراق میں الفاظ اوڑھ
کے ہم سو جائیں گے۔ پرفیوم کی دیوانی ہوں۔
موسم خزاں کا بہت پسند ہے۔ خوبی تو شاید چراغ
کیا سورج نے کر بھی دھونڈیں تو نہ ملے ہاں البتہ
خامیاں آپ کو بغیر کسی تردد کے تھوک کے حساب
سے ملیں گے۔ انا پرستی مجھ میں بہت زیادہ ہے۔
پھول مجھے سورج، مٹی، فلپائن کا قوی پھول

سمیانت اور ٹیولپ کے بجاتے ہیں۔ پسندیدہ
رنگ سفید، کالا اور تمام رنگے رنگ، پھول، وحشک،
بارش، تھلیاں، خواب، چاندان چیزوں میں تو جاں
وہلی ہے۔ اگر مجھے ایک شام کسی کے ساتھ گزارنے
کا موقع ملے تو کچھ عرصہ پہلے اسے حمید اور ابن
انشاء اسے کیو خان اور طارق اسٹارٹ سائمر کے
ساتھ گزاروں گی۔ مجھے اپنا آپ دوسروں پر آشکار
کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ریڈیو سے والہانہ لگاؤ ہے اگر
کبھی ریڈیو سے دور کرنے کی کوشش کی جائے تو
پھر ہماری بزمِ شروغ تاوقتیکہ کارروائی ترک
کرو دی جائے۔ جس مزاج بھی فرائی سے پائی
ہے۔ پڑھے لکھے لوگ بہت انسپائر کرتے ہیں میں
نے انیب اسے کیا ہے سارا کرڈٹ والہ دھتورہ کو
جانتا سمجھتا نہیں کی کوششوں سے یہ ممکن ہوا آئی لوہو
ابھی ہی ارادہ جریٹسٹ ختم کا ہے آپ کی دعا
چاہیے۔ میں ادھار رکھنے کی قائل نہیں کسی کی
طرف نہ اپنی طرف فوراً حساب ہے باقی کردتی
ہوں۔ اچھی آوازیں اور آنکھیں ڈرکٹ کرنی
ہیں۔ پڑھنے کی بہت شوقین ہوں۔ چاہے وہ اخبار
کا ٹکڑا ہی ہو چھوڑنا نہیں ہے۔ آنچل سے وابستگی
بہت گہری ہے۔ ماشاء اللہ سب نگہاری اچھا لگتا
رہتا ہیں۔ سادگی کو ترجیح دیتی ہوں لڑکا ہوتی
تو پائنٹ بنتی۔ محبت سے محبت کی حد تک لگتے محبت
سے بڑھ کر محبت ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے
والہانہ عقیدت ہے۔ شخصیات کے حوالے سے
بات کی جائے تو قائد اعظم اور عطا اللہ شاہ بخاری کو
آئینہ یاد کر لی ہوں میری قیند تو مثال بن چکی
ہے۔ میں گدھے ٹھوڑے کیا پورا اٹھیل بیچ کر
سوئی ہوں۔ محبت وطن ہوں اور مہبان وطن کو از حد
چاہتی ہوں۔ میر کے لیے معتر اور یونان جانا چاہتی

الجل

جولائی 2014

ہوں۔ مجھے فیسٹیوٹیٹ کرتے ہیں محنت کشوں کے ہاتھوں سپاہی کا لبو، مصنف کا دل، صحافی کا قلم، مزدور کا پسینہ، وکیل کا کالا کوٹ، دانش آدمی کی بارہیا سے جھلکی آنکھیں، بہت حوا کے ڈھکے سر۔ اس گھٹنے بان و سٹاپ بول لیتی ہوں بہت سارے لوگوں نے کہا جو باتیں کرتی ہو وہ تمہیں دس سال بعد کرنی چاہیے تھیں۔ میں بہت بے پروا اور نالائق ہوں۔ مشغلہ وزیٹنگ کارڈ جمع کرنا، انٹرنیٹ پر کارڈ بھیجنا چاہیے تو جی خوش آمدید۔ خواہشات عجیب سی ہیں ہادلوں پر سائیکل چلانا، آسمان پر مار کر سے پتھر لکھنا، فریڈز ٹرنز کلب بنانا، غر و عیار سے ملنا، جن اور بھوتوں سے ملاقات، اس کے بعد لنگ کر سفر کرنا، سیلی ریت پر بیٹھے پاؤں مہلانا، نیلی چیتھی جاننا، بہت بڑی لائبریری کی ملکیت چہرے اور آنکھیں پڑھنا، پہاڑوں پر چڑھنا ایسے بندوں سے ملاقات جو خالص اردو بولے۔ کشمیر اور بیت المقدس کی آزادی، ہر آواز پر دم ٹھکتا ہے۔ سناپ بہت اچھے لگتے ہیں وطن سے شدید محبت ہے آپ سے بھی گزارش ہے کہ محبت کیجیے غر رشتوں کی تخصیص کیے بغیر وطن کے وقار کا پاس رکھیے اور اپنے خیال کا دھیان رکھیے گا، اجازت دیجیے اللہ شہباز۔

سمیرا تعبیر

آنجل کے تمام جتنے مسکراتے چہروں کو اسلام علیکم، آپ فریڈز اتنے حیران نا ہوں میں ابھی آپ کو اپنا تعارف کراتی ہوں ذرا سانس تو لینے دیں تو جی جناب میرا کیون سا نیم ہے سمیرا تعبیر (پسند آیا نا) سب گھر والے پیار سے تابی کہتے

ہیں۔ میری ڈیٹ آف برتھ 10 اکتوبر 1992ء ہے اور میرا تعلق شاپینوں کے شہر سرگودھا سے ہے۔ اشار میرا امراہے لیکن میں اشار پر ذرا کمزوری یقین رکھتی ہوں ہم لوگ تین بہنیں پانچ بھائی ہیں ایک بھائی اور بہن کی شادی ہو چکی ہے بھائی سب جاب کرتے ہیں ابو بزنس میں ہیں میں سب سے چھوٹی ہوں بی اسے کرنے کے بعد بہت مشکل سے کمپیوٹر کورس کرنے کی اجازت ملی ہے۔ اس شرط پر کہ جتنا بڑھ لیا ہے اتنا ہی کافی ہے ہم نے تم سے بزنس نہیں کر دانا بہر حال آنجل سے میرا تعلق 8th کلاس سے ہے اور اب تک آنجل میرا اور جتنا بچھونا ہی چکا ہے۔ خامیاں تو میرے اندر بہت زیادہ ہیں اور خوبیاں تو سرے سے ہیں ہی نہیں یہ میری سسٹرز کا کہنا ہے۔ میری سب سے بڑی خامی کہ مجھے غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور اتنا شدید آتا ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مجھے چھوٹے حاسد قلم کرنے والے اور دوسروں سے نفرت کرنے والے لوگ محنت نا پسند ہیں۔ میرے دل میں جو ہوتا ہے میں وہی کہہ دیتی ہوں چاہے اگلے بندے کو اچھا لگے یا برا اور منہ کی تو میں انتہا درجے کی ہوں انٹرنیٹ چیز پسند آجائے تو اس وقت چین سے نہیں بیٹھتی جب تک اسے حاصل نا کروں مجھے کہیں آنے جانے کا شوق بالکل بھی نہیں ہے انٹرنیٹ کہیں جانے کا کہہ بھی دے تو میں فوراً سرور کا بہانہ کر دیتی ہوں جس پر سب سے ڈانٹ پڑتی ہے لیکن میں اس کو بھی دل میں انجوائے کرتی ہوں۔ کھانے میں مجھے بریانی، قیمہ، کرے، مرغی کوشتے اور کڑھن بہت پسند ہے۔ مہندی بہت اچھی لگاتی ہوں انٹراپ کو بھی لگوانا ہو تو آپ کے لیے فری ہے جیولری میں مجھے صرف ایئر ٹنڈر اور چوڑیاں

زیادہ حساس دل واقع ہوئی ہوں دوسروں کے دکھ پر میری آنکھیں بہت جلد آنسوؤں سے بھر آتی ہیں سب کا دکھ شیئر کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مجھے چاندنی راتیں بہت کیوٹ لگتی ہیں جب میں اداس اور تنہا ہوتی ہوں تو چاند سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہوں (ہوں نا پاگل)۔

اوسکے جناب میرا بوریا ستر کیٹے کا وقت آگیا ہے باتیں تو مجھے آپ سے ڈیجھ ساری کرنی تھی لیکن کیا کروں میرا قلم وقت کی رفتار کے آگے بہت پیچھے ہے۔ تعارف آپ کو کیا لگتا ہے گا ضرور۔ ہمیشہ مسکراتے رہے کیونکہ مسکراہٹ کا آپ کی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اللہ حافظ۔

نورین شاہد

تمام آنچل اسٹاف ونگتے اور پڑھنے والوں کو میرا سلام اور دعا امید کرتی ہوں کہ آپ سب ٹھیک ہوں گے میرا قلم نورین شاہد ہے اور میں 31 جون 1993ء کی رات کو چاندنی بن کر (ہائے رے خوش تھی) رحیم یار خان کے علاقے ند درباری میں پیدا ہوئی میرے دو بھائی بال اور ایدار ہیں اور چار بہنیں نوشین، مہرین، قاریہ اور جویریہ ہیں سب کے سب مجھ سے چھوٹے ہیں میں سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں بلکہ تھی کیونکہ ایئریم رے تھی ہوں پریکٹیکل ہائی ہیں میرے امی اور ابو ہم سے بہت پیار کرتے ہیں اور ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اللہ انہیں لمبی عمر اور صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین، میں نے آٹھ دو سال پہلے پڑھنا شروع کیا۔ میرا پسندیدہ رنگ کالا، سفید اور فیروزہ کی ہیں کھانے میں چاول، آلو اور مکی

پسند ہیں لپاس میں ساڑھی (جو کبھی پہنی نہیں ہے) اور دوپٹا شلوار نہیں پسند ہے۔ پسندیدہ رائیڑ کی فہرست میں ہرول عزیز نام شامل ہیں سعدیہ امل، نازیہ کنول، اقرار، عفتا کوثر، سمیرا شریف، ام مریم، حفصہ سحر، نبیل عزیز، آسیہ سلیم قریشی، رخ چوہدری، فائزہ افتخار، آمنہ فرحت اشتیاق، نمرہ احمد، بابا ملک اور نادر حسین، شاعری سے تو مجھے عشق ہے۔ پسندیدہ شعرا میں حسن نقوی، اعتبار ساجد، احمد فراز، نسیم نیاڑی، امجد اسلام امجد، وحی شاہ، فرحت عباس شاہ، ارشد ملک، علامہ اقبال، سعدیہ امل اور نازیہ کنول شامل ہیں۔ ایف ایم 99 سنڈا تو میرا فیورٹ مشغلہ ہے۔ سلو اور سید میوزک اچھا لگتا ہے۔ سنگرز میں عاطف السلف، ایرار لکھی، راحت فتح علی، احمد جیاز، وارث بیگ، فاکر بادران، کمار سافو، سونو کھر ہیں۔ فیورٹ ٹھکانے میں وائنٹ ہراؤن بینک اینڈ پریل ٹھکانے میں قدر اچھا لگتا ہے کیا آپ جانتی ہیں کسی دن اسی ٹھکانے کے ساتھ نکاح پڑھوایں۔ آنس کریم کی تو میں بہت زیادہ دیوانی ہوں بقول میرے بھائی کے اگر مجھے نیند میں بھی کھانے کی آفر کی جائے تو نیند میں بھی اٹھ کر کھانے چل دوں گی۔ میٹو، وینا، اسٹیری اور چاکلیٹ فلیور میں انجلی لگتی ہے۔ خوشبو گلاب اور شبنم کی بہت زیادہ پسند ہے بچوں میں گلاب، چنبیلی اور مویا کا اچھا لگتا ہے۔ موسم سردی، بہار اور برسات کا اچھا لگتا ہے۔ خوری کی شاپ میں ڈیجیٹل کی راتیں اکتوبر کی جنسیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ جھیل جیسی اداس گہری سحر میں ڈوبی آنکھیں مجھے بہت افریخت کرتی ہیں۔ بارشوں میں بیٹنا، کھیلنا اور شرارتیں کرنا بہت اچھا لگتا ہے شہروں میں مری، سوات اور اسلام آباد بہت پسند ہیں بہت

اور تیسرے نمبر پر سمعیہ اور سب سے چھوٹا بھائی انس ہے۔ آجکل سے تین سال پرانا رشتہ ہے۔ میں نے اسے 19th کلاس میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ اب آتے ہیں خواتین اور خامیوں کی طرف مجھ میں خوبیاں تو کم ہیں لیکن خامیاں بہت زیادہ ہیں۔ اگر آپ پوچھتے ہیں تو بتائی دیتی ہوں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں دوسروں پر بڑی جلدی اٹھا کر لیتی ہوں۔ اگر کوئی کام میرے موڈ کے مطابق نہ ہو تو غصہ آ جاتا ہے اس لیے ایک دوست نے میرا نام پتھر رکھ دیا ہے اب آتے ہیں خواتین کی طرف۔ ہر کسی سے دوستی کرنا اچھا لگتا ہے جس سے میں ایک بار ملوں میں اس کو اپنا دوست بنا لیتی ہوں۔ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ لیتی ہوں۔ لگتا ہے آپ میری باتوں سے بھر ہوئے لگے ہیں پس تھوڑا سا اور برداشت کر لیں میرا فیورٹ کلر پینک اور بلیک ہے ڈریس میں مجھے لمبی قمیص چوڑی دار پاجامہ پسند ہے۔ فرائیڈ اور ساڑھی بھی پسند ہے مجھے کھانے میں بریانی، چائے اور سبزی جو بھی ہو کھا لیتی ہوں۔ میٹھے میں آگس کریم اور رس ملائی پسند ہے۔ اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔



کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پسند ہے میٹھے میں کشرڈ کباب چائیں اچھے لگتے ہیں مہندی لگانا اچھا لگتا ہے اور تھوڑی بہت لگانا بھی ہوں جیولری میں چین اور چوڑیاں اچھی لگتی ہیں اس کے علاوہ وہ چاند کو دیکھنا، میز پر کھڑے ہو کر چائے پینا، سیرنگ جگہ پر لمبی واک کرنا پارٹی کے موسم میں چائے۔ پکڑنے والے آگس کریم اور کولڈ ڈرنک سے لطف اندوز ہونا (اس سے یہ سب ایک ساتھ نہیں کھاؤں گی باری باری کھاتی ہوں) کھانا کھانے کے علاوہ کھانا پکھیتی ہوں لیکن روٹی کے مختلف نقشے ہی ملتے ہیں خامیوں میں جلد خد کرنا اور ہاتھ دنگ سے نمائز نہ پڑھنا شامل ہیں۔ اور خوبی (بقول امی) ایک بھی نہیں ہے۔ میرے دوست بہت کم ہیں بنانا ہی نہیں آتے۔ ماریہ میری بہترین دوست ہے اس کے علاوہ تمینہ جو ساتھ چھوڑے کبھی نا اور آسید ہیں۔ کزنز میں عائشہ اور مانی رافیق ہیں ایف ایم بڑے شوق سے سنتی ہوں۔ میں ایف ایم کا سیکرٹ نے کی کوششیں جاری ہیں ڈانری بہت شوق سے لکھتی ہوں۔ لغاریف کیسا لگا بتائیے ضرور۔ اللہ تعالیٰ۔

نوشین مشتاق

السلام علیکم اویسے آپ میرا نام پڑھ تو چکے ہوں گے لیکن پھر بھی اپنا نام بتائی دیتی ہوں مجھ مابہ دولت کونوشین مشتاق کہتے ہیں۔ 26 جون کو اس دنیا میں تشریف لا کر اس دنیا کو چار چاند لگا دیے۔ ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ فرسٹ ٹرین، سینکڑ میں پائیڈ اور انیم ہم

بہترین کہانیات

نایہ کنول نازنی

ادبیۃ

وہ ایک خط جو تو نے لکھا ہی نہیں
میں روز بیٹھ کر اس کا جواب لکھتی ہوں
کمرے کی لمبائی سی روشنی میں، اپنے چاہنے والے قارئین کی ان گنت محبتوں کا سمندر سامنے پھیلائے، میں کھڑکی
کے اس پار دھیرے دھیرے غروب ہوتے سورج کو دیکھ رہی ہوں اور یہ دل جو امت مسلمہ کے لیے درد سے چور ہے جانے
کیوں اتنی بے شمار محبتوں کا سمندر سامنے پا کر بھی اداسی کے قلعے سے باہر نہیں آ رہا۔
قارئین بھارت میں اس وقت "سودی سرکار" حکومت بنا چکی ہے۔ وہ سودی سرکار کہ جس کی وزارت اعلیٰ میں بھارتی
مہجرات میں سکڑوں "مقصوم اور نسبتاً مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اسی ظلم کے پس منظر
میں امریکہ جیسے ملک نے بھی سودی سرکار کی اپنے ملک میں واسطے پر پابندی عائد کر دی۔ اب دہریہ اٹھٹھم بننے کے بعد اسی
سودی سرکار کا آن دیو ریکارڈ انٹرویو میں یہ کہنا ہے کہ اسے مہجرات میں شہید ہونے والے سیکڑوں مسلمانوں کی شہادت کا
اتنا ہی افسوس ہے جتنا کسی گاڑی کے ٹائر تھلے آئے کتے کے مرنے کا، اس بیان میں آئندہ ہندوستان اور پاکستان کے
مابین تعلقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہم کیسے مسلمان ہیں جو دشمن سے الفت کا دم بھرتے ہیں اور انہوں سے جنگ کرتے ہیں وہ جو ہمارے محافظ ہیں
جنہوں نے ہماری حفاظت کے لیے اپنی جانیں ہر عددوں کے سپرد کر دی ہیں ہم امریکہ جیسے دشمن کے بہکاوے میں آ کر
انہیں محافظوں کے لیے مشکلات کھڑی کر رہے ہیں۔ یہ کیسا جہاد ہے؟ اللہ تعالیٰ عزیز اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنی پناہ و
امان میں رکھے آمین۔

ماہ جولائی کے لیے میرے ہاتھ میں یہ سب سے پہلا خط۔ شاہ تکرہ رسلانوالی سے بہت پیاری، بہن فریحہ شہیر کا ہے
آج کل کی معرفت اس مایوس کے لیے انہوں نے بہت سے خوب صورت دید و زیب کارڈز بنا کر بھیجے ہیں بہت شکریہ فری،
میں اکثر جب ایسے خط پڑھتی ہوں تو رو پڑتی ہوں کہ میرے مالک نے مجھے جتنی گناہ گار لڑکی کے لیے اپنے پیارے
بندوں کے دلوں میں محبتوں کی شمعیں روشن کر رکھی ہیں فریحہ جس محبت اور دیوانگی کا آپ نے اپنے خط میں اظہار کیا ہے
میں اس کا شکریہ تو ادا نہیں کر سکتی مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ اللہ آپ کو اس کا بہترین جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔
آپ کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ مجھے تک رسائی نہ ہونے کے باوجود آپ مایوس نہیں ہوئیں۔ آپ کے سوالات کی طرف۔

فیس بک پر آپ کا جوا فیشنل چیچ ہے وہاں آپ اور میرے ساتھ ہوا آپ کا ٹاول "اے تبت تیری خاطر"
سے بات کی جا سکتی ہے؟ میں اس چیچ پر نہ کوئی کمنٹ کر سکتی
ہوں نہ لکھ سکتی ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟

جاناں اس کی وجہ تو میری سمجھ سے بھی باہر ہے شاید چیچ
سینک میں کوئی مسئلہ ہو، بہر حال آپ ڈائریکٹ ان ہمیں
میں اس پیغامات بھیج سکتی ہیں۔

آپ کی کیا آپ نے کبھی اپنی ان فین گرنز سے متعلق
ٹاول لکھنے کا سوچا جو آپ رائٹرز کے ٹاول ڈھونڈتے
ڈھونڈتے خوار ہو جاتی ہیں جیسا کہ سرگودھا میں میری فریڈ

دعاؤں کا بے حد شکریہ
لکھوں کی سہمتی مجھے آتی نہیں

پر دل کی ایک خواہش کہہ دوں
پانی کا ہر قطرہ اگر دعا بن جائے
تو تجھے میں تجھے سارا سمندر بھیج دوں

جہاں گمراہ شعلہ پشاور سے محبت کی شیرنی میں ڈوبا خط
بے میری بہت پیاری دوستم شہنشاہ خان عرف شہنشاہ خان کا
جو خود بھی بہت اچھی لکھاری ہیں لکھتی ہیں۔

نازی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے سوالیہ پوچھوں یا اتنے
خوب صورت شاندار ناظر تخلیق کرنے پر آپ کو خراج تحسین
پیش کروں سب ناظر بے مثال ہیں چاہے وہ ریگ دشت
فراق ہو یا وہ عشق جو ہم سے درگھ گیا چھیل کٹا رہ کنگر ہو یا اے
مرگ خان محبت، پتھروں کی پلکوں پر ہویا اے محبت تیری خاطر
آپ نے جب بھی لکھا جو بھی لکھا ہمیشہ شاندار لکھا میرے
پاس تعریف کے لیے الفاظ نہیں، مگر میں کہوں کہ میں صرف
اور صرف آپ کے ناظر کی وجہ سے آج کل خریدتی ہوں تو غلط نہ
ہوگا۔ ایک نصیحت بھی کرنی ہے کہ پلیز جاناں اتنی نرم دل نہ
ہیں کہ لوگ آپ کی پر خلوص محبت، بے ریا، ہمدردی اور آپ
کی نرم دلی سے نا جائز فائدہ اٹھائیں اور آپ کو ہرٹ کرتے
رہیں اور پلیز کبھی بھی اپنا کوئی بھی ناوی ڈراموں کے لیے
مت دینا۔ کوئی اچھی سی بات یا نصیحت جو میں آپ کے
حوالے سے اپنی ڈائری میں نوٹ کر سکوں ضرور کیجیو گا۔

عزیز از جان! آپ کے اتنے خوب صورت الفاظ اور
محبت کے جواب میں، میں کیا کہوں کچھ مجھ میں نہیں آ رہا۔
جیسے دھوکہ قرض کی طرح ہوتا ہے ایسے محبت بھی قرض کی
طرح ہوتی ہے اور میرے مالک کا مجھ پر یہ خاص کرم ہے کہ
میرا دامن اس دولت سے بھرا ہے۔ میری ذات ان بے لوث
محبتوں کے قابل نہیں ہے اس لیے میں کہوں گی۔

عزیز اتنا ہی رکھو کہ دل بہل جائے
اب اس قدر نہ جاؤ کہ دم نکل جائے

جہاں تک ناظر کی پسندیدگی کی بات ہے تو میں اس کے
لیتا آپ کی شکر گزار ہوں میری بہنا جہاں تک خود کو بدلنے کی
بات ہے تو شاید میں چاہ کر بھی ایسا نہ کر سکوں کہ یہ چیز میری
مٹی کے اندر رچ بس گئی ہے۔ یہ جو محبت ہوتی ہے ناگہانی دینا

میں اس سے بڑا طاقت ور جذبہ دوسرا اور کوئی نہیں۔ بہر حال
آپ نے فی دی ڈراموں کے لیے منع کیا ہے تو میری جان
آپ خود اس کی گواہ ہیں کہ صرف آپ کے مان کو سلامت
رکھنے کے لیے میں نے اسے روائی، اہم اور جیو کے علاوہ اور
بھی کتنے چھٹو کو انکار کیا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو آپ کی خوشی
اور رضا مندی کے بعد ہوگا۔ یہ وعدہ ہے آپ سے آپ کی
محبت اور عاذل کا ایک مرتبہ پھر بے حد شکریہ۔

عارف والا ہے، لیکن خاصہ لکھتی ہیں۔
لکھنے کے سفر میں کس نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی
رہنمائی کی؟

میرے اللہ نے اس کے بعد مجھے پڑھنے والے میرے
قارئین نے۔ ان کے علاوہ الحمد للہ کسی کا سہارا نہیں لیا۔
آپنی میں بھی آپ کی طرح بڑی رائٹر بننا چاہتی ہوں مگر
بار بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو کیا کرنا چاہیے، کیا ارادہ
ترک کر دینا چاہیے؟

ہرگز نہیں خاصہ آج کی نازی کنول نازی (NHI) میں
درست لفظ لکھنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ وہ پیسے جو مجھے جیب
خرچ کے لیے ملتے تھے میں ان سے خط کے لفظ فخرید لایا
کرتی تھی۔ مجھے لکھنے کی ہوس تھی اور کوئی رہنما نہیں تھا سوائے
میری ہما کے، پتا نہیں کتنے عرصہ تک مجھے صرف ناکامیاں ملتی
رہیں کیونکہ صحیح ایڈریس تک لکھا نہیں آتا تھا کہ روزنامہ جنگ
کے سنڈے میگزین کی طرف سے صفحہ انچارج جناب افسر
خان ہرادی صاحب کا مسوتوں کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہوا
مختصر سا خط مجھے آپ حیات بن کر ملا اور اس کے بعد نازی نے
کبھی ناکامیوں کی پروا نہیں کی شاید آپ نے سن رکھا ہو۔

گرتے ہیں عہد سواری میدان جنگ میں
تو پیاری بہن وہ کامیابی ہی کیا جو بڑا کسی ناکامی اور
جدوجہد کے پلیٹ میں بھی سجائی مل جائے۔ اس لیے اپنا
حوصلہ کبھی مت ہارے ان شاء اللہ ایک دن ضرور کامیابیاں
آپ کے قدم چومیں گی۔

ہر انسان زندگی سے لڑتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے کیا آپ
کو کبھی اپنی زندگی بے معنی لگی؟

● عائشہ خان لکھتی ہیں کیا حال ہے نازی، مجھے نچل پڑتے ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں آپ کی کہانیاں اور ہول مجھے بے حد پسند ہیں اب مسئلہ یہ ہے کہ کچھ ماہ سے آنچل آپ اور انیس ہورہا۔ مطلب اسٹوری آپ لوڈ نہیں ہوئی اور جو تکمل ہول دیے گئے ہیں وہ بھی نہیں پڑھے جاتے کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟

پیاری عائشہ خان آپ کی محبت اور پسندیدگی کا بے حد شکریہ آنچل سے متعلق آپ کی شکایت متعلقہ احکام تک پہنچا دی ہے ان شاء اللہ بہت جلد آپ پہلے کی طرح آنچل کی ویب سائٹ پر ہول پڑھ سکیں گی۔

● نامعلوم مقام سے آرزو چوہدری اور کوٹلا سے میرب چوہدری کا سوال۔

آپ اپنی اداس کیوں رہتی ہیں؟

آرزو اینڈ میرب جاناں

اداسیوں کا کوئی ہو سبب تو بتائیں

کہ ہم اداس کیوں بے سبب بھی رہتے ہیں

کیا آپ کو محبت پر یقین ہے؟

جی ہاں مگر آج کل کی محبت پر نہیں۔

آپ کا ہیست فرائیڈ کون ہے؟

جو ابھی خلوص دل سے نہیں کرے۔ ان کے علاوہ جن کی

دوستی میری زندگی کا سرمایہ ہے ان میں شبنم خان، کیفیہ خان، انیس اس شہزادی، سمیرا اندیم، نفیس اور نوشین، ابرار نوشی شامل ہیں۔

● راولپنڈی سے بہت پیاری بہن "شاہ زندگی" کا

خط میری آنکھوں کے سامنے ہے، بہت محبت اور خلوص سے لکھا گیا خط بے حد شکر یہ زندگی لکھتی ہیں۔

دوست آپ بہت مغرور ہوئی ہیں اتنے خط لکھے مگر کسی

ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ خیر تو ہے، تحصیل کنارہ کنگر بہت

زبردست تھا مبارک باد قبول کریں اور نیا ناول جلدی لکھیں

آنکھیں تھک گئی ہیں انتظار کرتے کرتے آنچل میں آپ کی

کی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے آپ اللہ سے دعا کرتا

کہ میری دعا قبول کر لے اور مجھے معاف کر دے اور امی سے

ہوں کبھی کبھی، انسان کے اندر کے موسموں میں تغیر و تبدل سے احساسات میں بدلاؤ آتا رہتا ہے۔

اگر میں کہوں کہ میں آپ سے ملنا اور بات کرنا چاہتی

ہوں تو کیا آپ میری یہ خواہش پوری کریں گی؟

آنکھ کو دس بات تو آپ آنچل کے تھوڑے جب چاہیں

کر سکتی ہیں ہاں ملنے کے لیے آپ کو خود آنا پڑے گا کیونکہ

میں بلوچستان نہیں کر سکتی۔

آپ کی وہ کون سی ایسی کہانی ہے جو آپ کو لگتا ہو کہ یہی

میری زندگی کی پہلی ہوا خری کہانی ہے؟

"اے مڑگان محبت"

آپ ایک حساس دل رکھنے والی خلوص لڑکی ہیں مجھے لگتا

جناپ نے بہت گہری محبت کی ہے کیا محبت صرف ایک

بار ہوئی ہے یا بار بار؟

محبت کسی ایسے جزیرے کا نام نہیں ہے عاصمہ جسے کوئی

دریافت نہ کر سکے مگر جس کے قدم اس سرزمین پر پہلی بار

پڑیں قدر اسی کی ہوتی ہے۔ بہت شکریہ آپ کی محبت اور

دعاؤں کا۔

● روحین علی خان جہاگیر پشاور سے پوچھتی ہیں۔

اسلام علیکم وزیر نازی کیا حال ہیں مجھے اپنے بارے میں

بتائیں پلیز؟

نیز روحین احمد شہزاد انہما کے کرم سے میں بخیر و

عافیت ہوں دنیا میں شاید میں واحد لڑکی ہوں جسے اپنے

بارے میں کچھ بھی نہیں پتا۔

● حیات آباد پشاور سے عمارہ شاہ پوچھتی ہیں۔

کنول آئی مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی

تحریروں میں اتنی گہرائی کیوں ہوتی ہے جیسے یہ سب حقیقت

میں نہیں ہے؟

آپ کی محبت ہے عمارہ وزیر جہا آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے

وگرنہ میں تو کوئی ایسا کمال نہیں کرتی اہل میں یہ سب

ہمارے اندر کے محسوسات پر ہوتا ہے کہ ہم نے کسی تحریر کو کیسے

لکھا ہے آپ نے اتنی گہرائی سے سمجھا اور محسوس کیا آپ کا بے

حد شکریہ چنداں

اگر کوئی فقیر یا ضرورت مند راستے میں مل جائے تو کم از کم کتنی بھیک دیتی ہیں؟

قصیر! میں نے آج تک کبھی کسی کو بھیک سمجھ کر کچھ نہیں دیا، مذہبی کبھی کتنی کر کے دیتی ہوں، پچاس سے کم کبھی نہیں دیتی میں ہمیشہ جب بھی کسی کو کچھ دیتی ہوں تو اسی نیت اور سوچ کو مد نظر رکھ کر دیتی ہوں کہ یہ پیسے اللہ نے اپنے اسی بندے تک پہنچانے کے لیے دیے تھے اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں۔

● ڈوگر گجرات سے آئے نسہ کا سوال ہے۔

آپ! جب آپ کی پہلی کہانی شائع ہوئی تو اس وقت آپ کے کیا تاثرات تھے؟

پیاری آنسو میری پہلی بات کا عدد کہانی جو شائع ہوئی وہ تھی "تیرا پیار نہیں بھولے" یہ ماہنامہ جواب عرض میں شائع ہوئی تھی۔ میں اس وقت اپنی ماں کے ساتھ اپنی مہمانی کے گھر شادی کی تقریب کے سلسلے میں تھی ہوئی تھی اور میرے کزن جواد نے مجھے اس کہانی کے شائع ہونے کا بتایا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا وجود ہوا میں تکمیل ہو گیا ہو۔ کزن نے مجھے اسی وقت جواب عرض لا کر دیا اور میں لوڈ شیفنگ میں بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بار بار اپنی کہانی پڑھتی رہی تھی وہ فیملنگز وہ احساسات بیان کیے نہیں جاسکتے یار۔

آپ کا پسندیدہ ناول؟

چیر کاٹل، عشق آتش، امرتیل، متاع جاں ہے تو بقر اقرم کا تاج محل، لا حاصل، دربار دل، محبت دل پہ دستک، جنت کے پتے، وغیرہ وغیرہ۔

کوئی ایسی خواہش جو ابھی تک تکمیل نہ پا سکی؟

بہت ساری خواہشیں ہیں یار، کیا کیا شیئر کروں؟

میرے لیے کوئی اچھی ہی دعا؟

اللہ آپ کا نصیب اچھا کرے اور آپ کو ڈھیر ساری

خوشیاں دے آمین۔

● چنیوٹ سے دل کش مریم نصیحتی ہیں؟

پیاری نازیہ کنول نازی سب سے پہلے میری طرف سے

حقیقت پر مبنی کہانیاں لکھنے پر مبارکباد دیوں کریں۔

انجیل

کہیے گا آپ کی ایک بٹی آپ سے بہت دور رہتی ہے جسے زندگی اور رشتوں پر بھروسہ تھا مگر ان رشتوں نے اسے بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

پیاری زندگی! میں آپ کی زندگی کی الجھنوں کے بارے میں تو نہیں جانتی۔ مگر آپ بہت پیارے خوب صورت دل کی مالک ہو اس سے پہلے آپ کا کوئی خدہ ہی نہیں ملا تو جواب کیسے دیتی میری جان؟ یہ خدہ بھی لیٹ ملا ہے آج کل میں میری تحریروں کے لیے آپ کا انتظار ختم ہوا۔ میری ادبی کی طرف سے آپ کے لیے ڈھیر سارا پیارا دودھ کاٹیں۔

چشتیاں منڈی سے بہت پیاری دوست صیرا ندیم نصیحتی کے شرارتی سوالات۔

شادی کب تک کریں گی اور اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں کیا سوچا ہے کہ کیسا ہوگا؟

تیرا ڈیرہ رگی بات بتاؤں تو مجھے لگتا ہے جیسے میرے ساتھ میں شادی کی ٹکیر ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا لائف پارٹنر میں چاہتی ہوں ویسا آج کے اس مصنوعی اور مادی جذبات کے دور میں تو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ میں بہت نیچرل اور روٹھوئی لڑکی ہوں ٹوٹ کر پیار کرنے والی سو اس سوال کو ابھی رہنے دیں ویسے بھی لائف پارٹنر کے لیے مجھے آری سے منسلک کسی شخص کی خواہش ہے۔

کھانے میں کیا پسند ہے اور لیڈیز مشاپنگ کا جنون کس حد تک ہے؟

کھانے میں گوشت کے ساتھ جو مرضی بن جائے مجھے پسند ہے مگر مشاپنگ کا جنون نہیں، ابھی اس سال ہا سال گزر جاتے ہیں میں بازار نہیں جاتی۔ ضرورت کی چیزیں بھی گھر والوں سے منگواتی ہوں۔

اچانک لائٹ چلی جائے تو آپ کے منہ سے بے ساختگی میں کیا نکلتا ہے؟

ڈیرہ قصیر! ہمارے گھر میں میرے بھائی نے یو پی ایس اور سولر کا ایسا سسٹم سیٹ کر رکھا ہے کہ لائٹ جانے کا پتا نہیں چلتا پھر بھی کبھی ایسا ہوتا میرے منہ سے یہی جملہ نکلتا ہے۔

"اے اللہ لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا۔"

شوہر اور سسرال والوں کا دل آپ کی محبت سے بھر دیتی۔ دعا ہے اللہ آپ کو زندگی کی ہر خوشی نصیب کرے آمین۔

آپ کا ہر ناول "پتھروں" سے شروع ہو کر پتھروں پر ہی ختم ہوتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ، جبکہ انفرادی طور پر ہر ناول الگ ہی تاثیر رکھتا ہے؟

عشرت ڈیز مجھے پتھر پسند ہیں، شاید اسی لیے یہ میری تحریروں میں بھی آ جاتے ہیں تاہم کی پسندیدگی کے لیے بے حد شکریہ۔

نازیہ باجی آپ کے کتنے ناڈز کتابی شکل میں آچکے ہیں اور کہاں مل سکتے ہیں؟

ڈیز میں نے اب تک جتنے بھی ناڈز لکھے ہیں سب کتابی شکل میں آچکے ہیں مختلف اداروں سے آج کل میں شائع ہونے والے ناڈز کتابی شکل میں بھی دستیاب ہیں وہ اس پتے پر دستیاب ہیں۔

انٹرنیشنل پبلی کیشنز، سرنگر روڈ، چوک اردو بازار لاہور، 042-37652546

نازیہ آپ آج کل کی سپر ہٹ ڈاکٹر ہیں دوبارہ انٹری کب دہریگی؟ اور مستقبل میں اپنی لائف سے متعلق کیا ارادے ہیں؟

بابا! بہت شکریہ عشرت آپ نے اتنا بڑا ایوارڈ دیا۔ مستقبل میں اللہ میرے ارادے تو نیک ہی ہیں باقی جو اللہ کی مرضی۔

نازیہ آپ اپنی ہر تحریر میں عورت کے لیے بہت درد رکھتی ہیں یہ حقیقی اور ازدواجی زندگی سے متنی مطابقت رکھتی ہیں کچھ اپنی نئی زندگی کے بارے میں بھی تفصیل بتائیں پلیز۔

پیاری عشرت آپ کا یہ سول مجھ پر احسان ہاں شاعرانہ نگلی کسی نشست میں ضرور فرصت سے جواب دلوں گی۔ بہت شکریہ

❖ دینی سے عباس کبھی کا سوال آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہے اگر بولا ہے تو کس سے اور کیا جھوٹ بولا تھا؟

واہستہ ایسا کبھی نہیں ہوا اگر ہوا تو یاد نہیں ہے۔

❖ دینی سے ہی بہت پیارے بھائی ملک سلیم اور ان کی اہلیہ کا سوال ہے۔

(کرلی جاناں) بہت شکریہ اب آپ کے سوالات کی طرف۔

آپ مزاج کیسی ہیں اور غصے میں آپ کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟ ڈیز مریم

غصے میں میرا رد عمل بچپن میں تو یہ ہوتا تھا کہ اپنا بازو کاٹ لیتی تھی بہت شدت سے اب یہ ہے کہ چپ چاپ روئے لگ جاتی ہوں۔

شکس مزارج کے اور کیسے لوگ پسند ہیں؟

سادہ مخلص، ایمان دار اور سچے لوگ بے حد پسند ہیں جھوٹے اور منافق لوگوں کو میں بالکل پسند نہیں کرتی۔

آپ اپنے معاملات میں کس حد تک آزاد ہیں؟ جس حد تک میرے مذہب اور میری فیملی نے مجھے آزادی دی ہوئی ہے، الحمد للہ۔

آج کے دور میں اپنی فیملی کے علاوہ اور کس پر بھروسہ کر سکتی ہیں؟

مریم! ڈیز بھوکہ خور فریب، ناگوار کی طرح ہمارے ارد گرد اتنا پھیل گیا ہے کہ اب خود اپنے سہارے پر بھی اعتبار کرنے کو دل نہیں کرتا۔ پھر نہیں میں ہر کسی پر بھروسہ کر لیتی ہوں اور چونکہ میرا دل صاف ہے اس لیے آج تک الحمد للہ کبھی نقصان نہیں ہوا۔ آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکریہ۔

❖ میرے پاس ایک طویل خط ابن عشرت محمد علی کا ہے۔

نازیہ جی یہ دنیا فانی ہے عمر اس فانی دنیا میں آپ حوا کی بیٹیوں کے لیے کچھ ایسا لکھیں جس سے انسانی سوچ میں درست پیدا ہو کیونکہ آپ کی شاعری اور کہانیوں میں ایک عورت کا درد شامل ہوتا ہے۔

میں شادی شدہ ہوں اور شادی شدہ لڑکیوں کی پابند زندگی سے آپ بخوبی واقف ہوں گی یہاں سسرال میں عورت صرف ایک غلام اور مرد کے لیے صرف ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے نازیہ جی ڈیز میری کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ضرور دعا کیجیے گا۔

پیاری عشرت مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کا پورا خط شامل نہیں کر سکتی۔ کاش میرے ہنس میں ہوتا تو میں آپ کے

سے محبت بھائی تھی۔

● ہاں معلوم مقام سے ذرا شاہ کا خط ملا پوچھتی ہیں۔

رائٹر بننے کے لیے کیا چیز سب سے زیادہ ضروری ہے؟

حساسیت، علم، معلومات، عاجزی اور ایک بہت خوب

صورت گداز دل۔

آپ کی کہانیوں میں ہیروز اتنا دوستے کیوں ہیں؟

مجھے نہیں لگتا کہ لڑے محبت کر سکتے ہیں اور محبت نہ ملنے پر

رو سکتے ہیں؟

یار لڑکوں کی محبت کے معاملے میں میرے خیالات بھی

آپ سے مختلف نہیں، مگر شاید ہم غلط ہیں کیونکہ محبت مرد اور

عورت سے بالآخر جذبہ ہے۔ مردوں میں چونکہ قوت

برداشت زیادہ ہوتی ہے تو وہ عورتوں کی طرح اپنے دکھ درد کا

دلوپلا نہیں کرتے برداشت کر جاتے ہیں ویسے میرے

نظر پر کے مطابق عورت زیادہ ظلم اور ایمان دار ہوتی ہے

محبت کے معاملے میں۔

ہمارے ملک میں کیا ایسی تبدیلی آئے کہ جس سے

دہشت گردی ختم ہو جائے ہمیشہ کے لیے؟

بہت خوب صورت اور دلچسپ سوال، ہمارے ملک

کو اس وقت ایک مدبر اور صالح قیادت کی اشد ضرورت ہے

جو نڈر اور بے باک ہو۔ بالکل فرانس کے صدر "لیگلان" کی

طرح اس سر زمین سے ظلم ہو۔ اس وقت دہشت گردی

سمیت تمام مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی قوانین کے

نافذ ہونے میں ہے۔

آپ کے بے حد خوب صورت اور دلچسپ سوالات کے

لیتے آپ کا بے حد شکریہ ذرا انقطاع کو خوش رکھے گا میں۔

اور میرے پاس اس نشست کا سب سے آخری بے حد

خوب صورت خط پیاری بہن ایمان فاطمہ کا فتح پورا زاد کشمیر

سے لکھتی ہیں۔

تذکرہ جی میں آپ کو سلام پیش کرتی ہوں جن آپ بے محل

مسجد کے لیے لکھا میں اس کاوش کے لیے کوئی ری کارڈ آپ کو

دوں تو خود کو خالی پاتی ہوں۔ میں آپ کی فہم نہیں ہوں لیکن

مجھے لگتا ہے میرا بہت گہرا تعلق ہے آپ سے مجھے آپ کے

زندگی میں عزت شہرت اور دولت کے بعد کس چیز کی کمی محسوس کرتی ہیں؟

طاقت کی، ایسی طاقت کی کہ جس سے میں ہر قسم کے شر

اور ظلم کا خاتمہ کر سکوں۔

● اسلام آباد سے حیا سکندر پوچھتی ہیں۔

بچپن میں آپ کا کیا خواہش تھی کہ بڑی ہو کر کیا بنیں گی؟

ڈیزر حیا جب میں بہت چھوٹی تھی تو میری پائلٹ بننے کی

خواہش تھی مگر یہ خواہش پوری نہ ہو سکی پھر لڑپن میں میری

خواہش ڈاکٹر یا وکیل بننے کی تھی۔ اس کے لیے میری اساتذہ

نے میرا ذہن بتایا تھا کیونکہ میں بہت ذہین و فطین ہونے

کے ساتھ ساتھ بے حساس تھی مگر میری ایک دوست نے ذرا

دیا کہ اگر تم میڈیکل لائن میں گئیں تو پھر دن رات بس پڑھنا

ہی پڑھنا ہوگا۔ میں موڈی لڑکی تھی ہر وقت پڑھنے کو پسند نہیں

کرتی سوائی اساتذہ کی ڈانٹ سن لی ان کو ناراض کر دیا مگر

میڈیکل لائن میں نہیں گئی وکیل میرے بھائی نے مجھے نہیں

بندھا دیا۔

رائٹنگ کی فیلڈ کی طرف کیسے آئیں، کوئی واقعہ یا حادثہ

سبب بنا؟

جی نہیں الحمد للہ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہوا میرا فطری شوق

اور جنون تھا کہ مجھے عام انسانوں کی طرح گتھی کی موت

نہیں مرنا۔ میں اگر دنیا سے جاؤں تو صرف میرے گھر والے

ہی مجھے نہ روئیں اور بھی لوگ ہوں جن کو یہ پتا ہو کہ میں دنیا

میں آئی تھی اور چلی گئی تو بس یہی خواہش اس فیلڈ کی طرف

لانے کا سبب بنی۔

● کراچی سے ہمارے آرٹی آفیسر محمد کلیم

پوچھتے ہیں۔

اپنی پہلی میں سب سے زیادہ کس سے کلوز ہیں؟

اپنی ماں سے اس کے بعد اپنے بڑے بھائی سے۔

آپ کے ناؤز میں آپ کا فیورٹ کرکٹر اور اس کی

پسندیدگی کی وجہ؟

"ارے مڑگان محبت" کا ارشاد میرا فیورٹ کرکٹر تھا

کیونکہ اس نے ذرا نیلا یعنی ایک عورت کی افسانے کو سمجھ کر اس

اندرا حد نظر چھلی ہوئی اداسی سے عشق ہے۔

● پیاری بہن ایمان فاطمہ لفظ جاوہ ہوتے ہیں اور یہ انسان کو اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں آپ نے میرے لیے اتنے خوب صورت لفظ لکھے آپ کا بے حد شکر ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات کی طرف آتی ہوں آپ کا پہلا سوال۔

نازیہ کنول نازی کو آپ کس طرح سے انکسپلین کریں گی؟

میں اپنی نظر سے خود کو دیکھوں تو تن سحر کے اندر کہیں کوئی سس زل رہتی ہے۔ سینٹ پتھر سے سے بھی زیادہ مضبوط ذات کے قلعے میں زندہ جتنی ہوئی کوئی انکار کلا سکتی پھر رہی ہے۔ ضرورت سے زیادہ حساس، سداوہ، مخلص اور تنہائی پسند ہوں عزت نفس پر ضرب کسی صورت گوارا نہیں خود داری کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف دینا یا نقصان پہنچانا پسند نہیں۔ مستقل مزاج بالکل بھی نہیں۔ بہادر اتنی ہوں کہ حق بات کے لیے ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں مگر بزدل ایسی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑتی ہوں۔

وہ لوح جب آپ نے خود کو بے بس پایا اور سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، کیسے اس وقت آپ نے خود کو سہارا دیا؟

میری زندگی میں بہت بار ایسے لمحے آئے وہ لمحہ جب میرے اپنے خون کے رشتوں نے میرے بے مثال بھائی پر ٹھانی چیک کا جھوٹا کیس بنوایا اس وقت میری ماں کے پاس ان کی سسکیاں سننے کے لیے میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ کوئی نہیں تھا اس وقت میرے ساتھ جو میرا حوصلہ بندھا سواٹے میرے رب کی پاک ذات اور میرے پیارے نانا ننانی کے۔

ایک طرف دنیا کے سارے شیطان تھے اور دوسری طرف صرف اپنے کمرے کی چار دیواری میں قید رہنے والی ایکس بائیس سالہ لڑکی جسے دنیا کا پتا ہی نہیں تھا تب میں نے خود کو بہت بے بس پایا تھا مگر میری زندگی کے اس سوڑ پر بھی میرے اللہ نے مجھے بے سراسر نہیں چھوڑا۔

دوسرا لمحہ جو قابل فراموشی رہا وہ اس وقت آیا جب اپنی کی شیطانی کے باعث بھائی کو طعنے والی اذیت نے

میری ماں کو اندر سے نچوڑ لیا اور وہ HODGING LAPHOMA کی گرفت میں آ گئیں۔ تب بھی میرے ساتھ سوائے میری دوستوں کی محبت اور دعاؤں کے اور میرے پیارے نانا ننانی کی طرف سے ہمت افزائی کے اور کوئی نہیں تھا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بہن بھائی جن کے لیے گھر کی چار دیواری ہی کل دنیا تھی اور میں بھی سب میری طرف آنسوؤں بھری مظلوم نگاہوں سے دیکھتے تھے کہ میں ان کی ماں ہوں، جوان کے لیے دنیا میں بھینے کا واحد رشتہ ہے بچا سکتی ہوں اور میں ٹرپ کر رہ جاتی تھی۔

کوئی اس وقت دیکھتا ساری دنیا کے دلوں پر راج کرنے والی نازیہ کنول نازی مختلف سڑکوں پر سسکتی پھر رہی تھی۔ مگر ایک مرتبہ پھر مالک نے ایسے مجھے سرخرو کیا کہ میرا ایک ایک سانس اس مالک دو جہاں کے حضور اس کے شکر لانے میں جکڑ گیا الحمد للہ۔

جہاں تک خود کو سہارا دینے کی بات ہے تو مجھے ہمیشہ اپنے رب پر کمال یقین ہوتا ہے کہ وہ مجھ کا کیا نہیں چھوڑے گا۔ وہ لمحہ جب آپ کو پتا چلا کہ آپ کی مہم صحت مند ہوگئی ہیں اس وقت آپ کی کیا کیفیت تھی؟

مت پوچھو یار جیسے بیابان صحرا میں سالوں پہلے چلتے کسی مسافر کو شند سے پیچھے پانی کی جھیل نظر آ جائے جیسے موت کے منہ میں جاتے کسی مرے ہوئے کو زندہ کی ٹویدل جائے بالکل ایسا ہی حال میرا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا میں اپنی مہم کے معائنہ ڈاکٹر کے ہاتھ چوم لوں۔ میں نے اپنی ساری کتابیں انہیں دے دیں۔ میری قابل فکر دوست حسین شفیق اس وقت بہاولپور کی سڑکوں پر قدم قدم میرے ساتھ رہیں۔

میرے بارے میں آپ کی رائے۔ مجھ میں اور آپ میں کیا مشترک ہے؟

ورد... تنہائی..... اداسی بہت شکر یہ ایمان آپ کی محبتوں اور پر غلوں دعاؤں کا۔

(بالی خطوط کے جوابات ان شاء اللہ جلد ۲۰)





سرفراز خان
نارنگہ گلزار

احساس کی خوشبو کہاں، آواز کے جگنو کہاں
خاموش یادوں کے سوا گھر میں رہا کچھ بھی نہیں
سوچا تجھے، دیکھا تجھے، چاہا تجھے، پوچھا تجھے
میری خطا، میری وفاء، تیری خطا کچھ بھی نہیں

اسے ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔ عین دو روز قبل اس کی حالت کے پیش نظر اس کی شادی ملتوی کر دی گئی تھی۔
ذہیم کو اس کے سارے حالات کا پتا تھا گاؤں میں ہو کر بھی اسے اس کی پل پل کی رپورٹ ملتی رہتی تھی۔ یہ وہی تھا جس نے سندان حسن کا سارا جائیداد ٹیٹا نکھو کر اس کی گزری ہوئی زندگی کے بارے میں ملکی چھان بین کی تھی اور اب اسے سندان کی زندگی کے ایک بد نصیب کردار ثانیہ نصیر اور اس کی بہن زرنکار کا پتا چلا تھا۔ شہر میں زرنکار تک رسائی اور پھر اسے سندان حسن سے شادی پر مامنی کرنے والا وہی تھا۔ زرنکار کا مقصد صرف سندان کی بربادی اور اس سے انتقام تھا اور ذہیم نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اس سچاٹے میں آخری حد تک اسے سپورٹ کرے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اس کے لیے عاترہ ملک کی ذات سے دستبردار ہو جانا اتنا آسان نہیں تھا۔

وہ اس کی محبت نہیں تھی نہ ہی اس کے لیے دنیا کی آخری لڑکی تھی مگر پھر بھی وہ ہر صورت اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑتا کیونکہ پہلے وہ صرف اس کے باپ کی خواہش تھی مگر اب اس کے لیے ایک ضد بن گئی تھی۔



کمرے میں تبصرہ خاموشی کا راج تھا۔ زرنکار کے دونوں بچے باپ کی آغوش میں سو چکے تھے مگر اس کی آنکھوں سے نیند گوسوں دور تھی۔ بیان خلک کے چادر کی شدت اور اس کی طلب نے اسے بے قرار کر رکھا تھا۔ ابھی تین روز قبل وہ اپنے شوہر کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور زندگی میں پہلی بار اس نے اسے بہت مارا تھا۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا مگر پھر بھی اس کے

میں دیکھ جاؤں گا اپنی بھڑکنیں اس خالی کمرے میں خاموشی سے انہیں سننا بھی تحریر کر لینا ہوا جب کھڑکیوں پر دیکھیں دے روشنی جھانکے کسی کاغذ پر میری یاد کو تحریر کر لینا یہ سارے کام مشکل ہیں یہ سب تم کرنے پاؤ گی نہ خود کو پیار میں میرے بھی زنجیر کر لینا اڑا دینا میری سب بھڑکنوں کو کھول کر کھڑکی سے نکل چائنا کہیں باہر کسی بازو میں لوگوں کے ریلے میں

جہاں بس شور ہو نہ گام ہوا اک بھٹہ ہو بے قابو لوگوں کی سنو.....

یہ کمرہ چھوڑ جانا اور.....

میری یادوں کے اس آسب جنگل میں
بگنی واپس آنا.....!

رات آدھی سے زیادہ وصل چکی تھی۔ پیاس کی شدت سے بے حالی عاترہ کی آنکھ کھلی تو اس کا پورا وجود تیز بخار میں جھل رہا تھا۔ پچھلی دو راتیں مسلسل جاگ کر رونے کے بعد آج بمشکل اسے نیند آئی تھی۔ پانی کی طلب میں وہ بیڈ سے اٹھی اور پھر چکر کر گر پڑی تھی۔ کمر روشن تھا مگر اس کے باوجود اسے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی صرف دس دن رو گئے تھے اس کی شادی میں مگر اسے لگ رہا تھا گزرتا ہر لمحہ جیسے اسے موت کی طرف دھکیل رہا ہو جیسے دس دن بعد وہ سسرال نہیں قبر میں جا رہی ہو۔

سندان حسن کی غیر متوقع بے وفائی کے بعد اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ اس قدر جلد اس شادی کو ذہنی طور پر قبول کر سکتی نتیجہ اس کے تیز بخار کی صورت میں نکلا تھا جو اس کے چند روز میں تھیرا پیڈ میں تبدیل ہو گیا اور بھی مجبوراً

اپنے شوہر سے طلاق لے لے کر وہ جاتی تھی کہ طلاق اس مسئلے کا حل نہیں تھا۔ عفان کے اس پر اور اس کی پیمالی پر بہت احسانات تھے قلع کی صورت میں اسے عفان کی مہربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں سے بھی ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھونے پڑتے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا حق مہر اور بچے بھی اس سے چھین جاتے جبکہ وہ کسی بھی چیز کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ساری رات سوچ سوچ کر بلا خروہ اس نیچے پر چکی تھی کہ اگر اسے اپنے خوابوں کو پانا ہے تو پھر عفان نام کے آسیب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے حد ضروری ہے بچے بھی اس رات بہت سوچ و بے چارگی کے بعد اس نے بے حد خاموشی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی بخروٹھی انگلیوں سے کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

اگلی صبح معمول کے مطابق ہوئی تھی۔ زرنیلا بچن میں تھی اور عفان ناشتے کی پیمل پر موجود بچوں کے ساتھ گپ شپ کر رہا تھا اس کے دونوں بچے بھی اسکول کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

زرنیلا نے ناشتہ لاکر اس کے سامنے رکھ دیا رات سے ایک مسلسل چپ اس کے لبوں پر ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔ عفان نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور فوراً جان گیا۔ "کیا بات ہے تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو؟" "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" "بشکل وہ مسکرائی تھی حالانکہ جانتی تھی کہ عفان کی گہری آنکھیں اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے اندر کا حال جان لیتی تھیں مگر آج اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے اندر کا حال نہ جانے بھی خوراک پھیر لیتی۔

"کیا تم ڈسٹرب ہو رات والی بات کی وجہ سے؟" عفان سے ناشتہ کرتے مشکل ہو گیا تھا۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں لڑکیاں تو باہر جا کر رہنے کے خواب دیکھتی ہیں۔"

"نہیں نہیں دیکھتی۔"

"تو دیکھنا شروع کرو کیونکہ تم جانتی ہو میں نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے اپنی محنت کی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں اور اپنے بچوں کو ایک بہترین

ہانڈو میں بہت طاقت تھی۔

زرنیلا کی ہریانائی سے باخبر ہو کر بھی اس نے کبھی اسے تکلیف نہیں دی تھی وہ خوب صورت نہیں تھا اسے اس بات کا احساس تھا مگر اس نے زرنیلا کے مشکل حالات میں اس کی اور گھر والوں کی مدد کرنے کے بعد اس کی رضا مندی سے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا وہ بہت زیادہ حساس اور ذمہ دار انسان تھا۔

زندگی میں بہت زیادہ محنت اور تجربائی نے اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا مگر اب بھی اس کے نام اور دولت کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اس سے شادی کی خواہش مند تھیں تاہم اس نے زرنیلا کے سوا کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک صلح جو اور ایماندار انسان تھا اسے زرنیلا کے ساتھ ساتھ اپنے دونوں بچوں سے بھی بے تحاشا محبت تھی صرف ان کے سکول کے لیے اس نے بھی زرنیلا سے منگوا نہیں کیا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس سے خوش نہیں تھی اور کیوں خوش نہیں تھی وہ جانتا تھا مگر اپنی صورت کو بدلتا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

وہ اس کی عزت کرتا تھا اور اسے زندگی کی ہر خوشی دینے کی پوری کوشش کی تھی اس کے باوجود زرنیلا نے چہرہ اسے سلامت کر لیے تھے بے شک وہ ان عورتوں میں سے تھی جن کی خواہشات اور دوس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

جس رات وہ گھر سے بھاگ گئی تھی اس رات وہ بہت روپا تھا۔ اسے اپنے بچے بہت یاد آ رہے تھے وہ زرنیلا کی نادانیوں کی وجہ سے اپنے بچوں کو نہیں ٹھونکا چاہتا تھا اسے اپنے بچوں کو بہترین تعلیم اور شاندار مستقبل دینا تھا کبھی زرنیلا کی بازپائی کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب پاکستان میں نہیں رہے گا۔

اس رات سو سنے سے پہلے اس نے زرنیلا کو بتایا تھا کہ وہ باہر مشکل ہو رہا ہے اور اس بار زرنیلا بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ رہے گی ابھی وہ بے چین ہو کر روئی تھی۔ سنے کی بات اور بھی گمراہ وہ رہبان کے اتنی قریب آ چکی تھی کہ اس سے جدائی کا تصور ہی اس کے لیے موت کے مترادف تھا۔

ریبان نے اس سے کہا تھا کہ وہ عدالت کے ڈریو

ہے۔" فوراً وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی ریان کو اپنا
خبر ٹھنڈا کرنا پڑا۔

"بہت احمق لڑکی ہوں قسم سے۔"

"جیسی بھی ہوں اب تم میرا خیال ہو۔" اگلے ہی
پل وہ پھر اس کے بازو سے لپٹ گئی وہ گہری سانس
بھر کر رہ گیا۔

"بچے کہاں ہیں؟"

"اکیڈمی بھیجا ہے زبردستی ورنہ وہ رو کر انہوں نے تو
میرے سر میں دراز کر دیا تھا۔"

"اب آگے کا کیا پلان ہے تمہارا؟" وہ صوفے پر بیٹھ
چکا تھا زریلا اس کے پہلو میں اس کے کندھے پر سر ٹکا کر
بیٹھ گئی۔

"میری پلاننگ تم جانتے ہو جیسے ہی میری عدت ختم
ہوئی ہے تم یہاں ایک پل نہیں رہیں گے۔"

"اور بچے..... کیا وہ اتنی جلدی مجھے اپنے نئے باپ
کے روپ میں قبول کر لیں گے۔"

"جیسے اس بات کی پروا نہیں کہ وہ تمہیں قبول کرتے ہیں
یا نہیں مجھے صرف اپنے دل کی پروا ہے جس نے تمہیں اپنا
سب کچھ مان لیا ہے تم نے کہا تھا ناں کہ نکاح کے بغیر ہمارا
کوئی تعلق نہیں ہوگا تو اب نکاح میں کیا رکاوٹ ہے بچوں کو
دیتے بھی میں بورڈنگ بھجوا رہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم بچوں کو بورڈنگ بھجواؤ میں بھی ایک
دوست کی عدت اپنے الگ کاروبار چھانسنے کی کوشش کر رہا
ہوں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہوں..... ان شاء اللہ۔" وہ اس کی قربت میں مدھوش
ہو رہی تھی ریان کو ناچاچتے ہوئے بھی اس رات اس کے گھر
پر رکتا پڑا اور پھر جیسے ہی اس کی عدت ختم ہوئی دونوں نے
گورنٹ میں جا کر شادی کر چالی۔

زریلا کے دونوں بچے ناچال بے حد چپ چاپ اور
سب سے ہوئے دکھائی دیتے تھے اس کا بیٹا بارہویں سال میں
جار ہوا تھا جبکہ بیٹی ابھی آنھویں سال میں تھی۔ ریان جب
بچی بچوں کے سامنے آتا اسے عجیب سی شرمندگی محسوس
ہوتی۔ دونوں بچوں کی آنکھوں میں اس کے لیے جھگی اور
نفرت کا سرد سا احساس واضح ہوتا تھا بھی اس کی زیادہ سے
زیادہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ بچوں کا سامنا نہ کرے تاہم

زندگی دے سکوں۔"

"گھر میں اور بچے یہیں خوش ہیں عفتان۔"

"میں خوش نہیں ہوں کئی دن تم سے اور بچوں سے
دور گھر سے باہر بیسے مگر رہتا ہوں مجھے پتا ہے۔" وہ ذرا سا
تھا ہوا تھا زریلا گہری سانس بھر کر اٹھ گئی۔

"اوکے بچوں کو اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے شام میں بات ہوگی۔" تاثر اور چھوڑ کر
وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس کے دونوں بچے گاڑی میں بیٹھ چکے تھے عفتان
کمرے سے چند فاصلہ اٹھا کر بیسے ہی گھر سے باہر نکلا کسی
نے اچانک اس پر فائر کھول دیا۔ اندر ڈانٹنگ میبل کے
قریب گھڑی زریلا نے گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور اپنے
بچوں کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں اس کی آنکھ سے آنسو کا
ایک قطرہ نکلا اور گریبان میں جذب ہو گیا۔

عفتان احمد کو اس پر اندھا اعتبار تھا اور جو اندھا اعتبار
کرتے ہیں انہیں اپنے حصے کی ٹھوکر تو کھانی ہی پڑتی ہے۔



عفتان احمد صدیقی کی وفات کو وہ تیسرا دن تھا جب
ریان زریلا سے ملنے اس کے گھر آیا تھا اس کے بچے گھر پر
نہیں تھے بھی ریان کو سامنے یا کمرہ فوراً اس سے پھینک گئی۔
"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی زریلا! میں نے صبح کی بات
تھیں کہ تم اس کی جان نہیں لوگی۔" پرنسپل سے کہتے اس
نے زریلا کو فوٹو سے الگ کیا تھا۔

"میں نے اس کی جان نہیں لی وہ فائدہ کمٹ کلنگ کا شکار
ہوا ہے۔"

"اجنبوت مت ہو تو تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ مجھے پائے
کے لیے تمہارے خودی دیوار کرائی ہے۔"

"ہاں کرائی ہے پھر؟ میں کس روہ سکتی تمہارے بغیر اور وہ
مجھے ہمیشہ کے لیے ایروڈ لے جا رہا تھا۔"

"تو یہ بات تم مجھ سے شیئر تو کر سکتی تھیں۔"

"شیئر کرتی تو تم کیا کرتے روک لیتے اسے؟ وہ رکنے
والوں میں سے نہیں تھا۔"

"پھر بھی تمہیں اس کی جان نہیں لینی چاہیے تھی۔"

"ریان تمہیں اس کا دکھ ہے میری کوئی پروا نہیں
جس نے تمہارے عشق میں پاگل ہو کر جانے کیا کیا کیا

زرخیا! کو اس بات کی پروا نہیں تھی زریان کو پانے کے بعد وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

خود زریان نے بھی اپنا تن من و حسن اس پر وارد کیا تھا فقط چند دنوں میں اس نے اسے اتنا پیار اور خوشیاں دی تھیں کہ اس کی کھچلی ساری محرومیوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔ گھر میں ابھی کسی کو بھی اس کی ان نئی مصروفیات کی خبر نہیں تھی نہ ہی اس نے خبر ہونے دی تھی۔

وہ گھر سے ایروڈ جانے کا بہانہ کر کے لٹکا تھا اور زرخیلا کے ساتھ کراچی سے اسلام آباد بٹیا جہاں ہر دن ان دونوں کے لیے عید اور ہر رات شب بیدار تھی۔

زرخیلا کے دونوں بچے یورڈنگ میں تھے لہذا ان کی فکر بھی نہیں تھی وقت جیسے بے لگ کر اڑ رہا تھا۔ بہت دنوں کے بعد اس روز اپنے نچو پرنس پارٹنر کی طرف سے کاروبار میں دھوکے کے بعد اسے گھر آیا تھا اور وہ زرخیلا کو بتا کر اس رات کراچی چلا آیا۔

شب کے ساڑھے بارو بجے کا ختم تھا جب اس کی گاڑی اپنے گھر کے اندر داخل ہوئی تھی سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا مگر لان کی لائٹس آن تھیں اور وہیں اعظم ملک صاحب بے حد شکستہ سے بیٹھے جاگ رہے تھے۔ زریان کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت اس کا سامنا ان سے ہوگا تبھی وہ تھوڑا اندر ہی ہو گیا تھا۔

"السلام علیکم پاپا۔" اعظم صاحب اسے دیکھ کر چونکے تھے۔

"وعلیکم السلام تم یہاں؟"

"جی..... ابھی ایک گھنٹہ پہلے یا ہوں امی کسی ہیں؟"

"مگر کئی ہے۔"

"وہاں....."

"بابا جو ہمیں تم جیسے ناغہ بین تا ظف بیٹوں کو جنم دیتی ہیں وہ وقت سے بہت پہلے مر جاتی ہیں۔"

"پاپا آپ کیا کہہ رہے ہیں امی کی کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" اس کا دل بے حد زور سے دھڑکا تھا مگر اعظم ملک صاحب نے دوبارہ نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا وہ اس وقت بے حد حال دکھائی دے رہے تھے۔

"جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ زریان! کیونکہ اب اس گھر کے درو دیوار کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق

نہیں رہا۔"

"مگر کیوں؟" بڑی مشکل سے اس کے حلق سے یہ سوال نکلا تھا۔ اعظم ملک صاحب کی آنکھوں کے گوشے جھپکنے لگے۔

"کیوں کہ میں تمہیں اپنی منقولہ غیر منقولہ جائیداد سے عاقق کر چکا ہوں۔"

"وہاں..... مگر کیوں؟" ایک دم سے زمین جیسے اس کے پیروں تلے سے نیچا نیچا گئی تھی اعظم ملک صاحب کے چہرے کی سرخی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اس کیوں کا جواب بھی خود سے پوچھنا کیونکہ میرا جواب شاید تمہیں اتنا شرمندہ نہ کر سکے۔"

"مگر بات کیا ہوئی ہے میں ایروڈ تھا آپ کو بتا کر گیا تھا۔"

"تمہاری ایروڈ کی کہانی میں دو ہفتے پہلے ہی جان چکا ہوں۔"

"کیا مطلب پاپا پلیز آپ کھل کر بتائیں آخر بات کیا ہے؟" اس بار فکر سے پوچھتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

اعظم صاحب کی آنکھوں کے گوشوں میں جھپکنے والی نمی اب گالوں پر بہنے لگی تھی وہ بولے تو ان کا لہجہ بے حد شکستہ تھا۔

"کھل کر سننا چاہتے ہو تو سنو میں نے تمہیں تمہاری بے راہ روی اور سچے رشتوں کے ساتھ بے وفائی کے جرم میں اپنے دل اپنے گھر اور اپنے کاروبار سے عاق کر دیا ہے۔ اب مجھے نہیں ملے گا۔ تم میرے جیتے جی دوبارہ نہ آؤ گے اس گھر میں نہ رہو گے اور نہ ہی میرے مرنے کے بعد بھولے سے بھی میرے جنازے کو کندھا دو گے۔ آج کے بعد تمہیں لینا اس گھر کے نہیں تمہارا بے لیے مرچکے ہیں۔ وہ لڑکی جو تمہارے لیے اپنے شوہر کو ٹھکانے لگا چکی ہے سرت بھولو کہ میں اس سے باخبر نہیں ہوں۔ دنیا جانے یا نہ جانے مگر میں جانتا ہوں کہ صرف تمہارے لیے اس بد بخت لڑکی نے اپنی دنیا و آخرت تباہ کی ہے وہ آگ جس کی لپیٹ میں دیکھوں مسلمان بچے اور بچیاں آئے ہوئے ہیں اس آگ نے میرے بیٹے کے ایمان کو بھی نکل لیا ہے اس بیٹے کو جو شاہی شدہ ایک عدد بیٹے کا باپ ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں

"وہ بے خبر سو رہی تھی اور دائرہ کھلنے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی ریان نے بس ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے اپنے بیٹے کو اس کے پیلو سے اٹھا لیا۔ علیحدہ خاموشی سے دیکھتی رہ گئی تھی اور لاؤنج میں پہنچا تو صرف ایک لمحے کے لیے اعظم ملک صاحب کے پاس رکا تھا۔

"اپنے بیٹے کو لے جا رہا ہوں میں آپ مجھے اپنی جائیداد سے عاق کر سکتے ہیں میری اپنی اولاد سے نہیں۔" اعظم صاحب کو اس سے ایسے ہی اقدام کی توقع تھی ابھی وہ غصہ ہوئے تھے۔

"تم سے زیادہ اس بچے پر علیحدہ کا حق ہے واپس کرو اسے۔"

"ہرگز نہیں! آپ مجھے میرے بیٹے سے محروم نہیں کر سکتے۔" بے حد خود سرکے میں کہتے ہوئے وہ پھر وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ پیچھے اعظم ملک صاحب اسے آوازیں دیتے رہ گئے تھے۔

علیحدہ کسی انہونی کے خیال سے نیچے آئی تو ریان بیرونی گیٹ پار کر چکا تھا جبکہ اعظم ملک صاحب اس کے پیچھے تھے وہ لپک کر گیٹ کے قریب آئی تھی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ریان گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکل چکا تھا وہ ہکا بکا تی و بھستی رہ گئی۔

"تیار ابو۔۔۔ وہ میرے بیٹے کو اس وقت۔۔۔ رنج کی شدت سے اس سے جھڑپ ہو رہی تھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اعظم ملک صاحب نے پلٹ کر خاموشی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

"پریشان مت ہو صبح تک واپس لے آئے گا۔" اپنی دانست میں انہوں نے کسی وی تھی مگر۔۔۔ دو بج پھر بھی نہیں آئی تھی اسی رات قطعی آف موز کے ساتھ ریش ڈرائیو کرتے ہوئے ریان زبردست ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا تھا جس میں اس کا بیٹا جو ابھی صرف ایک سال کا تھا سونے پر اس دم توڑ گیا جبکہ اس کا نچلا دھڑ متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے ہوش میں آنے پر اپنے گھر والوں کی بجائے ڈریٹا کو کال کروائی تھی اور پھر اسی نے اسے بتایا تھا کہ رات ایکسیڈنٹ میں وہ اپنے بیٹے کو کھو چکا تھا۔

زندگی میں حادثات ہوتے ہیں اور وقت کی گردشیں سب کر رہ جاتے ہیں مگر کچھ حادثات ایسے ہوتے ہیں جو

تمہیں کوڑے ماروں سنگسار کروں مگر میرے بڑے سے وجود میں اب اتنی ہمت نہیں رہی ہے سو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتے ہوئے میں تمہارے لاپرواہ ہو رہا ہوں۔"

"ایم سوری ابو مگر آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میں ایسا کر چکا ہوں! جاتی و بر باد کی کا یہ راستہ تم نے خود اپنے لیے چنا ہے۔ میں اس میں تمہارا حصہ دار نہیں ہوں۔"

"ابو وہ ایسی لڑکی ہے مای میرا اس کے ساتھ کوئی غلط تعلق ہے نہ میری بیوی ہے ابو! نکاح کیا ہے ہم دونوں نے کورٹ میں آپ ایک بار اس سے ملیں تو سہی۔"

"میں اسے بھیجتا ہوں اس پر اور اس کے ساتھ ہی تم پر بھی اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ کسی کی آنکھ کھلے اور وہ تمہیں یہاں دیکھ لے۔" رنج پچھرتے ہوئے اس بار جس حقارت سے انہوں نے کہا تھا ریان لب بلیخ کر رہ گیا۔

"جاؤ جا کر اس طوائف کے ساتھ اپنے دل کی خوشیاں پوری کر دو مگر چلنے سے پہلے میری بیٹی کا زاد گھر جانا۔"

ایک اور پھٹ۔۔۔ ایک اور دھچکا۔۔۔ وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

"کواہ۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔ علیحدہ کی طلاق کی بات کر رہا ہوں تم اس کے قابل نہیں ہو۔"

"میں اس کے قابل ہوں یہ میں اپنے میرا اور اس کا معاملہ ہے آپ کون ہوتے ہیں اس کی طلاق کا مطالبہ کرنے والے۔" وہ بھی لڑنے کا بیٹا تھا ایسے مد خندی اور خود سر پہنچی وہ بولے تھے۔

"باب ہوں اس کا وہ ظالم باب جس نے بناء اس کی رائے لیے تم جیسے ملاحق بیٹے کے ساتھ زبردستی اس کی شادی کر دوائی۔"

"تو یہ آپ کو تب سوچنا تھا اب دنیا ابھر گئی اور ہو جائے میں علیحدہ کو طلاق نہیں دیں گا۔" نہایت اٹل اور گستاخانہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر اس سے پہلے کہ اعظم صاحب اسے کچھ کہتے وہ بڑے بڑے قدم اٹھا تا سید کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کسی شرمندگی اور احساس کے وہ اس کی کسی بھی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس انجمنی مرد کے ساتھ ہال کمرے سے باہر نکل گئی۔ ریان کو لگا جیسے ہی ایک لمحے میں اس کا ریتلا وجود کھنڈر ہو گیا ہو۔

مرتبہ بھلا اور کس کو کہتے ہیں؟ پچھلے چھ ماہ میں پہلی بار اسے اپنا گھر اور علیحدہ یا قافی گئی اور وہ رات بھر اپنے کمرے میں خود کو قید کر کے روتا رہا تھا۔ وقت نے اسے معاف نہیں کیا تھا وہ پلٹ آیا تھا اسے زندگی کے گہرے اور اذیت ناک سبق سے روشناس کروانے کے لیے بس فرق صرف اتنا تھا کہ وقت کی بساط پر اس بار عفان احمد صدیقی کی جگہ ریان ملک تھا۔



ملک باؤس میں عاتقہ ملک کی شادی عین ناظم پر ملتی کر دی گئی تھی کیونکہ تین بھائی کے بعد وہ بیٹا بیٹہ کا شکار ہو کر اسپتال پہنچ چکی تھی۔ پچھلے چار ماہ اس نے اسپتال کے بستر پر گزارے تھے چنانچہ یہ سندھانِ حسرت کی غیر متوقع بے وفائی کا غم تھا یا ایک فطری ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کرنے کا جسے اب تک اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔

تعلیقِ عیش اور علیحدہ ساری ساری رات اس کے سر پانے جیسی اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ کر پھونکی رہتی تھیں۔ پچھلے چار ماہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ جس میں اس کے سسرال سے کوئی اس کی خبر گیری کے لیے نہ آیا ہو مگر... اس سب کے باوجود ایک مستقل چپ تھی جو اس کے ہونٹوں پر قہر تھا مگر مینہ گئی تھی بالکل ویسی ہی چپ جیسی علیحدہ ملک کے ہونٹوں پر تھی جب سے ریان اس سے اس کا بیٹا چھین کر لے گیا تھا وہ روز مرہ تھی اور روز جیتی تھی۔

مریتہ عیش کا دل اپنی دونوں بہنوں کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ دوسری طرف آسیہ عیش کی جن کی آنکھیں ہر وقت نم رہتی تھیں اور وہ زیادہ وقت ذکر و اذکار میں ہی مصروف رہتیں۔

عاتقہ کی طبیعت اب تیزی سے بہتر ہو رہی تھی لہذا ایک مرتبہ پھر اس کی شادی کے دن طے کر دیے گئے۔ معید چند دن رہ کر گاؤں واپس چلا گیا تھا تاہم اس نے

انسان کو ریت کا ڈھیر بنا چھوڑتے ہیں۔ سال پر سال گزر جاتے ہیں مگر ان حادثات سے ملنے والے زخموں پر ابھی کھربند نہیں آتا ایسا چپ کا قتل لگتا ہے لیوں پر کہ انسان چاہے بھی تو لفظ زبان سے ادا نہیں ہوتے کچھ ایسا ہی ریان ملک کے ساتھ ہوا تھا۔

اس رات ہوئے حادثے کے بعد اس کے لیوں کو جیسے چپ لگ گئی تھی چند دن زریلا نے اس کا بہت خیال رکھا مگر جیسے ہی اسے پتا چلا کہ وہ دونوں ناگوں سے معذور ہو چکا ہے اور اب بھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا اس نے اس کا خیال رکھنا چھوڑ دیا۔ سارا سارا دن وہ بھوکا پیاسا تار یک کمرے میں گزارتا تھا اسے کمرے میں آ کر اس کا حال پوچھنے کی ضرورت بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔

دونوں کمرے سے نکلتی تھی اور اپنے معمول کے عین مطابق راستہ دیر سے گھر واپس آتی تھی ریان کی جگہ اب ایک اور نئے نئے عبادتے لے لی تھی۔ ریان اس روز بہت دنوں کے بعد وکیل چیمبر کے سہارے اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا سامنے لاؤنج میں زریلا ایک فطری انجمنی لڑکے کے ساتھ چپک کر بیٹھی جو چپ کر تیں کر رہی تھی وہ دیکھ کر سانس رو گیا تھا اس کی دانست میں وہ اس سے بڑا ہو سکتی تھی مگر بے وفائی نہیں کر سکتی تھی مگر اتنا شاید نہیں پتا تھا کہ مرد ہونا عورت جب ہوتا ہے اسے پرچلنے نکلنے کوئی بھی ایک شخص اس کی منزل نہیں ہوتا۔

اس وقت زریلا کی بے وفائی پر اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آ رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا زریلا کی نظر اس کی طرف اٹھ گئی تھی۔

”ارے ریان! کچھ چاہیے کہیں؟“

”نہیں۔“ خون دیکائی آنکھوں سے ہشکل رخ پھیر کر اپنی آنکھوں کی نیچر چپائی تھی۔

”اوکے۔۔۔۔۔ عبادتے میرا دوست اور عزیزہ ریان ہیں میرے شوہر۔ بتایا تھا ماں کہیں کہ معذور ہیں چل نہیں سکتے۔“ جتنی تکلیف اس کی بے وفائی نے دی تھی اس سے کہیں زیادہ تکلیف اس کی اذیت ناک اور تعارف پر اسے ہونے لگی تھی مگر پھر بھی وہ چپ رہا تھا۔

”ہم باہر جا رہے ہیں ڈنر کرنے تم لی وی لگا لو یا پھر لان میں بیٹھ جانا میں جلدی آ جاؤں گی اگے بائیں۔“ بناء

ایڈمنٹ ہے۔“

”اوہ..... میرے خیال سے اس وقت تمہیں اس کے پاس ہونا چاہیے۔“

”مگر بھائی وہاں وہ سب.....“

”ان سب کو بھول جاؤ مرینہ! وہ سب تمہارے بیٹے سے اہم نہیں ہیں! ویسے بھی اس وقت تم وہاں ان سب کے ساتھ رہنے نہیں جا رہی صرف اپنے بیٹے سے ملنے جا رہی ہو۔ میں بھائی صاحب کو بتا کر انہیں ان سے گاڑی نکالنے کا کہتا ہوں تم چادر لے لو۔“ آپ کا معظم صاحب نے ان کی انجمن دور کر دی تھی۔

مرینہ بیگم اگلے پانچ منٹ میں چادر لے کر نم آنکھوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ ان کے گھر سے نکلتے ہی معظم صاحب نے جواد حسن صاحب کو کال مانی تھی جہاں بھی ان کے بہترین دوست تھے چند منٹ کی بات چیت کے بعد انہوں نے ان سے معید کی طبیعت اور متعلقہ اسپتال کا پوچھ لیا تھا۔

انہوں نے جس وقت گاڑی متعلقہ اسپتال کی عمارت کے قریب روکی شام ڈھل رہی تھی جواد حسن صاحب مرینہ بیگم کی آمد سے باخبر نہیں تھے بھی جس وقت مرینہ بیگم اور انہوں نے ایک زس کی ہمرانی میں جیسے ہی معید کے کمرے میں قدم رکھا وہ ان پر نگاہ پڑتے ہی ہنسنے لگے تھے کیسا حیران کن نظارہ تھا کہ پورے پچیس سال کے بعد ان کی آنکھیں وہ چہرہ دیکھ رہی تھیں جسے وہ آج بھی بھلا نہیں پاتے تھے۔

گلی والے پچیس بات تھی کہ گزرے ہوئے پچیس سالوں میں وہ کئی بار بیمار ہوئے تھے مگر مرینہ بیگم بھی ایک بار بھی نہ ان سے ملنے میں نہ بھی خون بری حال ہو چھٹا گوارہ کیا مگر اب بیٹے کی ذرا سی بیماری کا سن کر وہ اپنی ساری اتنا ساری تکالیف بھلا کر وہ ڈی جلی آئی تھیں۔ جواد صاحب مسکرائے تھے اور وہ اس مسکراہٹ میں چھپی گہری اذیت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً نظریں چڑا کر معید کی طرف بڑھ آئی تھیں جو نہ حال سا کروٹ کے بل لینا خاصی خوشگوار حیرانی کے بل کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”اے آپ.....؟“ صرف ایک لمبا اگایا تھا اس نے اٹھ کر بیٹھنے میں مگر مرینہ بیگم دونوں ہاتھوں کے پالنے میں

وعدہ کیا تھا کہ وہ شادی سے دو ہفتے پہلے ضرور شہر واپس آ جائے گا مگر اس نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا تھا۔ انہوں نے البتہ غصہ نہ ملنے ہی ضرور پاکستان واپس آ گیا تھا ریان کی سرگرمیاں اس سے بھی پوشیدہ نہیں تھیں لہذا مجبوراً اسے ہی آفس میں ریان کی سیٹ منبانی پڑی تھی۔ اس روز بہت دنوں کے بعد دل کے بے چین ہونے پر مرینہ بیگم نے معید کو کال ملائی تھی۔

”اسلام بخیر!۔“ دوسری بار کوشش کرنے پر ان کی کال یک کر لی گئی تھی مگر کال پک کرنے والا معید نہیں تھا۔ مرینہ بیگم کا دل زور سے دھڑک اٹھا اگلے دو تین لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھیں۔

”ہیلو.....“ وہی شناسا آواز ابیرجس سے دوبارہ ابھری تھی ابیرجس لگا جیسے پچیس سال کے بعد وہ آواز سن کر ان کے وجود پر طاری ظلم پھر سے ٹوٹ گیا ہوا ان کے ہونٹ ہلکے سے کپکپاتے تھے۔

”و..... ویکم اسلام..... معید کہاں سے آیا“ اور اس بار سناٹوں میں اترنے کی باری دوسرے وجود کی تھی شاید نہیں یقیناً ان کی آواز کو بھی پہچان لیا گیا تھا بھی کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد انہیں اظہار دی گئی تھی۔

”بہار ہے..... ہسپتال میں داخل ہے۔“ پورے مرینہ بیگم کو لگا جیسے اس اظہار کے ساتھ کسی نے ان کا دل سمجھ لیا ہو۔

”ک..... کیا..... مگر کیوں؟“

”نوڈ پوائنٹ ہو گیا تھا اس لیے ایک ہفتے سے ہسپتال میں داخل ہے۔“ دوسری طرف سے ملے والے اظہار انہیں شرمندگی کے سمندر میں غرق کرنے کے لیے کافی تھی پھر اس سے پہلے کہ جواد صاحب مزید کچھ کہتے انہوں نے آہستہ سے ریسور کریڈل پر ڈال دیا۔

دل ایک دم سے بہت بے چین ہو کر رہ گیا تھا ان کا اکوڑ جینا ہسپتال میں تھا اور انہیں خبر ہی نہیں تھی آسوجھے کہ آپ ہی آپ گالیوں پر لڑھک آئے تھے بھی معظم صاحب کی نگاہ ان پر پڑی تھی جو وہاں سے گزر رہے تھے۔

”مرینہ..... کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے؟“ پاس آ کر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا مرینہ بیگم کا سر جھک گیا۔ وہ بولیں تو ان کے سچے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

”معید کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بھائی اوہ ہسپتال میں

تھا اتنا ہی اس کی آنکھیں جیسے قطعی غیر اختیاری طور پر اس چہرے پر ثبت ہو کر رہ گئی تھیں خود لڑکی کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔

"کون ہیں آپ؟" دوپٹے جلدی سے شانوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے قدرے ناگواری سے پوچھا تھا۔
ازبان کو مدبہ حد خفت محسوس ہوئی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ فوری طور پر کیا تعارف کروائے ابھی جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ جواد صاحب جو ابھی گھر سے نکلتا ہی جا رہے تھے اسے کمرے سے باہر آتے دیکھ کر فوراً زک کہنے۔

"کیا بات ہے بیٹا کچھ چاہیے؟"

"نہیں۔۔۔۔۔"

"تو پھر ریست کرو باہر کیوں آ گئے؟"

"دو۔۔۔۔۔ اصل میں کمراشدید معید کا نہیں ہے اندر کوئی خاتون ہیں۔"

"خاتون۔۔۔۔۔؟" ازبان کی اطلاع پر جواد صاحب بے حد حیرانی سے بڑبڑاتے ہوئے معید کے کمرے کی طرف آئے تھے بھی ان کا ٹکراؤ فیما سے ہوا تھا جو باتھ میں سیپوکی بوتل پکڑے خود بھی کمرے سے باہر ہی آ رہا تھا۔

"تم۔۔۔۔۔؟" جواد صاحب نے یوں حیرانی سے اس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ لیٹانے ذرا سی نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پھر شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"ایم سواری ناموں وہ۔۔۔۔۔ دراصل میرے کمرے کے ہاتھ میں پانی نہیں آ رہا تھا تو میں نے معید کا واش روم استعمال کر لیا مجھے نہیں پتا تھا آٹا یہاں کوئی ٹھہرنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے شاید میری ہی غلطی ہے مجھے پہلے کمر چیک کرنا چاہیے تھا۔"

"میں جاؤں؟"

"ہوں۔۔۔۔۔" اسے رخصت کی اجازت دے کر وہ ازبان کی طرف چلے گئے۔

"ایم سواری ازبان! میں نے کمر چیک نہیں کیا تھا بہر حال اب تم بے فکر ہو کر ریست کر سکتے ہو مجھے ذرا ہسپتال کا چکر لگانا ہے شاید مرینہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔" فکر

اس کا چہرہ لے کر چومتے ہوئے رو پڑیں۔

"تجربہ پار تھے اور مجھے جانا تک گوارہ نہیں کیا؟ اتنی نفرت ہو گئی ہے اپنی ماں سے؟"

"اُف۔۔۔۔۔ آپ سے کس نے کیا کہ میں بیمار ہوں! بس بوٹھی تھوڑی سی نوڈ نوازنگ ہو گئی تھی چلیں اب رونا بند کریں نہیں تو میں بالکل بات نہیں کر دوں گا۔" فوراً ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے دھمکی دی تھی جو پڑا اثر رہی۔
مرینہ بیگم نے فوراً اپنے آنسو صاف کر لیے تھے جس پر ایک دھمکی ہی مسکان جواد صاحب کے لبوں کو چھو گئی۔

"گڈ ٹرائل۔۔۔۔۔ میں بس آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے نہیں بتایا مگر آپ کی نظر میں میں ہمیشہ مشکوک نظر رہوں گا کیا کروں جواد! حسن کا بیٹا جو ہوا۔" اور اس کی اس بات پر جہاں وہ شرمندہ ہوئی تھیں وہیں جواد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

معتقد اور جواد صاحب کی طرح ازبان اور معید میں بھی بہت دوستی تھی ابھی اس شام وہ دیر تک اس کے پاس بیٹھا کھائے لڑاچ رہا تھا۔ جواد صاحب رات کا کھانا ویسا لے آئے تھے مگر مرینہ بیگم نے معید کے بہت اصرار پر بھی دو ٹوالوں سے ذرا دھوئیں کھایا تھا۔

رات کے آخر یہاں گیارہ بجنے والے تھے جب مرینہ بیگم کی دوپٹے ٹھہرنے کی ضد پر جواد صاحب ازبان کو آرام کی غرض سے گھر لے آئے تھے۔ بے حد کثرت و خوب صورت گھر جسے نہایت نفاست اور سلیقے سے سنوارا ہوا تھا ازبان دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

رات کا کھانا وہ ہسپتال میں کھا چکا تھا چائے کی طلب اسے نہیں تھی ابھی کچھ دیر جواد صاحب سے گپ شپ کے بعد دو سوئے کے لیے اٹھا تو جواد صاحب نے اسے معید کے کمرے میں پہنچا دیا۔ شاندار صحر کی طرح اپنی نفاست اور خوب صورتی میں وہ کمرہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ ازبان کو اس کمرے کی ٹھنڈک میں ایک عجیب سی تسکین کا احساس ہوا تھا ابھی دروازہ کھل کر کے بیڈ پر بیٹھنے کے بعد وہ ابھی بوٹ اٹا رہا تھا کہ کمرے سے ملحقہ انتہائی تھکا کر وہ اندر چلے آئی ٹھنڈک کے ساتھ کھل گیا اور اس کے ہی مل جلنے کی زلفوں کے ساتھ چاندنی کی شہابیت لیے لیے ایک قطعی انجان لڑکی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ ازبان اسے دیکھ کر جتنا حیران ہوا

مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہوگی پھر بھی پلیز صرف پانچ منٹ کے لیے میری بات سن لو۔" اس پاروہ بہت عاجزی سے کہہ رہے تھے انکی بات نہ چلا جے ہوئے کبھی ایسا پڑا۔

یہاں پر بے حد ٹھنڈی مگر پرسکون ہوا چل رہی تھی میرے جسم پر روشنی کی میٹھیوں پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا جبکہ جواد صاحب ان سے قدرے فاصلے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لمحوں تک تو انہیں سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں پھر قدرے گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”میں نہیں جانتا مرید کہ پچیس سال پہلے صرف اپنے
مخاد کا سوچتے ہوئے جو فیصلہ تم نے کیا اور حج کیا یا خطا کر
یہی اتنا خسرو جانتا ہوں کہ میری زندگی میں آج بھی تمہاری
کئی ہے کبھی محسوس کر سکتو متعید کا درد محسوس کرنا دیا آج بھی
کمرابند کر کے جھٹکوں رہتا ہے۔“

”میں اس سب کی ذمہ دار نہیں ہوں البتہ آپ ضرور اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ آپ ہی تھے جن کی وجہ سے مجھیں سال پہلے میں اپنا ایک سال کا بچہ آپ لوگوں کے پاس چھوڑ کر آنے پر مجبور ہوئی تھی۔“ خنی سے کہتے ہوئے مجھ کی ان کا لہجہ بگڑا یا تھا۔ جواباً جب بے لب بچہ نے

”او کے... اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں اس سب کا ذمہ دار ہوں تو پلیز مجھے معاف کر دو میں اپنے اکلوتے بیٹے کی زندگی میں مزید ٹھہرائیاں نہیں بکھیر سکتا۔“

”ہونہ..... پچیس سال بعد آپ کو خیال آیا ہے کہ آپ کے بیٹے کی زندگی شہابیوں کی نذر ہو رہی ہے۔“ وہ پھر کئی مسئلہ رائی نہیں جو اوصاحب نہیں، بلکہ گمراہ ہو گئے۔

”چلو تو گیا“ بچوں ساں بعد ہی سہی اُتھیں تو اب بچہ
 نہیں آیا۔“
 ”میں یہاں آپ سے بحث کرنے کے لیے
 نہیں آیا۔“

”جانتا ہوں تم یہاں صرف اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہو مگر پھر بھی میں تم سے گزارش کروں گا مرید! پلیز صرف ایک بار ضرور معید کے بارے میں سوچنا وہ خوش نہیں ہے۔“

”اس کا باپ تو خوش بخت ہی کافی ہے۔“
 ”اس کے باپ کی بات مت کرنا، بہت سے حساب
 لگائے ہیں مجھے تمہاری طرف۔“

مندئی ان کے لیے سے عیاں تھی وہ فوراً سہا مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا۔ پچیس سال گزر جانے کے باوجود بھی ان کے دل میں اپنی بیوی کے لیے نفی گھر مندئی اور محبت تھی۔ جو اد صاحب اس کا کندھا تھپتھا کر باہر نکل چکے تھے وہ مسرور سا کمرے میں چلا آیا دل پر ابھی ابھی تازہ واردات ہوئی تھی وہ جو ابھی کسی لڑکی کے لیے بخید و خند ہوتا تھا اس اچانک نگاہ کے حادثے پر جیسے چاروں شانے جیت ہو کر رہ گیا۔

جائے وہ کون تھی اور کس حیثیت سے اس گھر میں رہ رہی تھی پوری رات اسی کے بارے میں سوچتے گزر گئی تھی صبح فجر کی اذان میں ابھی کوئی وقت تھا جب اس نے اپنے گھر سے گئی وینڈو سے اسے باہر ان کی میٹر میوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ کئی محسوس ہوئی شہزادی کی طرح دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ اس کی تکی تھی اور انہاں اتنے قاصدے پر ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر کھرا اضطراب محسوس کر سکتا تھا شاید نہیں یقیناً وہ رات بھر سے وہیں بیٹھی تھی۔ اس وقت جو شخص اس کی آنکھوں میں دکھائی دے رہی تھی وہ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ رات بھر نہیں سوئی انہاں کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بکڑ لیا تھا۔

ابھر ہسپتال میں جو اد صاحب نے جس وقت امید کے
کمرے میں قدم رکھا معید دواؤں کے ذریعہ سرور پا تھا جبکہ
مریضہ میسر اس کے قریب پڑنی کرتی پر اس کا ہاتھ اپنے
ہاتھوں میں لیے بیٹھے بیٹھے سوئی تھیں۔ غرض کہ اس
وقت ان کے چہرے پر..... وہ بے خود سے ان کے چہرے
پر نظریں جمائے بیٹھے رہے تھے بھی وہ ایک دم سے جانی
تھیں شاید غنودگی کے عالم میں بھی انہوں نے جو اد صاحب
کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا جو اد صاحب ان کے یوں بڑا
کر رہا تھے بڑے سادہ مسکرائے تھے۔

”مری زندگی.....“ لہو رے پچیس سال کے بعد انہوں نے
سے پکا اناتجہ مری زندگی کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

”جستے تم سے کچھ بات کرنی ہے کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ اس کمرے سے باہر آ سکتی ہو؟“

”نہیں..... کیوں کہ مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“

”مگر یہاں صرف اس نے ٹیگور دیکھتا ہی ہوں۔“

میں جانتا ہوں مجھے کوئی ایسی خوش فہمی نہیں ہے کہ تم

”جواد پلیز... میں یہاں ناشی کی کسی راکھ کو کریدنا نہیں چاہتی جیسا چل رہا ہے بس ٹھیک ہے۔“

”اوسکے جیسا تم پسند کرو پچیس سال پہلے بھی تم اپنے فیصلوں میں آزاد تھیں آج بھی آزاد ہو میں نے اس وقت تمہارے ساتھ کوئی زبردستی کی تھی نہ اب کروں گا جاؤ آرام کرو سواری میں نے تمہارا وقت بردا کیا۔“ مرینہ بیگم کے اہل بچے پر انہوں نے بھی غور بات سمیٹ دی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں وہ فوراً اندر کوڑھوڑ کی طرف بڑھ گئے پانچویں مرینہ بیگم ناشی ہی دیر تک وہیں بیٹھیں چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھیں۔



رات آدھی سے زیادہ بھل چکی تھی مرینہ بیگم نے یونہی ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا معید گہری غیند سو رہا تھا تاہم جواد صاحب وہاں نہیں تھے بھی انہوں نے صوفے کی پشت گاہ سے سر لگاتے ہوئے پچیس موند کر گزرا رہے ہوئے محلوں کا سفر طے کیا تھا۔

آج سے پچیس سال پہلے یا تڑو ملک کی طرف وہ بھی خاصی غمزدی اور بوند ہوا کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ جواد احسن کے ساتھ ان کی پسند کی شادی ہوئی تھی جواد احسن ان کے یونیورسٹی فیاء تھے اور ان میں ہر وہ خوبی تھی جو کوئی بھی لڑکی اپنی زندگی کے مسطر میں دیکھنا پسند کرتی ہے مگر اس کے باوجود مرینہ بیگم کے لیے ان کا یہ پڑاؤلی رجحانیت کروا گیا اس رجحانیت کی واحد وجہ جواد احسن صاحب کا دیہاتی ہونا تھا۔

مرینہ ملک کے گھر والے جانتے تھے کہ وہ گاؤں کے ماحول میں خود کو ایذا حسرت نہیں کر پائیں گی مگر ان کے سر پر تو عشق کا نبوت سوار تھا لہذا انہوں نے صاف اور دونوں کے انکار کے بعد انہوں نے قطری غمزد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر کے جواد احسن کے ساتھ کدورت میرج کر لی۔ ابھر گھر والے ان کی کسی بھی سرگرمی سے بے خبر ان کا رشتہ طے کر کے شادی کی میرج بھی کر کے تھے بھی اپنی شادی سے صرف ایک ہفتہ پہلے انہوں نے اپنے گھر والوں پر یہ ہم گراوا کر دیا جواد احسن کے ساتھ کدورت میرج کر چکی ہیں۔

ایک طوفان تھا جو اس وقت اس گھر کے مینوں پر آیا تھا گھر رفتہ رفتہ اس طوفان کی شدت کم پڑی اور ٹھیک ایک

ہفتے بعد ان کے والد رئیس ملک سنہ انہیں جواد احسن کے ساتھ باعزت طریقے سے رخصت کروا دیا۔ اس شادی کو ابھی دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ رئیس ملک صاحب کی اچانک ہارٹ ایٹیک سے موت ہوئی امرینہ بیگم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ دو اتنی جلد ہی اپنے محبوب باپ کو کھودیں گی تاہم ان کے سسرال والوں نے انہیں باپ کا آخری دیدار بھی نہ کرنے دیا۔ ملک باؤس کی طرف جواد احسن کے گھر والے بھی ان دونوں کی کدورت میرج پر سخت پراسس تھے یہی وجہ تھی کہ مرینہ بیگم کو وہاں زیادہ سختیوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ جو شگفتہ گلاب کی سی شبیرہ رکتی تھیں شادی کے فقط چار ماہ بعد خود اپنی شکل آئینے میں پہچاننے سے انکاری ہو گئیں۔ جواد صاحب کی پانچ بیٹیاں اور تین بھائی تھے آگے ان بہن بھائیوں کی اولاد بھی تھی لہذا اسے سارے افراد کا کھانا پانا وہ بھی سخت کدورتی میں نکڑی کے چولے پر انہیں کچھ معنوں میں دن میں تار سے نظر آ گئے تھے۔

محبت کی قیمت بہت بھاری ادا کرنی پڑی تھی کپڑے روزانہ دھلتے تھے پرتوں کی دھلائی کی کوئی حد ہی نہیں تھی صرف ایک صفائی بھی جو ملازمہ کے ذمہ تھی وگرنہ تو سارے کام ہی ان پر آ پڑے تھے۔ بڑی بیٹھانیاں کہنے کو غلجھو نہیں مگر کھانے کے تاہم بلا چند وہ ہیں برا جہاں ہو میں ہر اپنے بچوں کے مرینہ بیگم کی ہمت دیتا چار ماہ کے بعد ہی جواب دے گی گی چار ماہ کے بعد پہلی بار وہ جواد صاحب کے سامنے بند کمرے میں روئی تھیں مگر اس وقت وہ حیران رہ گئیں جب جواد صاحب نے جواب میں ان سے کہا۔

”یہ سب تو برداشت کرنا ہی پڑے گا مرینہ! کیونکہ اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب تو ہم نے خود کیا ہے کہیں کیا پتا میں کیا گیا برداشت کرتا ہوں۔ اپنے بزرگوں کی تا فریالی کر کے جو غلط قدم ہم نے اٹھایا ہے اب اس کا رد عمل تو برداشت کرنا ہی پڑے گا مگر تم جو صلہ مت بارو وقت کے ساتھ ساتھ ان سب کی رنجش جاتی رہے گی اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں اتنا سہا انتھار نہیں کر سکتی جب آپ کے بڑے دونوں بھائی علیحدہ ہیں تو ہم علیحدہ کیوں نہیں ہو سکتے؟“

مرید ملک جیسے بھٹی زمین پر تھکے پاؤں آکٹری ہوئیں۔ مسلسل بے سکوئی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈھلک ہونا ان کا مقدر بن چکا تھا۔ جواد کینیڈا میں سینٹس دو چکے تھے مگر انہیں مرید پیگم سے ڈائریکٹ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں ان کے حاملہ ہونے کی خبر بھی مدلی شادی کے ڈیڑھ سال بعد جس وقت انہوں نے چوکی ہار کینیڈا آنے کے بعد مرید پیگم سے بات کی وہ درد سے چلا رہی تھیں ان کی چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا اور سبکی ہوئی بارود بہت روئے تھے۔

اس رات جب وہ سرکاری ہسپتال لائی گئی تھیں ان کی زندگی کے بچنے کے کوئی چانس دکھائی نہ دیتے تھے کیونکہ ان کی سانس اور سرسری صورت نہیں جابستے تھے کہ وہ ہسپتال میں بچے کو جنم دے گی لہذا تین چار گھنٹے تک وہ گیس پر چوکی کی طرح تڑپتی رہی تھیں۔ اس بات بہت دیر تک چلی جیج گروہ اسے گھر والوں پر شوہر کو پکار رہی رہی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آ سکا تھا۔ صبح فجر کی آواز ان کے بعد جب ان کی طبیعت بڑھنا شروع ہوئی تو جواد کے فون اور ان کی منت پر انہیں بمشکل سرکاری ہسپتال لایا گیا جہاں زندگی اور موت کی کڑی جنگ لڑنے کے بعد انہوں نے معید کو جنم دیا تھا۔

وہ آج بھی ان لمحوں کا تصور کرتی تھیں تو ان کے رو تھکے کھڑے ہو جاتے تھے یا گلے تین دن تک ان کی زندگی شدید خطرے کا شکار رہی تھی۔ تین دن کے بعد وہیں ہوش آیا تو جواد ان کے پاس تھے مگر انہوں نے ایک سے دوسری بار ان کا چہرہ نہیں دیکھا۔ بے شک وہ ان کا غلط انتخاب ثابت ہوئے تھے۔

ایک ہفتے کے بعد وہ گھر شفٹ ہوئی تھیں اور اس ایک ہفتے میں جواد احسن نے ان کا بے حد خیال رکھا تھا۔ معید اس وقت آٹھ ماہ کا تھا جب ان کی زندگی ایک نئے بھونچال کا شکار ہوئی جواد احسن معید کی پیدائش کے بعد دو ماہ گھر واپس کینیڈا اچانک تھے۔

وہ ایک بے حد سردرات تھی سرے معید کے لیے دودھ لینے کچن میں آئیں تو انہوں نے وہیں کچن کے پچھواڑے چیمچی اپنی چھوٹی تند کو کسی سے فون پر بات کرتے سنا۔

”ساجد اب کیا مسئلہ ہے جواد بھائی آپا سے شادی

”یہ سب اتنا آسان نہیں جلدت لگے گا ابھی اس میں فی الوقت تو سارا خاندان مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو آج تک خاندان میں کوئی نہ کر سکا۔ ایسے میں میں ان سب کی مزید ناراضگی سول نہیں لے سکتا۔“

”یہ چیٹنگ ہے جواد! تم نے مجھے خوش رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔“

”ہاں کیا تھا اور اس وعدے کو نبھانے کی پوری کوشش بھی کر رہا ہوں کہاں کی دیکھی ہے تم نے میرے پیار میں۔ دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد رات میں صرف تمہاری خوشی کے لیے کیا نہیں کرتا؟ لیکن حالات ابھی میرے بس میں نہیں ہیں تم اگر چاہتی ہو کہ تمہارے لیے میں سارے خاندان سے ٹکر لے لوں تو سوئی مریدانی الحال میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ گہری سانس بھرتے ہوئے جواد احسن نے معذوری ظاہر کی تھی۔ مرید ملک کو لگا کسی نے ان کا سانس روک دیا ہو۔

”تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے جواد! وہ روئی تھیں جواد احسن کو غصہ آ گیا۔

”کیا کر رہا ہوں میں؟ یہ سب تمہارے گھر والوں کا کیا دھرا ہے ندوہ رشتے سے انکار کرتے نہ میرے گھر والوں کو بے عزتی محسوس ہونی لیا میں یوں مجبوراً کورٹ میرج کرنا پڑتی نہ یوں سب ہمارے خلاف ہوتے اب ہمارے پاس وہی راستے ہیں مرید! یا تو ہم جب چاہ سب برداشت کریں یا پھر اس رشتے کو ہمیں ختم کر دیں تم ابھی طرح سوچ کر مجھے بتا دینا۔“ انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

مرید ملک کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا کل تک ایک ایک ادا پر سو سو بار قربان ہونے والا شخص آج شادی کے فقط چار ماہ بعد راستوں کو پیچھڑا کرنے کا کہہ رہا تھا۔ ان کی آنکھیں جیسے حیرت کی شدت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں مگر جواد احسن وہاں مزید نہیں دے سکے تھے۔

اس روز کے بعد جیسے ایک مستقل چپ ان کے ہونٹوں پر ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی تھی جواد صاحب نے جاب کے لیے کینیڈا اپالی کیا وہ تھا انہیں وہاں سے کال آئی تو وہ مرید ملک کو ڈھیر ماری تسلیاں اور دلا سے تھا کر چلے گئے پیچھے

کر رہے ہیں ناں پھر آپ کیوں اتنا غصہ کر رہے ہیں ٹھیک ہے انہوں نے اپنی مرضی کی ہے مگر ہم نے انہیں قبول تو نہیں کر لیا تھا۔ جو آپ کا حق ہے وہ کوئی اور بھی نہیں لے سکتا برسوں جو وہ بھائی واپس آ رہے ہیں اب پلیز کوئی نیا ایجنڈہ کھڑا کر دیا نہیں تو اللہ کی قسم میں زہر کھا کر مر جاؤں گی اتنا رنج ہوں نہیں۔" بات واضح تھی مگر پھر بھی وہ سمجھ نہیں پائی تھیں۔ ان کا جسم ہولے ہوئے کچکپا رہا تھا جبکہ دماغ جیسے فریز ہو گیا تھا ایسے کیسے ہو سکتا تھا جو اس کے ہوتے ہوئے کسی اور سے کیسے شادی کر سکتے تھے؟

ساری رات اسی الجھن میں وہ گانتوں پر کمر نہیں بدلتی رہی تھیں وہ تو ابھی پہلے امتحانوں سے مستعجل نہیں پائی تھیں کہ یہ ایک نیا امتحان سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اپنی خوشیاں اور خواب پانے کی کڑی سزا مل رہی تھی انہیں اب تک ان کا مقام بھال نہ ہو چکا تھا۔ تیسرے دن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب واقعی جو وہ چھ ماہ کے بعد دوبارہ پاکستان واپس آ گئے وہ بھی بناء اطلاع کیے۔ مریدہ عظیم کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس رات جب وہ سب سے مل کر قریب ہو کر کمرے میں آئے تھے وہ ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ شادی کر رہے ہیں؟" بناء دعا سلام کے انہوں نے یہاں سوالیہ لہجہ بول چھا تھا جو اس صاحبہ کو ان سے اس سوال کی توقع نہیں تھی مگر ان کے چہرے کا رنگ اڑا تھا اور انہوں نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"ہاں۔"

"کیوں؟" مریدہ عظیم کی آنکھیں جیسے دکھانا انکار وہوری تھیں۔ جو اس حسن کی پیشانی پر اپنے کے ننھے ننھے قطرے چمک اٹھے بہت سے پل نہ موشی کی خد کر کے کے بعد اوجھلے تھے۔

"خیروری ہو گیا ہے اس لیے۔" مریدہ عظیم کو اب جیسے کسی نے ان کا وجود تیز سوار سے کاٹ دیا ہوا ان کی ہانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی جب ہی وہ مزید بولے تھے۔

"ساجد میری بچپن کی سنگ ہے مجھے اس بات کا اس وقت بھی پتا تھا جب تم مجھے ملی تھیں اور میں نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا مگر میں نے اس منگنی کو بھی تسلیم نہیں کیا

کیونکہ میری اس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے اس لیے جب میں نے اسی کو تمہارے گھر بھیجا وہ مجھ سے ہراس ہو گئیں مگر میری ضد کی وجہ سے کچھ کہا نہیں بعد میں تمہارے گھر والوں کے دلوں کا انکار کے بعد انہوں نے بچا کے گھر میری اور فاطمہ کی شادی کی تاریخ یکنی کر دی ساجد کا بھائی ساجد فاطمہ کا شوہر ہے اور بچپن میں ہی ان دونوں کا نکاح ہو گیا ہے۔ میں نے تمہارے لیے بنا کسی بات کی پروا کیے سارے گھر والوں سے فائنل کی اور تمہیں بیواہ کر یہاں لے آیا۔ اب اور بچا کی جو بے عزتی میں نے کی وہ اپنی جگہ مگر اس اقدام سے ساجد اور فاطمہ کی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہی۔ اب اس بات کو چچا اور ساجد نے لٹا کا مسئلہ بنالیا ہے وہ لوگ نہ فاطمہ کو طلاق دے رہے ہیں نہ اس کی رخصتی کروا رہے ہیں۔ ساجد کی بس ایک ہی ضد ہے کہ پہلے اس کے گھر سے اس کی بہن رخصت ہوگی پھر وہ میری بہن یعنی فاطمہ کو رخصت کر دئے گا۔ ہماری شادی سے ہی یہ مسئلہ چل رہا ہے اس لیے میں اپنی اور تمہاری طرف سے گھر والوں کو کوئی مصلحت نہیں دینا چاہتا تھا کہ جس سے وہ ہمارے رشتے کو ذرا بھی کمزور کر سکیں مگر اب میں مزید تمہیں یہاں ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے اماں سے بات کی ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر میں ساجد سے نکاح کر کے اسے اس گھر میں لے آتا ہوں تو پھر میں بھی وہاں اپنے پاس کی بیٹی نہیں رکھ سکتا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی تبراہی نظر نہیں آ رہی مریدہ اس طرح ہر ایک ساتھ اپنی مرضی کی زندگی بھی گزار سکیں گے اور فاطمہ کا گھر بھی اجڑنے سے بچ جائے گا۔" اپنی بات مکمل کرنے کے بعد انہوں نے بڑی جتنی سی دکاہوں سے مریدہ عظیم کی طرف دیکھا تھا مریدہ اپنے حواس میں ہی کہاں رہی تھیں جو ان کی بات سمجھتی ان کے بونہ اندر باہر سناہ بچھل گیا تھا۔ کتنے آنسو تھجے جو موتیوں کی طرح نوٹ نوٹ کر ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھیں۔

"آپ کے چمکے ہی مجھے پر بہت احسانات ہیں خدا کا واسطہ ہے آپ کو کچھ بڑا ایک اور احسان مست کریں۔" ان کے لہجے میں ٹوٹے کاٹھی سی چھین تھی۔ جو اس صاحب نے جیسے ٹوٹ کر ان کی طرف دیکھا تھا مریدہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھیں دونوں بازو ہڈی کے کنارے پر کائے وہ جیسے اوپر

تھیں وہ گھر کہ جہاں انہیں اپنے محبوب باپ کی وفات پر بھی آنے کا نصیب نہیں ہوا تھا۔

جواد صاحب کا خیال تھا کہ وہ اپنے بچے کے بغیر نہیں رہ سکیں گی اور مجبور ہو کر واپس چلی آئیں گی مگر ان کا یہ قیاس غلط ثابت ہوا تھا۔ پورے دو ہفتے گزر گئے مگر وہ اپنے بھی وہ واپس نہیں آئی تھیں ابھی وہ بتا کسی کی پروا کیے اپنے چند ماہ کے بچے کو ساتھ لے کر اگلے کئی سالوں کے لیے کینیڈا چلے گئے تھے فاصلوں کی دیوار ابھی تو پھر بلند سے بلند تر ہوئی تھی۔

معید اس وقت آٹھ سال کا تھا جب پاکستان وہاں ہی پر جواد صاحب نے اسے مریتہ ٹیکم کی طرف بھیجا تھا۔ گزرے ہوئے ان آٹھ سالوں میں کئی تبدیلیاں آئی تھیں جواد صاحب کی والدہ کی رحلت ہو چکی تھی جبکہ انہوں نے بھانجی کی پروا کیے ساجدہ سے شادی سے انکار کر دیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد اس شہر میں ایک اچھی جگہ پر اس کا رشتہ طے ہو گیا۔ ان کی اپنی بہن قاسم کی شادی بھی ہو گئی والدہ قاسم کا شکار ہو کر بستر سے لگ گئے سارا نظام اتنی دیر آہم برہم ہو کر رہ گیا تھا اور اب جبکہ ساری عمر بھر کی نذر ہوئی تھی وہ انہیں واپس کی راہ دکھا رہے تھے بھلا اس سے بڑھ کر ان کی زندگی کے ساتھ محبت کا مذاق کیا ہوتا تھا؟ دن اچھا خاصا نکل آیا تھا وہ بھری نماز سے فارغ ہو گئے تو معید بیدار ہو چکا تھا۔ مریتہ ٹیکم دعا مانگ کر اس کے پاس آئی تھیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے معید؟“

”فرسٹ کلاس..... آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟“

”ای پلیز..... کم از کم مجھ سے جھوٹ نہ بولا کریں آپ کی آنکھوں کی سرمی بتا رہی ہے کہ آپ نہ صرف ساری رات جاگتی رہی ہیں بلکہ روٹی رہی ہیں۔“

”کیسی کوئی بات نہیں ہے معید! میں بس تھک رہی طبیعت کی وجہ سے پریشان ہوں۔“

”میری طبیعت اب ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔“

”ٹھیک ہے نہیں ہوئی پریشان تم میرے ساتھ شہر چلو تم نے وعدہ کیا تھا شادی سے دو ہفتے پہلے گھر آئے گا۔“

آسمان پر کوئی چیز تلاش کر رہی تھی۔

”نصرت آپ مردوں کا نہیں ہے ہم عورتوں کا ہے جنہیں اپنے خوابوں کے علاوہ کچھ اور نظر بھی نہیں آتا نہ دنیا نہ آخرت نہ اپنے سگے خوں کے رشتے نہ ان رشتوں کو پہنچنے والی تکلیف نہ اپنا مستقبل نہ مستقبل کی جاہ کاریاں کچھ بھی نہیں۔ بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا ہے اب ہم مزید اکٹھے نہیں چل سکتے ہیں ابھی اور اتنی وقت یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“

”وہاں..... تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟“

”ایسا ہی سمجھ لیں۔“

”جسٹ سٹ اپ! میں یہ سب تمہارے لیے کر رہا ہوں اور تم.....“

”آپ کو اب میرے لیے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب جو بھی کرنا ہے وہ میں خود کروں گی اپنے لیے۔“ اس نے اتنی نفرت اور بیگانگی سے کہا تھا کہ جواد احسن سانس ہونے دیکھتے رو گئے تھے اگلے چند لمحوں میں اپنی ضروری چیزیں سمیٹ کر ایک بیگ میں ڈالنے کے بعد وہ معید کی طرف آئی تھیں جب جواد صاحب نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔

”اگر تم مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو تو میرے بیٹے پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں۔“

”یہ میرا بھی بیٹا ہے میں نے جنم دیا ہے۔“

”جنم دینے والی ماں ایسا شغل! نہ فیصلہ نہیں کرتی۔“

”نھیک ہے اس شاندار گھر کے ساتھ میں نے آپ کا بیٹا بھی آپ کے سپرد کیا مگر میری ایک بات یاد رکھیے گا آپ اگر اس کی تربیت اور کردار میں کوئی کمی رہی تو میں مرتے دم تک آپ کو معاف نہیں کروں گی۔“ انگلی اٹھا کر سرخ آنکھوں سے انہیں وارن کرتی اس رات وہ ان کے گھر سے نکل آئی تھیں۔ باہر زوروں کی بارش ہو رہی تھی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کا خوف اپنی جگہ تھا مگر بناء کسی بات کی پروا کیے گھر کا چیر دلی گیٹ پار کر آئی تھیں۔ پیچھے جواد احسن صاحب نے کئی ہی دیر بے یقین نگاہوں سے انکس دیکھنے کے بعد دیوار پر سگے ہمسائے تھے۔

انکی سچ وہ اپنے گھر میں بے ہوش پڑی تھیں اور روز کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کا بچہ رات بچکا تھا اور وہ اپنے گھر میں

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے امی! مگر سوری میں ابو کے بغیر اکیلا نہیں آؤں گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" انہیں شک لگا تھا معید نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"امی! خیر! ابو کو معاف کر دیں وہ اب آپ کی نفرت کے قابل نہیں رہے ان کا دل بیکارہ ہو چکا ہے ڈاکٹر نے ان کی زندگی کو رکنی قرار دے دیا ہے۔ امی! میں مانتا ہوں باخنی میں آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے مگر اس زیادتی کے کفارہ میں نے اور پایا ہے کتنی لکھنئیں اٹھائی ہیں آپ نہیں جانتیں۔ صرف آپ کو گھوڑے کے دھکے اور غصے میں پایا ہے اسنے مجھے خون کے رشتوں کو خود پر حرام کر دیا۔ آپ تصور کر سکتی ہیں نفل چند ماہ کے بچے کو سنبھالنا اور بالنا ایک مرد کے لیے کتنا مشکل ہو سکتا ہے؟ کیا آپ تصور کر سکتی ہیں امی کہ ایک چھوٹا بچہ جس کی ماں زندہ ہو دنیا میں موجود ہو مگر پھر بھی وہ اس سے مل نہ سکتا ہو اسے دیکھ نہ سکتا ہو تو اس بچے کی زندگی کیسی ہوگی؟ روز رات میں جب وہ ڈر کر اٹھ بجاتا ہو یا اسے چوٹ لگتی ہو مگر اس کی ماں اس کے پاس نہ ہو کیا آپ اس بچے کی تکلیف کا اندازہ کر سکتی ہیں؟ نہیں آپ نہیں کر سکتیں آپ کو کیا پتا تنہائی کی تکلیف کیا ہوتی ہے؟ آپ تو اپنے منگے بھائیوں کے درمیان رتی ہیں آپ کو اس انسان کے درد کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا کوئی بھائی بھی نہ ہو سوائے ماں و باپ کے جس کے پاس کوئی اور رشتہ ہی نہ ہو۔" بولتے بولتے ایک دم سے اس کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ مرینہ تنگم کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل کاٹ ڈالا ہو یہ کیسا آئینہ تھا جو ان کا بننا انہیں دکھا رہا تھا۔

"امی! میں مانتا ہوں آپ یہ پایا کی اور پایا آپ کے گناہ گار ہوں گے مگر میرا کیا قصور تھا کہ مجھے سارے رشتوں سے محرومی کے ساتھ ساتھ جو درد رشتے میسر تھے ان میں سے بھی کسی ایک کی چوائس دے دی گئی باپ کے پاس رہوں تو ماں نہیں۔ ماں کے پاس رہوں تو باپ نہیں! کیوں دیکھا گیا میں انسان نہیں ہوں! کیا میرے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا میری کوئی خواہشات نہیں ہیں؟ میں نظر کیوں نہیں آتا کسی کو؟" اب اس کی آنکھیں بھرا آئی تھیں چہرہ پھرتے ہوئے بہت ضبط کے باوجود وہ رو پڑا تھا مرینہ تنگم جیسے سناکت رہ گئی تھیں ان کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا جبکہ

ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش اتر آئی تھی۔ کیسا عجیب منظر تھا کہ پورے پچیس سال کے بعد ان کے اپنے بیٹے نے انہیں گنہگار میں لاکھڑا کیا تھا۔ وہ بولنا چاہتی تھیں مگر ان کے لب جیسے پٹے سے انکار ہو گئے تھے معید کو بچوں کی طرح روئے دیکھ کر انہیں ایک دم سے جیسے اپنے وجود سے محسوس آنے لگی تھی ابھی وہ بولا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے امی! میں اور پایا اب یہاں نہیں رہیں گے ہم چلے جائیں گے یہاں سے روز روز کے مرنے سے بہتر ہے ہندہ ایک بار قی مر جائے۔" وہ ایک شاندار بھرپور مرد اس وقت بالکل ایک چھوٹا سا بچہ بنا ہوا تھا مرینہ تنگم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرا آئیں انہیں لگا جیسے ان کا دل رگ جائے گا۔

جو اد صاحب نے جس وقت معید کے کمرے کی پیلیز پر قدم رکھے وہ معید کے بازو سے قی زادہ قطار رو رہی تھی جو آئینہ ان کے بیٹے نے انہیں دکھایا تھا اس آئینے میں انہیں اپنا چہرہ بے حد بد صورت نظر آ رہا تھا۔ جو اد صاحب بے حد پریشان تھے گے بڑھے تھے بھی معید نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور بلکے سے مسکراتے ہوئے دکھائی کا نشان بنا کر انہیں دکھا دیا۔

"کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے ناں؟" وہ سمجھ کر بھی اس کا اشارہ نہیں سمجھے تھے بھی فکر مندی سے پوچھا تھا جو اب معید نے اپنی ماں کے گرد ہاتھ پھیلا کر انہیں اپنے چوڑے سینے میں سولایا۔

"جی ابو! سب ٹھیک ہے آپ سے پچیس سال اپنی روٹھی ہوئی بیوی منائی نہیں گئی مجھے دیکھیں میں نے صرف پچیس منٹ میں اپنی ماں کو منالیا۔"

"ہاں!.....؟" وہ حیران تھے معید نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں! پوچھ لیں امی! سے ان کا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا۔" پہلی بار اس کی بھی آنکھوں میں عجیب سی چمک دکھائی دے رہی تھی انہیں اپنے دل میں بے حد سکون اترتا ہوا محسوس ہوا ابھی مرینہ تنگم بولی تھیں۔

"ایم سوری جو اد! میں بہت شرمندہ ہوں واقعی میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔"

"صرف بیٹے کے ساتھ؟" ان کے چہرے پر نظر

جمائے انہوں نے جس طرح سے پوچھا تھا وہ ہے
ساختہ نظر چہ آنے پر مجبور ہوئی تھیں وہ گہری سانس
بھر کر رہ گئے تھے۔

"چلو شکر ہے تمہیں اپنے بیٹے کے ساتھ کی گئی زیادتی کا
احساس تو ہوا۔"

"ابو پلیز..... میری اپنی کوثر مندہ نہیں کرنا اب یاد رکھیں
اب یہ چھپس سال پہلے والی مریدہ نہیں ہیں میری اپنی ہیں
اب اگر آپ نے فوراً سالن کا دل دکھایا یا کوئی زیادتی کی تو
میں سچ کہہ رہا ہوں میں لڑ پڑوں گا آپ سے۔" ہاتھ اٹھا کر
دایر کر تے ہوئے اس نے ساتھ ہی انہیں آنکھ بھی ماری
تھی جو باوہ کھل کر ہنس پڑے ان کا دل چاہوہ اپنے بیٹے کا
منہ چوم میں کیونکہ وہی تھا جس کی وجہ سے پورے پچیس
سال کے بعد بلاتا غرائس اپنی محبت میں سرخروئی نصیب
ہوئی تھیں۔

تجلی انہوں نے ہنستے ہوئے آہستہ سے اثبات میں
سر ہلا دیا اور پھر بنا کچھ کہے فوری واپس پیٹ گئے کہ اس
وقت سب سے ضروری کام ان کے لیے اپنے ہاتھ کا
شکر ادا کرنا تھا۔



انجلی صبح معید ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گیا تو اس
کی آنکھوں میں اور چہرے پر اتنی خوشی اور چمک تھی کہ خود
فیجا بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ ازہان ابھی سو رہا تھا
جو اوصا حسب مریدہ بیگم کا ہاتھ تھا صاف میں ڈاکٹنگ ٹیبل کے
قریب لٹائے تھے۔

"فیجا بیٹے جلدی سے گرما گرم ناشتا لے آؤ دیکھو
آج ایک شیرازی دستہ بھولی کر ہمارے غریب خانے پر
تشریف لے آئی ہیں۔" مریدہ بیگم مسکراتی تھیں جبکہ چکن
کے دروازے پر کھڑی فیجا جیسے سائست رہ گئی تھی اسے
یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ دائمی معید کی مماناس گھر میں
واپس لوٹ آئی ہیں۔

"او ہیلو..... کوہ میں بعد میں چلی جانا پہلے میری
سویت ماما کے لیے اچھا سا ناشتا لے آؤ شاہاٹس۔" معید
نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے جتنے
فریش سیکے میں کہا تھا اس نے اسے اتنا فریش کیا نہیں
دیکھا تھا تجلی دوا کے پڑھی تھی اور ہمارے کچھ پیٹ کے

سیدھی سریدہ بیگم کے گلے جا لگی تھی۔

"اسلام علیکم ممانی! کیسی ہیں آپ؟"

"ولیکم السلام! تم کیسی ہو بیٹے؟" تجلی جانتا پہچانتا
کے انہوں نے اس کے سر پر پیار دیا تھا تجلی وہ ان سے
الگ ہوئی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں ممانی! اب آپ کو دیکھ کر اور بھی
ٹھیک ہو گئی ہوں۔" اس کی نظریں معید پر تھیں وہ ابھی اسے
بھی دیکھ رہا تھا مریدہ بیگم ایک پل میں بہت کچھ سمجھ گئی تھیں
تجلی جو اوصا حسب بولے تھے۔

"بیٹا اب ناشتا لے آؤ جلدی میری بیوی کل سے بھوکی
بجانی باتیں ناشتے کے بعد کر لیں پلیز۔"

"جی ماموں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ چکن میں تھیں
تجلی تھی۔

معید ازہان کے پاس چلا آیا ازہان کے کمرے میں اس
کے بیڈ پر سو رہا تھا اسے اور تو کچھ نہ سوچا الارم اٹھا کر اس کا
چیم پیٹ کر دیا اگلے پل بے دردی سے بجنا الارم اس نے
ازہان کے سر کے قریب رکھ دیا تھا جس پر وہ سخت غصہ کا
شکار ہوتے ہوئے بیدار ہوا۔

"کیا مصیبت ہے پارا؟" مندی مندی آنکھوں سے
ہاتھ بڑھا کر اس نے الارم آف کیا اور غصہ بھرا تھا۔
"اسلام علیکم! صبح بخیر۔" جیسے ہی اس کی نظر معید پر
پڑی وہ مسکرا دیا۔

"اوہ تو یہ تمہاری کارستانی تھی کب آئے ہسپتال
سے؟" وہ اب تکیہ چھوڑ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا معید نے
بیڈ پر آڑھ ہاتھ پھا لیتے ہوئے مزے سے اس کی گود میں
سر رکھ دیا۔

"جب دیکھ لیا میرے بارے میں تو یہ رات نیند نہیں آئی
تھی کیا؟"

"ہاں پارا..... مجھے انجلی جگ پر مشکل سے ہی نیند آتی
ہے ابھی سناؤ ان کے بعد آٹھ گئی تھی۔"

"اوہ پھر تو زیادتی ہوئی تمہارے ساتھ۔"

"ہوں زیادتی تو ہوئی ہے لیکن چلو خیر معاف کیا۔"

جس انداز میں اس نے کہا تھا معید کا کھل کر ہنسنا لازمی تھا۔

"مہربانی چلو اب فریش ہو کر آ جاؤ پارا تمہارے لیے
ایک سرپرائز ہے۔"

"مر پرانز؟"

"ہوں مر پرانز..... انھو جلدی شاباش۔" وہ بہت خوش اور فریش دکھائی دے رہا تھا اذہان کو ناچاچے ہونے بھی واش روم کا رخ کرنا پڑا پھر جس وقت تازہ دم ہو کر وہ باہر ناشتے کی میز پر آیا وہاں جواد صاحب اور مرینہ بیگم کو اکٹھے بیٹھ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کیچو... واہ کیا سر پرانز ہے؟" وہ بھی خوش ہوا تھا مرینہ بیگم بے ساختہ مسکرا دیں بھی جواد صاحب بولے تھے۔

"سب ہمارے بیٹے کا کمال ہے۔" جو کا م باپ نہ کر سکا وہ بیٹے نے کر دکھایا۔

"دیر کی لٹ پھر تو ٹریٹ بنتی ہے اب معید کی طرف۔" ٹریٹ بھی دے دیں گے بار ایلے ناشتا تو کرو پھر مجھے اپنے خیال بھی جانا ہے۔" کرسی چنچتے ہوئے معید نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہاں موجود سب انھوں نے بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

نہیں اسی اثنا میں فیحانے اپنی سیٹ سنبھالی تھی اذہان کی دھڑکیں اس پر نظر پڑتے ہی بے ترتیب ہونے لگیں بھی جواد صاحب نے بتایا تھا۔

"یہ فیحانے کا طرہ کی بیٹی ابھی تین سال قبل اس کے انتقال کے بعد میں اسے اپنے پاس لے آیا تھا۔"

"رواٹ.....؟" مرینہ بیگم کے ہاتھ سے کچھ گرا تھا جبکہ ان کی آنکھوں میں بے حد تیرائی اور دکھ تھا خود جواد صاحب کی آنکھیں بھی اڑھس ہو گئیں۔

"ہوں میرے کینیڈا جانے کے بعد ساجد نے رخصتی تو کروائی تھی مگر زندگی بھر قافلہ کو سولی پر چڑھائے رکھا صرف میرے نصے کی وجہ سے اس نے میری بہن کی زندگی جہنم بنا دی اسے وقت سے پہلے پوزھا اور مگر وہ کر دیا جبکہ اس نے خود دوسری شادی بھی کر لی تھی بہر حال انسان حالات سے لڑ سکتا ہے تقدیر سے نہیں۔" بہت مارل لہجے میں وہ انہیں یہ روداد سنارہے تھے مگر مرینہ بیگم کو لگا ان کا وجود زمین میں دھنسا جا رہا ہو۔ وہ سادہ مرامی بدگمانی اور تکلیف کا شکار رہیں کہ جواد صاحب نے ان کے ساتھ دانا نہیں کی ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کے ہو گئے مگر یہ بھید تو اب کھلا تھا کہ وہ تو اب بھی حرف انہی کے تھے۔ جانے یہ دکھ کی شدت تھی

کہ شرمندگی کی ابتداء اپنی سیٹ دھکیل کر انھی تھیں اور ملاؤنیج سے باہر نکل آئی تھیں جواد صاحب بھی فوراً ان کے پیچھے لپکے تھے۔

"مرینہ....." باہر لان میں گلاب کی پاؤں کے قریب کھڑی اب وہ شدت سے رو رہی تھیں۔ جواد صاحب نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"کیا ہوا کیوں رو رہی ہو؟"

"جواد بیگم سوری میں نہیں جانتی تھی میرا کیا ہوا ایک غلط فیصلہ اتنی زندگیوں برباد کر دے گا۔ میں باقی آپ کو نہیں سمجھ سکی پلیز مجھے معاف کر دیں۔" پینتالیس سال کی عمر میں بھی وہ نو عمر لڑکیوں کی طرح ہلکے رہی تھی بھی جواد صاحب نے ان کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر انہیں خود میں سمیٹ لیا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا مرینہ اب روئے سے کچھ حاصل نہیں پلیز۔"

"مگر میں بہت گھٹ فیس کر رہی ہوں مجھے پہلے خبر ہو جاتی کاش....."

"پلیز مرینہ! جو ہو گیا اسے بھول جاؤ پلیز اتنے سالوں بعد مجھے اور میرے بیٹے کو خوش ہونے کا موقع ملا ہے پلیز تم ہماری خوشی کو یوں رو کر مانت مت کرو پلیز۔" وہ بہت لجاجت سے کہہ رہے تھے۔

مرینہ بیگم نے آہستہ سے آنسو پونچھ کر اپنے لب جواد حسن کے دائیں ہاتھ کی پشت پر ثبت کر دیے۔

"میں آپ کی گناہ گار ہوں جواد! اس قافلے تو نہیں ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے پھر بھی پلیز آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے معاف کر دیا تو مجھے یقین ہے میرا اللہ بھی مجھے معاف کر دے گا۔"

"نھیک ہے کر دیا معاف اب چلو ناشتا کرو پھر شہر کے لیے نکلتے ہیں۔" وہ آج بھی ویسے ہی تھے بے حد سادا اور سراپا محبت..... مرینہ بیگم کے اندر تک خود سے نفرت کی لہر اتر گئی۔ انہیں لگا جیسے گزرے ہوئے پچیس سال انہوں نے کالے پانیوں کی نذر کر دیے ہوں اندر ڈاکھنگ ہال میں معید اذہان اور فیحان پریشان سے خاموش بیٹھے تھے انہیں واپس آتے دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق ٹوٹ آئی تھی مرینہ بیگم نے ایک نظر خاموشی سے سب کو دیکھا پھر اپنی

میٹ پر بیٹھ گئیں۔

ہو گئے تھے۔

”چلو معید اپنا اور پایا کا بیگ تیار کرو شادی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں۔ ہاں شہر میں سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے اور فیما بین آپ بھی اپنا بیگ تیار کر لو۔“ ناشتے کے فوراً بعد انہوں نے نظم جاری کیا جس پر معید نے مسکرا کر جبکہ فیما نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

”ای میں تو بیمار ہوں آپ فیما سے کہیں یہ اپنے ساتھ ہمارے بیگ بھی تیار کر لے گی۔“

”تمہاری بیماری کا پتا لگ گیا ہے مجھے زیادہ ڈر اسے بازی کی تو لگاؤں کی ایک۔“ اس بار انہوں نے ذرا سا ڈپٹا تھا جو با معید اور جواد صاحب دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

”دیکھ لیا اب تو ای بہت کچھ ہوئی چیز ہیں۔“ وہ شرارتی طور پر ہاتھ اٹھانے لگا اور اچھوڑ دیا۔

”غمانی میں ماسوں اور معید کا بیگ تیار کروتی ہوں مگر ایم سواری میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکوں گی کیونکہ مجھے شہر میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔“ مرینہ بیگم جو معید کی بات پر مسکرا رہی تھیں اب سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

”صرف چند دن کی بات ہے فیما۔“

”چند دن بھی نہیں رہ سکتی غمانی ایم سواری۔“ وہ ناشی کے سارے قصے سے باخبر تھی امرینہ بیگم کو سب حد نہ امت محسوس ہوئی تھی خود انہیں کادل جسے بچھ کر رہ گیا تھا۔

”نہیک ہے تو پھر کسی کا بھی بیگ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے انہیں تم جیسے جاؤ شہر بھٹلیم بھائی سے کہہ دینا میری مجبوری ہے میں نہیں آسکتی۔“ وہ بھٹلیم بھائی کی اور باحیثیت سے کہہ رہی تھیں۔ فیما کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہتھیار پیچھے پڑے تھے۔

”لو کے میں چلی رہی ہوں آپ کے ساتھ۔“ جیسے ہی اس نے کہا زبان کے لب فوراً مسکرا اٹھے تھے جبکہ معید بھی ہنس دیا تھا۔

”دیکھا اب تو کتنی سمجھ دار ہیں میری امی ہانگل مجھ پر مکی ہیں۔“

”ہوں کوئی شک نہیں۔“ جواد صاحب بھی مسکرائے تھے۔

ای روز شام میں وہ سب شہر کے لیے روانہ

تھیں رات کا سپر تھا عینا کی آنکھ اپنے سیل کی واپسیشن سے کھلی تھی اس نے فینڈ سے بونچھل پلکوں کو بمشکل داکر کے اسکرین کو دیکھا وہاں ریان کا نام جھنگا رہا تھا۔ ایک دم اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں جبکہ ہاتھ کپکپا اٹھے فوراً سے میسٹر وہ انھیں کھینچ کر بھی مگر تب تک کالی بند ہو چکی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سیل پر ریان کے نمبر سے ایسٹن سسٹم کا لکڑیوں وہ حیران ہی تو رہ گئی پورے چھ ماہ کے بعد وہ شخص بھلا اتنی شدت سے اسے کیوں یاد کر رہا تھا؟ اس سے پہلے کہ وہ اس سوال پر مزید کھینچی اس کا سیل پھر بجنا شروع ہو گیا تھا اس بار اس نے بنا کسی تاخیر کے فوراً کال پک کر لی تھی۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ اس کی مدھم سی جیلو کے جواب میں دوسری طرف کچھ لمحوں کے لیے خاموشی پھالی رہی تھی پھر وہ بولا تھا۔

”کیسی ہو؟“ عینا کی طرح اس کی آواز بھی بے حد پوچھل تھی جیسے وہ نشے میں ڈوب کر بول رہا ہو عینا کو لگا جیسے اس کا دل پہلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ کچھ لمحوں تک باوجود کوشش کے وہ کچھ بال نہ پائی تو رو پڑی ابھی وہ تڑپا تھا۔

”عینا۔۔۔۔۔“ مگر وہ اس کی پکار سے بغیر شدت سے روئی رہی۔

”عینا میری بات سنو پلیز۔۔۔۔۔“ اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ بول اٹھا اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنا پڑا تھا۔

”میں ملنا چاہتا ہوں کل تم سے کسی بھی قیمت پر پلیز۔۔۔۔۔“ جیسے ہی اس کے رونے کی شدت کم ہوئی اسے ریان کی آواز سنائی دی وہ مزید حیران رہ گئی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس وہ پس کر رہی ہے۔“

”تو حیر کیوں نہیں آ جاتے آپ۔“

”مگر نہیں آ سکتا میں؟“ عینا تڑپ کر اس نے پوچھا تھا۔ اتنی ہی سیٹ سے اس نے جواب دیا تھا وہ پھر

کرے کی طرف بھیج دیا گیا شاید وہ پہلے ہی اس کے لیے اپنے اسٹاف کو ہدایت کر کے چکا تھا۔

عینا کو لگا جیسے اس کے قدم گھبراہٹ سے ہل رہے ہوں جبکہ دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سامنے موجود دروازے پر ہلکی سی ٹاک کے بعد جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی سامنے موجود دریاں ملک کو لے کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بے حد تھکی ہوئی آنکھوں کے نیچے بڑے بڑے حلقے بے حد کمزور صحت اور پرستے کافی روز کی بڑھی ہوئی شیدا سے کسی اور ہی ریان ملک سے مل رہی تھی۔ ریان نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اور پھر ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیر کر رہ گئی تھی۔

”آؤ بھئی..... پلیز۔“ وہ اسے اپنے سامنے بڑی کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت دے رہا تھا عینا کسی رو بوت کی مانند چلتی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

”نفس کے ساتھ آئی ہو؟“ پہلا سوال ہوا تھا عینا نے اپنی نظریں اس کی چہرے سے نہیں ہٹائیں۔

”آرامیہ کے ساتھ۔“

”یہاں تمہارے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟“

”لو کے..... کیا لوگی ٹھنڈا گرم؟“

”نہ ٹھنڈا نہ گرم صرف اپنا پچ۔“ جتنی سرد مہری سے اس نے کہا تھا اتنی ہی تیزی سے ریان کی آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی سی ہلکی سی چٹکی تھی۔ اس نے ایک نظر ہاتھ میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھا پھر نظریں عینا کے منہ ہونے چہرے پر گاڑ دیں۔

”وہ یہاں نہیں ہے۔“

”یہاں نہیں ہے تو کہاں ہے؟“ اس بار اس نے تھنی سے پوچھا تھا ریان نے تھنی سے لب بچھین لیا۔

”تم نے اس سے ملازمی ملنا ہے؟“

”ہاں۔“

”او کے چلو پھر تم باہر میری گاڑی میں چل کر بیٹھو میں آتا ہوں۔“ اسے ہدایت دینے کے ساتھ ہی اس نے انٹر کام اٹھا لیا تھا اگلے دو منٹ میں مستعد ملازم اس کے سامنے موجود تھا۔

”جی سر۔“

چونک اٹھی۔

”کیوں..... کیوں نہیں آ سکتے؟“

”نہیں کچھ مجبوریاں ہیں کل ملوگی تو سب بتاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے میسر ایسا کیسا ہے؟“ اور اس سوال پر دوسری طرف پھر پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا تھا عینا کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔

”کہاں مل سکتی ہوں میں آپ سے؟“

”میسر نے آفس آجائو پتا میں تمہیں ابھی میج میں سینڈ کر دیوں گا انہی گھر میں کسی کو بھی مست بتانا پلیز۔“

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“

”ہوں۔“

”او کے میں آ جاؤں گی۔“

”شکریہ ادا کیسی ہیں؟“

”ٹھیک ہیں۔“

”تھنکس آئی اور باقی سب.....؟“

”سب ٹھیک ہیں۔“

”اور تم.....؟“ ہانکل اچانک اس نے پوچھا تھا عینا کے گلے میں پھر آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔“

”شکریہ مالک کا چلو اب سو جاؤ میں کل شام چار بجے تمہارا انتظار کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ آہستہ سے ہوئی تھی اس کا دل پیادہ رہا تھا کہ ریان کالی بند نہ کرے مگر ایک نئی چیپ کے بعد اس نے آہستہ سے کال ڈراپ کر دی تھی۔

اگلے روز ٹھیک شام چار بجے بناء کسی کو کچھ بتاتے وہ ایک دوست سے ملنے کا بہانہ کر کے ڈرائیور کے ساتھ گھر سے نکل آئی تھی۔ ریان کی کال کے بعد اس کا ایک ایک لمحہ جیسے سولی پر لٹکتے ہوئے گزرا تھا۔ ریان نے اپنے آفس کا جو ایڈریس اسے میج میں سینڈ کیا تھا وہ اس ایڈریس پر پہنچ چکی تھی لہذا ڈرائیور کو واپس بھیج کر وہ سامنے موجود شاندار عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

عمارت کے اندر کا ماحول باہر سے بھی زیادہ شاندار تھا اس نے ریسپشن پر اپنا نام بتایا اور ریان ملک سے ملاقات کی درخواست کی جواباً اگلے ہی پل اسے ایک شاندار سے

”یقیناً صاحب کو باہر میری گاڑی میں بیٹھا نہیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“

”جی سر۔“ تاہم داری سے سر ہلاتا ملازم فوراً ہی اسے باہر ریاں کی گاڑی تک لے آیا تھا۔ عینا مختلف خدشات کا شکار ہولی چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

آسمان کا لے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا وہ جانتی تھی ابھی کچھ ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی مگر پھر بھی وہ وہیں بیٹھی رہی تھی کہ اس کا دل اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اسے گاڑی میں بیٹھے ابھی دس منٹ ہوئے ہوں گے جب اس نے ریاں کو ڈنیل چیئر کی مدد سے آفس سے باہر آتے ہوئے دیکھا گوئی پہاڑ تھا جو اس وقت اس کی بصری توجہ پر گرا تھا۔ آنکھیں جیسے سامنے موجود منظر دیکھ کر پھٹ گئی تھیں مگر ریاں بھاہ پر داسیے بنا اس کی طرف دیکھنے لگاڑی کی دوسری طرف فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اس کے برابر میں مستعدہ رانچور نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

آسمان پر چھائے کھنگھور پاول اب بارش کے قطروں کی صورت اپنے مولی لٹانا شروع ہو گئے تھے خالی خالی

نگاہوں سے راستوں کو نگتی اپنی سسکیاں دباے بیٹھی رہی تھی۔ تقریباً پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد شہر سے قدرے فاصلے پر ایک درمیانے درجے کے ریسٹوران کے سامنے گاڑی رکی تھی ڈرائیور نے مستعدہ سے نکل کر عینا کی طرف کا گاڑی کا دروازہ کھولا تھا وہ پتھر کے بہت کی مانند ساکت و جامد سی گاڑی سے نکل آئی تھی اور ریاں ریسٹوران میں اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ بہت سے لمبے خاموشی کی اندر کرنے کے بعد پلا خراس نے عینا کی طرف دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

”چار ماہ پہلے میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس رات میں گھر آیا تھا اور اپنے بیٹے کو تمہارے پہلو سے اٹھا کر لایا تھا اسی رات..... اسی ایکسیڈنٹ میں میری ٹانگیں ضائع ہو گئیں اور...“ دانستہ رنگ کر اس نے عینا کی طرف دیکھا تھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اور.....؟“ بہت آہستہ سے اس کے لبوں نے جھنجھکی اٹھی۔

ریاں کی زبان نے جیسے اس کا ساتھ دینے سے انکار

عروس عید

بڑے ناڈ، انداز سے سنہرتی ہے
مید دہن کی طرح نگتی ہے

تھوڑی زندگی میں ایک بار پھر لمحہ مسرت ٹوٹ آیا ہے۔ رمضان المبارک کی آمد آج سے اور ماہِ صیغہ چاند نظر آتے ہی عید کی تیاریاں بھی زور و شور سے شروع ہو جاتی ہیں۔ لہجہ بگڑتا آگئی، خوش رنگ ملبوسات، انڑیاں، گچھوں کے جھنڈے، باتھوں میں چوڑیوں کی کھٹک، چھوڑوں پر سکراہٹوں کی چٹک، بچوں کی گانگاریاں، تھکے ہوئے جوانوں کی ملامت و آداب کی انداز میں اور بزرگوں کی دعا کی باتیں سنا جاتی، اشتہار، ٹیلی ویژن شو میں، روٹی زندگی کی چٹل پہاں اب سب شواں کو جمع کر دینا تو عید کی توں توں آتی ہے۔ عید کی ان خوشیوں میں آج کل آپ کے ہم قدم ہے۔ اس موقع پر قارئین کی دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھتے خصوصاً سروسے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان سہولت کے جواب میں مختصر نمبر پر سب حیرانے میں لگے مار سہاں کر دیں۔

انڈیا کروٹیں ماہِ وصال میں تیزی بہت سی عیدوں میں کوئی ایسی عید جس کی خوشگوار یاد آج بھی لبوں پر ہنس مہیر و سنے یا سسرال میں تیزی نہیں عید پر آپ کا بھر ہا کیسا رہا؟

۱۔ عید کی لینے اور دینے دونوں میں فرق کیا ہے اپنی عید کی کس منصرف میں استعمال کرتی ہیں؟

۲۔ عید کے لیے تیار کی پہلے سے عید کی روٹی یا چوڑیاں کھانے کے لیے مخصوص کرتی ہیں؟

۳۔ عید کے دن کو خوش آمدید کہتے ہیں یا نہیں؟

۴۔ عید کے موقع پر سے والا کوئی ایسا نمونہ یا عید کی شے آج بھی سنبھال کر رکھا ہوا؟

ان تمام سہولت کے جوابات 10 جولائی تک بذریعہ اک یا ای میل ارسال کر دیں۔

کر دیا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لب کانتے ہوئے
اس نے جیسے اپنا حوصلہ جمع کیا تھا۔

”اور ہمارے بیٹے کی جان بھی...“ جتنے دیکھے لہجے
میں جس نے کہا تھا اتنی ہی تیزی کے ساتھ عینا کا دل ڈوبا
تھا۔ اسے لگا تھا جیسے وہیں تھوڑا کر گر پڑے گی سانس بٹھا وہ
خفگی جو بد قسمتی سے اس کا شوہر تھا وہی اس کے معصوم بیٹے
کا قاتل بھی تھا اس کے لب بل رہے تھے مگر وہ جیسے کچھ بھی
سن نہیں پارتی تھی۔

”میں تمہارا گناہ گار ہوں عینا! تم چاہو تو مجھے سنگسار کر دو
آف تک نہیں کروں گا۔ مگر مجھے تم سے ایک گلہ ہے اگر تم
میری محبت کے جواب میں مجھ سے بے پروائی نہ برتیں اتنی
سزا دہ ہوئیں تو شاید میں اس بربادی کے راستے کی طرف
بھی قدم نہ بڑھاتا۔ مرد کو اگر گھر میں سکون ملے تو وہ باہر
نہیں بھٹکتا اپنا نہیں تم جیسی اور کتنی لڑکیاں ہوں گی جن کی
سزا دی اور بے نیازی نے ان کے شوہروں کو اور راست سے
بھڑکادیا ہوگا۔ جانتی تو ہو تم مرد ذات کو رنگ برنگ تمہاریاں
اچھی لگتی ہیں رنگ اچھے لگتے ہیں اگر یہ رنگ اسے گھر میں
نظر نہ آتیں تو وہ اتنی اس کی عقل پر پروا پڑتے دیر نہیں لیتی
بہر حال مجھے اب نے اپنی جائیداد سے عاقبت کر دیا ہے ان کے
جیتے جی میں اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ یہ میری سزا
سے عینا! ساری عمر اس معذوری کے ساتھ کاٹنا میری سزا ہے
کیونکہ میں نے تم جیسی اچھی لڑکی کا دل دکھایا ہے۔ میں وہ
درد دیا ہے جس کی اذیت بھی تم نہیں ہو سکتی۔ میں چاہتا تو
تمہارے حقوق ادا کر کے بھی یہ سب کر سکتا تھا مگر میں نے
کہا ناں میری عقل پر پروا نہ کیا تھا۔ اپنی بربادی اور تباہی
تک پہنچی نہیں چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔“ اب اس کی
آنکھیں دور لہجہ بھرا یا تھا خود عینا کی آنکھوں سے لوٹ
نوٹ کرتا سوچنے لگے رہے۔

”میں چاہ رہا ہوں عینا! ابھی تیس منٹ کے بعد میری
فلائٹ ہے کہیں جا رہا ہوں نہیں جانتا مگر اتنا ضرور جانتا
ہوں کہ اب بھی پلٹ سرائے میں نہیں آتا“ بھی بھی نہیں
مگر میں جہاں بھی رہوں گا اپنے گھر والوں کی یاد کو جینے سے
لگاؤں ان کی ہر لمحہ خبر گیری رکھوں گا۔ تم امی اور ہالی سب
سے کہنا مجھے صاف کر دینا میں نے واقعی صرف اپنی ذات
کی خوشی کے لیے ان سب کا بہت دل دکھایا ہے۔“ اب اس

کی آنکھیں سرخ ہونا شروع ہوئی تھیں۔
عینا کا دل گہرے پاتال میں ڈوبتا چلا گیا کچھ لمحوں کی
خاموشی کے بعد اس نے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکالا
تھا اور میز پر رکھ دیا تھا۔

”یہ میرے پاس تمہاری امانت ہے میرے خیال میں
خود اذیتی کی سولی چڑھ کر اس سے زیادہ میں نہیں اور کچھ
نہیں دے سکتا تھا۔“

اس کا بو جھل کبیر لہجہ اب ٹوٹ رہا تھا اس لیے اس کا
شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ سانسے پتھر بولی نہ لے
لڑکی کو زور سے اپنی باتوں میں بچھین کر آخری بار پھوم لے
مگر... اب اس کے پاس ایسا کوئی حق نہیں تھا کہ پتھر بولی
بچھین کر ہی اسے پتا چلی نہ چل سکا کہ کب وہ آنکھوں میں ضبط
کی شدت کی پراس لیے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

وہ گھر واپس آئی تو ہر طرف سناٹا تھا بالکل ویسا ہی سناٹا
جیسے اس کے اندر اتر تھا کسی روڈ ٹک کی مانند چپ چاپ
چلتی وہ ادھر پہنچ کر سڑے میں آئی تھی اور پھر بیڈ کے ساعیند
سے خواب آد گولیوں کی بوتل اٹھا کر تین چار گولیاں دھکیلی پر
رکھ کر ایک گلاس پانی کے ساتھ اسٹھی پھانگ لیں کسی کی
دنیا اجڑ جانے تو وہ ہوش و حواس سے بریانا نہ ہو جاتا ہے وہ نہیں
ہوئی تھی۔

اعظم صاحب کے پورٹن میں اس وقت مرید بیٹھ
جو ادھن اور ان کی بھانجی کو پروں کول مل رہا تھا سب
وہیں اکٹھے ہوئے تھے کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی تھی اور عینا
کی دنیا ٹک گئی تھی۔

(آخری حصہ ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ)



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک ویکر متعارف کرائیں

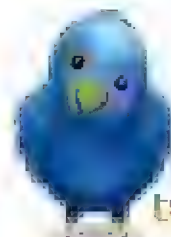
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

بے کراں شب میں کہیں ایک ستارہ ہی کی
 ڈوبنے والے کو تگنے کا سہارا ہی سہی
 وقت کی اپنی عدالت بھی ہوا کرتی ہے
 آج اس شہر میں قانون تمہارا ہی سہی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا صاحب مصطفیٰ اور دیگر گھروالوں کے ساتھ ولید کے ہاں شادی کے فنکشن میں جاتے ہیں تو ولید کے والد خیمہ صاحب سے ان کے بیک گراؤنڈ اور اہلیہ کی وفات کے متعلق پوچھتے ہیں جس پر خیمہ صاحب کچھ الجھ جاتے ہیں۔ دوسری طرف بابا صاحب کچھ نسلی بخش جواب نہ منے پر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ شہزاد شادی کے فنکشن میں انا کے ساتھ خواب انجوائے کرتی ہے اور وہیں رات گزار لی ہے جبکہ انا ولید اور کاخند کی بے تکلفی پر بازو حد بخیدہ رہتی ہے۔ بابا صاحب ولید اور اس کے گھروالوں سے مل کر واپسی کا ارادہ کرتے ہیں لیکن شاہزیب اور مصطفیٰ کے اصرار پر رک جاتے ہیں وہ انہیں سائیکسٹ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں اور بابا صاحب بھی ان کی بات پر بلا اثر ضامنہ ہو جاتے ہیں۔ ماں جی شہزاد اور مصطفیٰ کی رخصتی کے متعلق بات کرتی ہیں تو شہزاد منظر سے غائب ہو چلی سے دوسری طرف مصطفیٰ بھی انہیں بی الحال اس بات سے متع کر دیتا ہے۔ مصطفیٰ اور شہزاد کے برہم انداز پر درپہ کی اندازہ لگاتی ہے کہ دونوں ہی اس رشتے سے ناخوش ہیں جبکہ لائیب بھالی درپہ کی مصطفیٰ سے بے تکلفی دیکھ کر شہزاد کو محتاط رہنے کا مشورہ بھی دیتی ہیں لیکن شہزاد اپنے ذاتی اختلافات کی بنیاد پر لائیب بھالی کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔ انا شادی کے فنکشن میں رشتہ داروں کی غیر موجودگی سے متعلق ایک بار پھر صہوٹی بیگم سے سوال کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر خاموش کرادیتی ہیں لیکن انا کچھ الجھ جاتی ہے اسی دوران ولید کو کاخند سے بات کرتے سن کر اس کی جانب سے بداعتمادی کا شکار ہوتی مسک پڑتی ہے لیکن ولید اس بات سے بے خبر رہتا ہے۔ انا کی عنایت ہو جانے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے اور شہزاد کو بھی محتاط رہنے کا کہتا ہے جبکہ شہزاد اس کا نام سن کر ہی خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ عادل، راہد کو اپنے مقصد کی خاطر استعمال کرتے اسے عباس کے خلاف ورغلاتی ہے اور اس سے وہاں کی تمام معلومات حاصل کرتی ہے جس پر راہد تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔ انا زہرا، جو کر گھر پہنچتا ہے تو مصطفیٰ اور شہزاد کے خلاف سخت اقدام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جس پر عادل اسے جذباتی ہونے کی بجائے ہوش و ہواس سے کام لینے کا کہتی ہے۔ انا کا سامنا ولید سے ہوتا ہے تو کاخند کو لے کر سخت جذباتی ہو جاتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ولید اس سے بات کر کے اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ کر اسے منالیتا ہے۔ ساتھ ہی نہایت سچائی کے ساتھ وہ اسے کاخند کی دوستی کے متعلق بتاتا ہے جس پر انا اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے لیکن ولید اس کی بات پر کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

(اب آگے پڑھیے)



وہ بہت پریشان تھی، عادلہ کی باتوں پر یقین نہیں کرتا چاہتی تھی مگر اسے اس کے نسو نہیں بھولتے تھے اور اپنے بیٹے کے لیے اس کی تربیت اسے دہرہ کر رہی یا قاتی تھی۔ اس سے والہی پروہ سارا وقت خاموش رہی۔

"کیا بات ہے کوئی الجھن ہے؟" ہادیہ نے پوچھا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ ہادیہ سے کہہ دے مگر پھر ٹال گئی۔

"کوئی بات نہیں۔"

"آج ہمارے گھر چلو۔" ذرا تھوکر تے ہادیہ نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔"

"فون کر دو۔"

"نہیں پھر کسی دن چھٹی والے دن چکر لگاؤں گی۔"

"اوکے۔۔۔"

"ہادیہ یہ سر عباس کا بے بی کس کے پاس ہے ماں کے یا باپ کے؟"

"سر عباس کے پاس کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔" وہ سوچنے لگی۔

"اور یہ سر عباس کونسا کونسا کیسے ہیں؟"

"کیوں تم اتنے دن سے ان کے ساتھ کام کر رہی ہو ابھی تک تمہیں اندازہ نہیں ہوا۔" ہادیہ نے حیرانی سے پوچھا تو وہ نظریں چرائی۔

"بعض اوقات اندازے غلط بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔" ہادیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مطالب۔"

"چاہیں، میں بہت الجھن میں ہوں۔" ہادیہ حیران ہوئی اس نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی۔

"کیا ہوا۔۔۔ انہوں نے کچھ کہا یا ڈانٹا ہے تمہیں؟" رابعہ سنبھلی پھر مسکرا دی۔

"نہیں۔"

"تو پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رابعہ کا جی چاہا کہ عادلہ کی اپنے گھر آد اور کالزمسیت سب بتا دے مگر پھر خاموش ہو کر نشی میں سر ہٹا گئی۔

"وہی ہے ہی پوچھ رہی تھی۔ پہلے دن سے ہی ان سے تلخ کھادی ہو گئی تھی تو ذہن میں ایک عجیب سا ایج بن گیا ہے جو

مجھ ان کے بارے میں مطمئن نہیں ہونے دیتا۔"

"الف۔۔۔ میں تو ذہنی تھی کہ نجانے کیا بات ہو گئی ہے اور تم ایسی لڑکی تو نہیں ہو جو ان سے ڈرنے کی کوشش کرے اور

اب تو روپے بھی تمہارے ساتھ کالی بہتر ہے۔" ہادیہ کے الفاظ پر اس نے سر ہٹا دیا۔

"وہی ہے بے فکر ہو سر عباس بہت ہی ریز رو رہے ہیں۔" کانڈ ہرنڈ پرسن ہیں وہ تو عادلہ کے ساتھ ان کی نہیں بنی ورنہ

اب بھی لڑکیاں ان کی زندگی میں شائیں ہونے پر فخر محسوس کریں گی۔"

"اچھا نہیں تم بھی تو ان میں شائیں نہیں ہو۔" اپنے ذہن کو بنانے کے لیے رابعہ نے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔

"اگر میں ابو بکر کے بارے میں سنجیدہ نہ ہوتی تو شاید سوچتی۔۔۔۔۔" ہادیہ فسر وہ ہو گئی تھی۔ رابعہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"چھوڑو، سمجھ لو وہ بھی عام لڑکوں جیسا ایک انسان تھا۔ اگر اسے تمہاری پروا ہوتی تو اب تک کچھ کرتا، لمبہ کم تم سے

اتنے سالوں میں رابطہ تو کرتا۔ نجانے کہاں ہے ایک تن تھلا لڑکا جس کا کوئی اپنا چہانہ تھا تمہیں بھی ساری دنیا چھوڑ کر

ایک وہی ملا تھا۔

"میں بہت بار سوچتی ہوں کہ اسے بھول جاؤں مگر اب یہ میرے بس میں نہیں اور مجھے کبھی بھی یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کو میں ناپسند تھی۔ مجھے تو ہمیشہ ہی لگتا تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتا ہوگا۔" ہادیہ کی افسردگی میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

"صرف لگتا تھا اس نے کبھی اپنی زبان سے اظہار تو نہیں کیا تھا جس طرح وہ تم لوگوں کی زندگی میں آیا چلا بھی گیا تھا۔"

"خان بابا جانتے ہیں کہ وہ اپنے والد سے کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے نکلا تھا اس کا باپ پولیس میں تھا تب اپنے باپ سے بھی نہیں ملتا تھا۔ ان کے پاس عداوت تھی یا تھا اس کی ماں اس کے بہن بھائیوں کو لے کر چچن میں کہیں کھو گئی تھی وہ اپنی ماں اور اپنی فیملی کی تلاش میں نکلا تھا اور پھر نجانے کیا ہوا ہمارا گھر بھی چھوڑ کر چلا گیا۔"

"ہو سکتا ہے وہ اپنے باپ کے پاس واپس چلا گیا ہو۔" رابعہ نے خیال کرانی کی۔

"نہیں، اگر وہ واپس جاتا تو خان بابا کو تو ضرور علم ہوتا اور پھر میں اس کی لگتی بھی کیا تھی جو وہ مجھے پہچنتا کر جاتا، مجھے تو لگتا ہے کہ اسے خبر ہو گئی تھی کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں اور وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھاگ گیا۔" ہادیہ اس ٹاپک کو لے کر ہمیشہ میریس ہو جاتی تھی اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا رابعہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دیا۔

"اچھا چھوڑو تم کیوں اب اپنی زندگی کو ضائع کر رہی ہو، ایک شخص پر تو زندگی ختم نہیں ہو جاتی، ماشاء اللہ وعدہ شہل نے ملاقات بس اب سب بھول جاؤ مائے پٹی بھی کئی بار مجھ سے شکوہ کر چکی ہیں کہ جو بھی اچھا پرو پوزل آتا ہے تم انکار کر دیتی ہو۔"

ہادیہ نے ایک گہرا سانس لیتے دوبارہ گاڑی اشارت کر دی۔

"بس ابھی میں اس ٹاپک پر سوچنا نہیں چاہتی نچانے مجھے کیوں یقین ہے کہ اب بکر ضرور آئے گا پتا نہیں کیوں اس کی طرف سے میرا دل مایوس نہیں ہوتا۔" ہادیہ بہت پر امید تھی رابعہ مسکرائی۔

"اللہ کرے۔"

"آمین۔" ہادیہ نے کہا تو وہ بھی سر ہلا گئی۔

"شبانے نے بات کہاں سے کہاں چلی گئی تم ٹینشن فری ہو کر باب کر دو، سر عباس اور عادلہ دونوں کی فیملیز کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں بہت اچھے لوگ ہیں سر و فیروز۔ عادلہ تو بد قسمت ہے جو سر کو چھوڑ کر چلی گئی۔" ہادیہ کے الفاظ پر رابعہ پھر ابھی۔

مگر وہ عادلہ کے آنسو۔

اپنے بیٹے کے لیے اس کی تڑپ۔

"ہو سکتا ہے عادلہ اتنی غلط نہ ہو، سر عباس یا ان کی فیملی کی ہی کوئی سازش ہو۔ دنیا کے سامنے عادلہ کو غلط بنا کر پیش کر رہے ہوں۔"

"مائی گڈ نیس۔" ہادیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"تیم کہہ رہی ہو، ان بلیو بیل را بھی چند دن پہلے عادلہ سب لوگوں کے سامنے تمہیں برا بھلا کہہ کر ٹوٹی تھی۔"

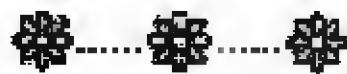
"ہو سکتا ہے عادلہ کو کسی بات کا غصہ ہو اور مجھ پر نکل گیا ہو۔" ہادیہ کالی حیران تھی۔

"امییزنگ وہ عورت تمہیں کئی بار برا بھلا کہہ چکی ہے اور تم اس کی غور کر رہی ہو۔"

"میں کسی کی غور نہیں کر رہی۔ میں بس یہ جانتا چاہ رہی ہوں کہ اگر عادلہ واقعی کرپٹ ہے تو اس کرپشن میں ہر لوگوں کی فیملی کا پیار دل ہے۔"

”سراونگوں کی فیملی اور وصال ایمانداری کے ساتھ چل رہی ہے۔ عادیہ اس کا بھائی اور ایک بہن چیسے کی فرہادی نے سب کو ہکا بکا کر رکھ دیا ہے ہر بری عادت ان تینوں میں موجود ہے اور بھائی تو نمبر ایک فلورٹ باؤنڈ اور غنڈہ ہے۔“ ہادیہ نے پھر سکون سے سب کہا تو راجد لب دانت تلے دبا گئی۔

”جو بھی ہو میں اب عادیہ کی کسی بات پر یقین نہیں کروں گی مجھے کیا سر عباس اس سے جیسا بھی سنوک کریں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے میں کیوں اس قدر انوالو ہورہی ہوں بھاڑ میں جائیں دونوں۔“ مسلسل ایک ہی بات کو سوچتے بہت چڑکھ کر اس نے قہقہے سے سوچا۔



شہوار گھر آئی تو بابا صاحب گاؤں جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ شاہزیب صاحب منع بھی کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر سے دو تین اور سیشن کروالیں مگر وہ کسی بھی طرح آمادہ نہ ہوئے مجبوراً شاہزیب صاحب کو ڈرائیور کے ساتھ ان کو بھیجنا پڑا تھا۔ انہوں نے دریا کو ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ انکار کر گئی سو شہوار نے ایک دم بابا صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ایک تو مہر النساء کی شادی کی تاریخ طے کرنے والی بات پر وہ پہلے ہی پریشان تھی اور پرستے اپان کی ضمانت ہو جانے والی اطلاع نے بھی اسے خوفزدہ کر دیا تھا ایسے میں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی کوٹے میں جا کر چھپ جائے۔ اسے جانے پر تیار دیکھ کر انکل اور ماں جی دونوں نے منع کیا تھا مگر اس نے ایک دو دن کا پروگرام بہہ کر رضا مندی لے لی تھی۔ سو اسی وقت وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ (ابھی تک وہ گاؤں میں تھے۔)

دو تین گھنٹوں کا سفر آرام و سکون سے گزرا تھا۔ حویلی پہنچتے پر تاحہ ہوا سے تھک کر حیران ہوئی تھیں مگر وہ ان کے ساتھ تارل ہی رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کرنے لیٹ گئی تھی سارا رستہ اس نے موبائل بند رکھا تھا کمرے میں آتے ہی آن کیا تھا۔ وہ ابھی گہری نیند میں تھی کہ اس کا موبائل بجھنے لگا اس نے غنودگی میں موبائل اٹھا اور کال ریسیو کی۔

”ہیلو۔“ وہ ابھی بھی نیند میں تھی۔

”بغیر اطلاع کے اس طرح بابا صاحب کے ساتھ جانے کا مقصد؟“ دوسری طرف مصطفیٰ تھا جو بہت سنجیدگی سے مخاطب تھا شہوار کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔

”آپ؟“ اس نے موبائل کو دیکھا مصطفیٰ کے نمبر سے کال تھی اس نے دوبارہ موبائل کان سے لگایا۔

”ہی سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔ کمرے میں سائٹڈ لیپ کی روشنی تھی وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

”ہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ وہ رات کے اس پہر اسے کال کرے گا۔“

”موبائل کیوں بند تھا؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”میری مرضی اور ماسٹڈاٹ میں آپ کو اطلاع دینے کی پابندی نہیں ہوں۔“ اس نے تلخی سے کہا۔

”شہوار۔“ مصطفیٰ نے ٹوکا۔

”کال کیوں کی؟“ اس نے اس کے غصے کو نظر انداز کر دیا۔

”تم اچھی طرح جانتی تھی کہ ایاز باہر آ چکا ہے پھر بھی تم نے تباہ آنے کی غلطی کی؟“ دوسری طرف مصطفیٰ نے غصے سے کہا۔

”بابا صاحب ساتھ تھے۔“ اس نے بتایا۔

”اگر کوئی پراہم ہو جاتی تو تنہا بابا صاحب کیا کر سکتے تھے اور پر سے تم نے موبائل بھی بند کر رکھا تھا۔“

”موبائل کی بیٹری چارج نہیں تھی۔“ اس نے بہانہ بنالیا۔

"وایہ عجیب نام ہے؟" دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"دو تین دن رکوں گی۔" کتے بادل نخواستہ بتانا پڑا۔

"کیا کر رہی تھیں اس وقت؟" مصطفیٰ کا صوڈا ب نازل تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آدھی رات کو لوگ کیا کرتے ہیں بھلا؟"

"لوگوں کا تو پتہ نہیں میں تمہارا پوچھ رہا ہوں۔" مصطفیٰ شاید بہت فری ہو کر کال کر رہا تھا شہوار نے گھور کر موبائل کو

دیکھا اس کی آنکھیں غیند سے پونہ نکل ہو رہی تھیں۔

"مجھے غیندا رہی ہے۔۔۔ میں کال بند کر رہی ہوں۔"

"رکو شہوار۔" مصطفیٰ نے فوراً کہا تو کالی ڈراپ کرتے وہ رک گئی۔

"اب کیا ہے؟" آواز میں جھنجھابا بیت تھی۔

"ماں جی رخصتی کا کہہ رہی ہیں تاہندہ ہوا سے ابھی میری بات نہیں ہوئی اس لیے مجھے نہیں علم کہ وہ کیا چاہتی ہیں کل

تک میں بھی رخصتی کے حق میں نہیں تھا مگر آج بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب جلد از جلد رخصتی

ہو جانی چاہیے۔" شہوار ایک دم تونک گئی۔ غیند بھٹک سے اتر گئی تھی۔

"مگر میں ویسا کچھ نہیں چاہتی۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"میں تم سے تمہاری رائے نہیں مانگ رہا بلکہ اپنا فیصلہ سنارہا ہوں۔" دوسری طرف مصطفیٰ کا تحکم بھرا انداز تھا وہ

ساکت بیوی۔

"آپ مجھ پرزبردستی کریں گے؟" اس نے ہاتھ توقف کے بعد کہا۔

"اگر آپ محترمہ میں عقل، مہربانی کوئی چیز ہوتی تو شاید کچھ اور سوچتا۔" مصطفیٰ کا انداز از حد سنگا دیتے والا تھا۔

شہوار نے ایک دم شدید غصے میں آ کر موبائل بند کر دیا۔

"تمہارے خوب کو کیا سمجھ رہے ہیں۔" وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔ موبائل ایک طرف پٹا تو دوبارہ بچنے لگا اس نے غصے سے

اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کا نام جھنگارہ تھا تو میں نے کہا کہ گھور کر دے مگر اس نے دوبارہ تھا مل لیا۔

"اب کیا ہے؟" اس نے لیجے میں بہت گئی تھی۔

"میرے قریب ہوتی تو جتنا ناگہانی کہہ دیتے کیا ہے؟" مصطفیٰ کا بہت بخیر انداز تھا وہ چونک کر دو گئی شرم سے چہرہ ایک

دم سرخ ہو گیا تھا۔

"مجھے یہ فضول سے مرکا ہے نہیں سننے جو کہتا ہے صاف کہیں۔"

"موبار جی سوئچیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"اُنہوں نے حویلی میں کوئی کارخانے نہیں کھول رکھے کہ وہ اس وقت آدھی رات کو ان کی سپروائز کریں۔" اس نے

بہت سنگ کر کہا۔

"دیکھیں مجھے بہت غیندا رہی ہے آج سارا دن کانج میں بہت بڑی گزرا اور پھر اس کے بعد یہ گاؤں کا سفر، میں اس

وقت بہت تھک گئی ہوں آپ نے جو بھی کہنا ہو صبح کال کر لیجیے گا۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اس نے کہا تو دوسری طرف

مصطفیٰ ہنسا تھا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو پھر بات ہوگی، اللہ حافظ۔" شہوار نے جواباً کچھ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔ موبائل دوبارہ

مربانے پڑا لے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔

مصطفیٰ نے رخصتی کی بات کی تھی اب اسے خاک فیندا لنی تھی۔ وہ لائٹ آن کرتے کھڑکی کھول کر باہر حویلی کے وسیع و عریض مچھن کی طرف دیکھتے تھے جس کے دوسری طرف پھوٹا سا باغیچہ تھا۔ جہاں رات کی رانی کی مہلک سارے ماحول میں رہی ہوئی تھی۔

”کیا کروں، اگر امی نے میری بات مان لی ہوتی تو وہ اس نکاح کو ہی کیوں ہونے دیتیں نہ جانے وہ کس سوچ میں ہیں بھلا کبھی نخل میں بھی ٹاٹ کا ہوند لگا رکھا ہے امی ایسے پر سکون ہیں جیسے ساری دنیا فتح کر لی ہو کوئی مجھ سے پوچھے کہ میری جان کن غذاؤں میں ہے۔“ کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھتے وہ ایک دم سسک اٹھی۔

”اور وہ دریا اس کی باتیں کس کس چیز کو نظر انداز کر دے۔“ اس کی آنکھوں میں نمی سی آنکھ پری۔

اسے پتہ نہ تھا کہ مصطفیٰ کا فیصلہ کن انداز یا تو نے لگا۔ شہوار کی بے قراریاں ایک دم بڑھنے لگیں۔

”آخر امی جہاں کیوں نہیں دیتیں کہ میرا اصل کیا ہے کون ہوں میں، مجھے یقین ہے وہ سب جانتی ہیں نہ جانے کون سی مصلحت انہیں زبان کھولنے سے روک دیتی ہے۔“ وہ اضطراب سے کھڑکی بند کرتے کمرے میں ٹپکنے لگی۔

”اور اب یہ بنیادیں سر ہایا ز پولیس کسٹڈی میں تھا تو کتنا سکون تھا کم از کم اس کی طرف سے تو کوئی خوف نہ تھا اور اب اس کی وجہ سے مصطفیٰ کو بھی جھیلنا پڑے گا۔“ دوبارہ بستر پر آ کر بیٹھتے موبائل کو گھورتے اس نے سوچا، میں صبح امی سے حتمی بات کروں گی۔ مجھے یہ اُلت کی زندگی منظور نہیں میں عزت کی زندگی جینا چاہتی ہوں چاہے کسی انجونیئرنگ میں ہی کیوں نہ ہو، ایک آخری اور حتمی بات ہوگی اب امی سے۔ ورنہ پھر میں بھی بھول جاؤں گی کہ میرا ”ماں“ جیسا کوئی رشتہ موجود تھا۔“ اس نے بہت جذباتی ہوتے ایک حتمی اور فیصلہ کن سوچ پر خود کو کاربند کرتے گہرا سانس لیا تھا۔



اگلے دن وہ سارا وقت تابندہ بوا سے بات کرنے کا وقت ڈھونڈتی رہی مگر بوا سے کسی بھی وقت تہانہ ملیں عصر کے وقت وہ نماز پڑھ کر ڈاؤن ٹیبل آئیں تو شہوار بھی فوراً نہ آئیں۔

”امی مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ تابندہ بوا نے اس کے بہت دو ٹوک انداز کو دیکھا اٹھ اٹھ اور فیصلہ کن انداز تھا۔

”بیٹھو۔“ وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

”مہر النساء! امی نے آپ سے مصطفیٰ کی بات کی ہوگی؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوا نے گہرا سانس لیا۔

”ہاں کی نہیں۔“

”تو پھر آپ نے کیا کہا؟“

”نکاح ہو چکا ہے تم سب ان کی امانت ہو میں بھلا کیا کہتی؟“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے سب سے پہلے لے لیا۔

”میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کہہ دی۔“ وہ ایک دم شدید غم و غصے سے گویا ہوئی تھی۔

”ہاں اس کے باوجود میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جاؤ، زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں میں اس نکاح کو لگا کر نہیں چاہتی۔“ تابندہ کا صاف اور سنجیدہ انداز تھا۔

”اور وہ جو میرے کچھ ذاتی مفادات تھے ان کے بارے میں ناپ نے پہلے سوچا اور نہ ہی اب۔“ امی میں آپ کو واضح کہہ چکی ہوں کہ میں یہ شادی نہیں کرتی۔“

”شہوار یہ خواہناؤ کی ضد چھوڑو جو ہورہا ہے اسے اس کی مصلحت سمجھ کر قبول کر لو جب کسی کو ہمارے ماضی وغیرہ سے کوئی

لیا دیکھا نہیں تو پھر کیوں بار بار اس کے لئے الجھا رہی ہو۔

”میں الجھا نہیں رہی بلکہ بعد میں آنے والے مسائل سے بچنا چاہ رہی ہوں۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں ساری زندگی ایک کپیلکس کے ساتھ گزاروں، ہمیشہ سر ہنکا کر لوگوں کے طنز و حقارت سہہ کر۔“ وہ ایک دم جذباتی ہوئی۔

”یہ سب تمہارے مفروضے ہیں یہ لوگ تمہیں بہت محبت سے اپنا رہے ہیں۔“ شہوار نے لب و لہجہ سے تلمذ کیا۔

”تو آپ نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا ہے۔“ وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم مصطفیٰ کی بیوی ہو وہ چاہے تو اسی وقت آ کر لے جاسکتا ہے اصل بات تو نکاح ہوتا ہے باقی سب تو محض قدریں ہیں۔“

”یہ نکاح بھی محض آپ کی ضد کی وجہ سے ہوا تھا۔“ اس نے سختی سے کہا تو شہوار نے اسے ایک تیز جواب دیا۔

”تمہارا باپ تو بہت صابر اور قناعت پسند انسان تھا بحث اس کی عادت نہیں تھی بجائے تم کسی پر پٹی تھی۔“ شہوار نے بغور تابندہ دیکھا وہ اس کے باپ کی بات کر رہی تھیں۔

”میرے باپ کا مرضی کیا تھا؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوانے اسے دیکھا۔

”وہی سچ ہے جو تمہیں بار بار بتا چکی ہوں۔“ شہوار نے لب و لہجہ سے تلمذ کیا۔

”آپ مہر النساء آنٹی کو انکار کر دیں میں یہ رخصتی نہیں چاہتی۔ میں آپ سے ہی بات کرنے کو مانی آئی ہوں سو بائل پر تو آپ مل نہیں رہی تھیں میرے انکار کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کہی تو پھر میں آپ سے ملنے بھی جاؤں گی۔ میں بھی سمجھ لوں گی کہ باپ اور خاندان کے ساتھ ساتھ میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر نرم آنکھیں لیے وہاں سے چلی گئی۔

”شہوار بات سنو۔۔۔ جیسا۔۔۔ شہوار۔۔۔“ تابندہ بوانے آواز میں دی گمرہ رکے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ تابندہ بوانے پریشان ہو کر سر تھاں کیا۔

”نبی نے کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ سمجھتی کیوں نہیں کہ میں بھی مجبور ہوں۔“



روشن اور احسن آج صبح ہی جتنی مومن کے لئے شمالی علاقہ طات کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ دونوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کی آفر کی مگر وہ سہولت سے انکار کر گئی تھی۔ شہوار گاؤں جا چکی تھی وہ بھی کانچ نہیں گئی تھی۔ سارا دن گھر میں تنہا بیٹھی بور ہوئی رہی۔

رات آٹھ بجے تک ولید کے علاوہ باقی سبھی گھر آ چکے تھے۔

اس نے ماسوں سے کہیں باہر چلنے کا کہا تو وہ فوراً من گئے تھے دونوں کا ارادہ باہر ڈنر کرنے کا بھی تھا۔ وہ دونوں تیار ہو کر باہر آئے تو ولید کی گاڑی بھی گیسٹ پر آ کر دی گئی۔ ڈرائیور گاڑی نکال رہا تھا دونوں کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

”آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟“

”انا بور ہو رہی تھی میں نے سوچا کہ کہیں آؤنگ پر چلیں ڈنر بھی ساتھ کر لیں گے۔“ ماسوں نے بتایا۔

”پچھلے دنوں انکل نہیں جا رہے کیا؟“ ولید نے پوچھا۔

”نہیں ماما اور پاپا گھر پر ہی ہیں۔ صرف میں اور ماسوں جا رہے ہیں اگر آپ کا سوڈ ہے تو آپ بھی ہمیں جوائن کر سکتے ہیں۔“ انے نے آفر کی۔

”ہاں ولید دیتا جاؤ تم بھی۔“ ضیا صاحب نے بھی کہا۔
 ”او کے پھر ایسا کریں آپ میری گاڑی میں آ جائیں۔“ ولید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو انا ایک دم خوش ہو گئی۔
 دونوں ولید کی گاڑی میں آ گئے تھے۔ بابا چھلی سیٹ پر اور انا فرنٹ برڈرائیو گاڑی واپس اندر لے گیا تھا۔
 ”آپ اگر فریش ہونا چاہتے ہیں تو ہم ویٹ کر لیتے ہیں۔“ انا نے مسکرا کر کہا تو ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
 ”میں ٹھیک ہوں، کہاں جانا ہے؟“ گاڑی اسٹارٹ کرتے ولید نے پوچھا۔ انا نے ماموں کو دیکھا۔
 ”مہلے تو نہ کریں گے پھر نہیں اور جہاں انا کہے گی۔“ ماموں نے کہا تو ولید نے انا کو دیکھا۔
 ”ڈرائیو کے لیے کہاں چلیں پھر؟“

”جہاں آپ کا سوڈ ہو۔“ اس نے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹے لے رکھا تھا ہونٹوں پر ہلکی سی لب اسٹک تھی پتک لباس میں کافی دل موہ لینے والا تاثر دے رہی تھی۔ ولید کی نگاہ اچھ پل کے لیے اس پر ساکت سی ہو گئی تھیں۔
 ”او کے۔“ ولید نے گاڑی روڈ پر ڈال دی۔

انا سی ڈیز دیکھنے لگی پھر ایک سائیکٹ کر کے اس نے پے کاٹن پش کر دیا تھا گاڑی میں گلوکار کی آواز گونجنے لگی تھی۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
 میری آواز نے مجھ کو آواز بنا ڈالا
 بڑا دلکش بڑا رنگین ہے یہ شہر کہتے ہیں
 یہاں پر ہیں ہزاروں گھر، گھروں میں لوگ رہتے ہیں
 مجھے اس شہر کی گلیوں کا بخارہ بنا ڈالا
 چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا

انے آواز دھکی کرتے ولید کو دیکھا۔

”لگتا ہے آپ کو یہ غزل بہت پسند ہے اکثر سنتے دکھائی دیتے ہیں۔“ اپنے دھیان میں ڈرائیو کرتے ولید نے چونک کر انا کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

”بابا کو یہ غزل بہت پسند تھی وہ استہ بہت سنتے ہیں ان کی دیکھا دکھیں مجھے بھی اچھی لگنے لگی۔“ انا نے بیک ویو مرر سے ماموں کو دیکھا وہ بھی ہلکا سا مسکرائے تھے۔

”ویسے شروع شروع میں میں بہت حیران ہوئی تھی کہ پورا امریکن ماحول میں پروڈش پانے والوں کو اردو کلاسنگل غزل سننا پسند ہے۔“ انا نے کہا تو ماموں نے دیکھا۔

”بالکل اپنے ملک اس کی زبان اور اس کے لٹریچر کی تو اور ہی بات ہے ایک عرصہ باہر گزار دیا مگر یہاں کی بر چیز کو بہت پس کیا ہمارے۔“ ماموں نے کہا۔

”بابا کے پاس بہت اچھی اچھی غزلوں کا اسٹاک موجود ہے امریکہ میں بھی بہت سنتے تھے اب پاکستان میں آ کر تو مستانہ ہی کر دیا ہے۔“ ولید نے مسکراتے ہوئے بتایا تو انا نے دیکھا۔

”ویسے یہ غزل بہت ہی اچھی ہے آپ لوگوں کی دیکھا دکھیں لگتا ہے کہ میں بھی اس کی دیوانی ہو جاؤں گی۔“ انا نے آواز قدرے بلند کرتے کہا۔

ہی آغاز تھا میرا ہی انجام ہونا تھا
 مجھے برباد ہونا تھا مجھے ناکام ہونا تھا

مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

کانٹیک کی آواز نے ایک عجیب سا حیرت طاری کر دیا تھا۔

ہوٹل میں کافی گہما گہمی تھی، ولید کا رویہ اتنا خوشگوار تھا کہ انا کے دل میں موجود تمام دوسو سے اور خدشات کہیں جاسوئے تھے۔

"ہینو۔" وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب انا نے اس آواز پر چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ انا سے چند قدم کے فاصلے پر کاشفہ خٹری تھی جو مسکرا کر ولید کو دیکھ رہی تھی۔

"واؤ، امیزنگ..... واٹ آ سر پرائز.....!" وہ کہہ رہی تھی۔ انا کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا۔

"ہائے۔" ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیسی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا کاشفہ ٹیبل کے پاس آرکی تھی۔ انا نے ماسوں کو دیکھا وہ بھی کھانا ترک کیے لڑکی کو ہی دیکھ رہے تھے۔

"می فائن، ایڈ پو؟" وہ کافی بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی۔
"اللہ کا شکر ہے۔"

"آئیے بیٹھیں۔" کاشفہ نے نظریں ہٹا کر ضیا صاحبہ کو دیکھا ولید نے فوراً اتفاق کر دیا۔

"یہ میرے بابا ہیں اور یہ انا سے تو آپ مل چکی ہیں نا۔" کاشفہ نے سر ہلا کر ضیا صاحبہ کو دیکھا۔

"ہینو، اگل۔" انہوں نے بھی سر ہلادیا۔

"پلیز بیٹھیں۔" اس نے انا کی طرف دیکھا تو انا کو کہنا پڑا۔ ورت کاشفہ کو دیکھ کر اس کا ساما موڑ غارت ہو چکا تھا۔

"جینٹلس۔" وہ کرسی تھسٹ کر بیٹھ گئی ولید نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی تھی۔

"بابا ایک بار کاشفہ کا ایکسڈنٹ ہوا تھا تو میں نے ہسپتال کی کمیٹی سے ہماری سلام دعا ہو گئی۔" ضیا صاحبہ نے ولید

کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے بتایا۔ انہوں نے سر ہلایا جبکہ انا سر جھکائے اپنی پلیٹ کو گھومنے لگ گئی۔

"آپ شادی والے دن جلدی چلی گئی تھیں اور پھر ولید میں بھی نہیں آئیں۔" ولید نے کاشفہ سے پوچھا۔

"میں ایک کام تھا سونا سکی ویسے آپ کی سسٹر بہت پیاری لگ رہی تھی۔" دونوں کے درمیان کالی بے تکلفی تھی انا کا

دل چلنے لگا۔

"جینٹلس۔"

"آپ بھی کچھ لیں، بیٹا۔" بابا نے کہا۔

"جینٹلس، اگل، میں ادھر کچھ دوستوں کے ساتھ آئی ہوئی ہوں ولید کو دیکھا تو ادھر آ گئی ڈنران کے ساتھ ہی کروں

گی۔" کاشفہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اوکے ولید ناؤس ٹو میٹ یو ہی یو گین ہائے۔" وہ کہہ کر چلی گئی اور انا سلگتی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"کافی آزاد خیال گھر اس نے کی لڑکی لگتی ہے۔" ضیا صاحبہ نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"ہوں....." ولید نے انا کو دیکھا وہ خاموش تھی۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہاری اس سے دوستی کیسے ہوئی۔ مجھے تو یہ کسی بھی طرح سے تمہاری دوستی کے قابل نہیں لگی، اس سے بہتر تو کیسے تھی۔ غیر مسلم ضرور تھی مگر خفیہ کالی مہذب تھی۔" ضیا صاحب نے صاف کہا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

"بابا میری اس سے دوستی نہیں بس سنا ہوا ہے۔"

"نکمر اس لڑکی کے انداز سے کچھ اور ہی ظاہر ہو رہا تھا۔" انہوں نے کہا تو انانے سر اٹھا کر ولید کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

"لیووس بابا، جسٹ علیک سلپک ہے، ہینڈ ٹھنک مور۔"

"آج احسن کے بغیر کام کیسا رہا؟" ضیا صاحب نے بھی بات چلی۔ ولید ان کو آج کے دن کی تفصیل بتانے لگا تھا اور انانہ خاموشی سے پلیٹ میں موجود چاولوں سے کھیلتی رہی۔

"کیا بات ہے تم کچھ کھا نہیں رہی ہو۔" ضیا صاحب کی نظر اس کی پلیٹ پر پڑی تو انہوں نے نوکا اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"انہیں میں کھا رہی ہوں۔" حقیقت میں کاغذ کو کچھ کر تو اس کی ساری بھوک ہی مر گئی تھی۔

نجانے کیوں اسے پہلی نظر سے ہی لڑکی اچھی نہ لگی تھی۔ اوپر سے اس کا بے پناہ احسن۔

"تم نے کچھ اور تو لیا نہیں، یہ ڈش آپشنل تمہارے لیے ہی منگوائی گئی تھی نے۔" فرائیڈ فز کی ڈش انانہ کے سامنے کرپتے ولید نے نوکا تو اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"دھنکس۔" فز کا ایک چھوٹا سا چیس اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے وہ کھانے لگی۔

"کیا بات ہے جینا، چپ کیوں ہو بول کیوں نہیں رہی؟" کھانا کھاتے ضیا صاحب کو اس کی خاموشی محسوس ہوئی تو کہا۔

"کیا یوں آپ دونوں تو اپنی باتیں کر رہے ہیں میں بھلا اس میں کیا بات کروں۔" اس وقت اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا جی نہیں کر رہا تھا۔

"آج سارا دن احسن اور روشی کے جانے کے بعد سے یہ ہو رہی رہی ہے اس کا موڈ بدلنے کو میں اسے لے کر باہر آیا تھا مگر کوئی خاص فرق نہیں لگ رہا۔" ماموں نے ولید کو بتاتے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں ٹھیک ہوں ماموں جان۔" ولید نے کھانا کھاتے اسے بھی دیکھا۔

پنک لباس میں ہلکی سی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگی ہوئی تھی، بہت خاص اہتمام یہ تھا مگر وہ کافی انریکٹو لگ رہی تھی۔ دوپٹا سر پر موجود تھا اس نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ انانہ باہر آتے جاتے چادر یا دوپٹا کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس وقت بھی باتیں ہاتھ سے پلو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔

"آج مصطفیٰ کی کال آئی تھی۔ وہ روشی احسن اور ہمیں ڈنر پر انوائٹ کر رہا تھا۔" ولید نے بتایا تو اس نے چونک کر دیکھا۔

"پھر۔" ضیا صاحب نے پوچھا۔

"میں نے کہہ دیا کہ فی الحال تو دونوں گھومنے پھرنے نکل گئے ہیں واپس آئیں گے تو دیکھیں گے۔"

"آپ نے مصطفیٰ بھائی کا گھر دیکھا ہے آئی میں بھی گئے ہیں۔" انانہ نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں، ابھی اتنا قریب نہیں ہوا۔"

"بہت پیارا گھر ہے ان کا مگر جب ان لوگوں سے ملیں تو ذرا بھی امارت وغیرہ نہیں کرتے۔" مصطفیٰ بھائی کی والدہ بہت ہی مانس خاتون ہیں روشی کو شادی پر تولد کی جیولری انٹ کی تھی۔ انانہ نے ماموں کو بتایا۔

”مصطفیٰ کے دونوں بھائی اور دادا سے تو میں بھی ملا ہوں اچھے لوگ تھے۔“ ضیاماموں نے سرسری سا کہا۔
 ”ویسے مصطفیٰ کے دادا کافی پرہیزگار شخصیت کے مالک تھے مجھے۔“ ضیاماموں نے اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔

”ہاں سنجیدہ سنجیدہ اور کچھ کھوج رکھنے والا مزاج لگا تھا مجھے بھی۔“ ولید نے دیر کو مل لائے کو کہا۔ وہ لوگ مل پے کر کے باہر آ گئے۔

”اب کہاں جاتا ہے؟“ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ولید نے اما کے پاس رک کر پوچھا تھا ماموں دروازہ کھول کر بیٹھ چکے تھے۔

”گھر چلتے ہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔

”سوڈ کچھ بدلا بدلہ لاسا لگ رہا ہے۔“ دھیسے سے کہا تو اس نے جھجک کر ولید کو دیکھا وہ متوجہ تھا سبجانے آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ بے اختیار پلکیں گرائی تھیں۔

”غلط نہیں بتا آپ کی؟“ دھیسے سے کہہ کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو ولید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
 اما نے گھبرا کر ماموں کو دیکھا وہ ادھر متوجہ نہیں تھے وہ باہر کی طرف دیکھ رہے تھے اما نے جلدی سے ہاتھ پیچ لیا تھا۔
 ”میں بھی دروازہ کھولنے لگا تھا۔“ ولید کہہ کر دروازہ کھولتے اس کے پاس سے بیٹھ کر دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ پیشگی تو ولید نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اما فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے ابٹیں گھور رہی تھیں۔ ولید نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر گاڑی پارکنگ سے نکال لی تھی۔



اسے حوصلے آئے دورا میں گزر چکی تھیں۔ تابندہ بوا سے اس کا رویہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔ وہ ان سے بات نہیں کر رہی تھی۔ اپنا سوا بال بھی اس نے بند کر رکھا تھا اور شہر سے آنے والی وہ کوئی کال بھی نہیں سن رہی تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی خود سے اور اپنی سوچوں سے لڑتے لڑتے آگیا گئی تو بابا صاحب کے کمرے میں چلی آئی مگر وہ کمرے میں موجود نہ تھے۔

”تجائے کدھر گئے ابھی تو حویلی میں ہی تھے۔“ اس نے ارد گرد دیکھا۔ ہاتھ روک کر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔
 وہ یونین ان کی سائیڈ دہانہ میں رہی راغداد کتابوں کے پاس آ رہی۔ بابا صاحب کو کتابوں کا بہت شوق تھا وہ اکثر مطالعہ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ شیور نے سب سے پہلی کتاب اٹھالی۔

”زویہ..... اشتقاق احمد۔“ اس نے یونین کھڑے کھڑے کتاب کا نال دیکھا اور پھر کتاب لے کر کرسی پر آ بیٹھی تھی۔
 اس نے جیسے ہی کتاب کھولی تب ہی کوئی چیز گری تھی شہوار نے کتاب سے نظر ہٹا کر دیکھا یہ کوئی تصویر تھی۔ وہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

”چار پانچ سال کے کسی بچے کی بہت پیاری تصویر تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ کافی پرانی لگ رہی تھی۔
 یہ کون ہو سکتا ہے بھلا؟ وہ خود سے تصویر کو دیکھنے لگی۔ اسے بچے کے نقوش ہاتھ انوس سے لمس ہوئے۔
 ”یہاں میں نے اس بچے کو نہیں دیکھا ہے؟“ وہ تصویر کو خود سے سوچ رہی تھی کہ بابا صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بابا صاحب اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

”یہ.....!“ کچھ لمحوں بعد شہوار کے سامنے آ کے تھے۔ شہوار کھڑی ہو گئی تھی۔
 ”یہ تصویر اس کتاب میں تھی یہ کون ہیں بابا صاحب؟“ تصویر ان کے سامنے کر کے اس نے پوچھا تو بابا صاحب نے تصویر اس کے ہاتھ سے تیزی سے لے لی تھی۔

”چنانچہ میں یہ کتاب میرے کسی دوست کی تھی تو تصویر بھی اس کے اندر ہی تھی کسی دن واپس بچھوا دوں گا بھلا میرے کس کام کی۔“ انہوں نے تصویر آگے بڑھ کر الماری میں رکھ دی تھی۔ شہوار مسکرا دی۔

”چنانچہ میں کیوں مجھے ایسا لگا کہ میں اس بچے کو دیکھ چکی ہوں مگر یہ تو کافی پرانی لگ رہی ہے۔ بلیک اینڈ وائٹ ہے۔“

”کہاں دیکھا آپ نے اس بچے کو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”چنانچہ میں یاد نہیں ذرا باہر ایسے لگا کہ کہیں دیکھا ہے ہو سکتا ہے میرا وہم ہو۔“ شہوار نے سادگی سے کہا تو بابا صاحب سر ہلا کر بستر پر تنگ گئے۔

”میں یورپور ہی تھی تو سوچا کہ آپ سے ہی پائیں کر لوں۔“ شہوار نے کہا۔

”میں تھک گیا ہوں بیٹا انجی پچھو دیر لیٹوں گا آپ شام کو تیار رہنا مل کر باہر چہل قدمی کرنے چلیں گے۔“ انہوں نے کہا تو شہوار نے فوراً سر ہلا دیا۔

”کیوں نہیں آپ آرام کر لیں پھر۔“ شہوار کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی بابا صاحب نے دلبرداشتہ انداز میں اسے کمرے سے باہر جانے دیکھا تھا۔



آج بارہ پہنچی پر تھی سو وہ خود ہی آگئی تھی اور اب واپسی پر خود ہی جاتا تھا وہ آفس سے نکلی تو مین روڈ پر آگئی ارادہ تھا کہ یہاں سے کوئی لوکل کنوینس لے گی جو اسے اس کے روڈ تک ڈراپ کر دے۔ وہ ڈوشمن منٹ کھڑی رہی تھی جب سیاہ کرولا اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

”ہائے۔“ عادلہ نے شیشہ نیچے کرتے کہا تو وہ متوجہ ہو گئی۔

”آپ ادھر؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں ادھر سے گزر رہی تھی تمہیں دیکھا تو رک گئی سواری گاؤٹ کر دی ہوں۔“

”جی۔“ وہ جو سوچے بیٹھی تھی کہ اب وہ اس عورت کو نہیں سوچے گی مگر اسے دیکھ کر پھر بات کرنا پڑ رہی تھی۔

”آؤ بیٹھو میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ عادلہ نے آفر کی۔

”نہیں میں چلی جاؤں گی۔“

”تم آؤں یا تم باویہ کے ساتھ آؤں گی جاتی ہو اوتا گے تم رکش لے کر اپنے گھر جاتی ہو، مجھے تمہاری روٹین کا علم ہے پلیز بیٹھو۔“ دروازہ کھولی کروا اسرار کر رہی تھی۔ رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔

”ہیشس تم آؤں یا۔“ وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”تمہارا نمبر آج کل بند جا رہا ہے؟“ کچھ دیر بعد عادلہ نے پوچھا تو وہ چونکی اس نے عادلہ سے بچنے کے لیے اپنا نمبر

بند کیا ہوا تھا۔

”جی موبائل خراب ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”جواب کسی جا رہی ہے۔“ عادلہ نے اگلا سوال کیا۔

”گھر۔“ عادلہ نے اسے بخور دیکھا۔ وہ سامنے وٹا سکر بن کر گھور رہی تھی۔

”اوکے اور تمہارے وہ عباس صاحب۔“ رابعہ نے عادلہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

”مطلب میں کچھ نہیں؟“

”مطلب یہ کہ وہ کیسے چرہ تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں انہیں علم تو نہیں ہوا کہ میں تم سے ملتی ہوں۔“ عادلہ پوچھ رہی تھی۔

”جی نہیں، اگر آپ مجھ سے ملتی ہیں تو بھلا اس بات سے انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ سنجیدگی سے عادلہ کو دیکھتے اس نے پوچھا۔

”تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ کس قدر شراب انسان ہے۔ اسے کبھی مت بتانا کہ تم مجھ سے ملتی ہو۔ ورنہ تمہاری طرف سے بھی مشکوک ہو جائے گا۔“ رابعہ حیران ہوئی۔

”میری طرف سے کیوں؟“

”وہ سمجھے گا کہ میں تم کو ان لوگوں کی طرف سے بدظن کر رہی ہوں۔“ چہرے پر لاچارگی کے تاثرات لاتے عادلہ نے کہا۔

”کیا آپ واقعی مجھے بدظن کر رہی ہیں۔“ رابعہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ وہ اسے بغور دیکھنے لگ گئی تھی۔ رابعہ نے کندھے اچکا دیے۔

”آئی ایم ٹوئی کنفیوڈ، میری آپ سے کئی ملاقات جن حالات میں ہوئی اور آپ کا جو بھی رویہ تھا اس کو سوچوں تو مجھے آپ پر بالکل بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ تمہارے پکی کہانی سنوں تو آپ پر ترس آتا ہے اور جب لوگوں سے آپ اور عباس سر لوگوں کے ریلیشنز کے سنوں تو کنفیوڈ ہو جاتی ہوں کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟“ رابعہ نے صاف گویا سے کہہ دیا۔

”تمہیں لگتا ہے کہ میں جھوٹ بولتی ہوں، ایک ماں اپنے بچے کے معاملے میں بھلا کیسے جھوٹ بول سکتی ہے۔ میں تڑپ رہی ہوں اپنے بچے سے شے کے لیے مگر وہ لوگ ملنے نہیں دیتے۔“ وہ ایک سائنڈ میں گاڑی روک کر روئے لگی۔ رابعہ نے الجھ کر اسے دیکھا وہ ٹشو سے آنکھیں غسل رہی تھی۔

”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں مگر ایسی صورت حال میں ایک ہی سلوشن ہے کہ آپ کورٹ میں جائیں اور کیس وہاں کرویں اسے چھوٹے بچے اور ایک ماں کو اس سے دور کیسے رکھ سکتے ہیں۔“

”میں نہیں کر سکتی۔ میرے بھائی کو حالات میں بند کر دیا ہوا ہے ان لوگوں نے اور جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں بلکہ میرا حق میرا اور میرے تمام مکمل ہوائی گنی پراپرٹی پر بھی قبضہ کیا ہوا ہے۔“ عادلہ کے رونے میں تیزی آ گئی تھی۔

رابعہ نے بے بسی سے دھچکتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟

”تم میری ایک ہیلپ کر سکتی ہو؟“ ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے عادلہ نے کہا۔

”جی کیسے۔“

”تم عباس کے کٹافس میں کام کرتی ہو تم اس سے چند سادہ پیپرز پر سگنچرز لے کر مجھے دے سکتی ہو کیا؟“ عادلہ نے کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا۔

”کیا مطلب کیسے پیپرز۔“

”کچھ بلینک پیپر ہوں گے بس ان پر دستخط لینے ہیں جو کہ میں عباس کے خلاف اپنے بیٹے کو بازیاں کرانے کے لیے استعمال کر سکتی ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔ میں ان کی دہکر ہوں جو بھی ایشوز ہیں آپ دونوں کے درمیان ہیں میں آپ لوگوں کے کسی بھی معاملے میں انوائوڈ نہیں ہونا چاہتی۔ ایم سوئی۔“ رابعہ نے ایک دم سختی سے انکار کیا۔ عادلہ نے سپاٹ تاثرات سے استہدایکھا۔

”انکار کرنے سے پہلے ایک بار اچھی طرح سوچ لو تم جتنی بھی ڈیمانڈ کر دو گی میں دوں گی۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میں تمہیں کس قدر خوش کر سکتی ہوں۔“ عادلہ کی ٹون سی بدل گئی تھی رابعہ حیران رہ گئی۔ رابعہ نے عادلہ کو بغور دیکھا اسے چند ہی منٹ پہلے اسے عورت کو سمجھنے میں۔

”آہم سوری۔“ وہ کہہ کر اپنا بیگ سنبھالتی گاڑی سے اترنے لگی۔

”رکو.....“ عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”مجھے نہیں علم کہ آپ کے کیا ارادے ہیں مگر یہ بات فائل ہے کہ میں آپ کے کسی بھی پلان میں آپ کی معاون نہیں بن سکتی۔“ رابعہ کا انداز سخت تھا۔

”او کے، مگر ایک بات سن لو، میں تمہارے گھر گئی اس کے بعد فون پر بھی ہماری بات چیت ہوتی رہی اور اب اس گاڑی میں بھی ایک کیمرہ فٹ ہے جس میں تمہاری ویڈیو لی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری آواز بھی سیف ہے میرے پاس۔ نیکینا لورڈی نے بہت ترقی کر لی ہے اگر تم میری آفر نہیں مانو گی تو سوچ لو اس ویڈیو کو کس طرح استعمال کروا سکتی ہوں۔“ عادلہ نے پتھر پٹے لہجے میں کہا تو رابعہ ساکت رہ گئی۔

”آپ مجھے بلیک سیل کر رہی ہیں؟“

”نہیں تمہارے ساٹکار کے بعد کی پتویشن کا تہہ نہی ہوں۔“ عادلہ نے بہت ہی مطمئن اور پرسکون لہجے میں کہا تو رابعہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”گھبراؤ نہیں اگر تم میرا کام کرو گی تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھو تم تو مجھ پر اب احسان کرو گی۔ ایک ترقی پاتی ماما کی مادی ماں سے اس کے بچے کو ملوانا بھی تو ثواب کا کام ہے نا۔“ عادلہ نے کہا تو رابعہ نے غصہ سے اس کا ہاتھ ہتھک دیا اور وہ بغیر کچھ کہے گاڑی سے نکل گئی۔

”میں پھر رابطہ کروں گی بہت اچھی طرح سوچ کر جواب دینگے۔“ پیچھے سے عادلہ نے اوپری آواز میں کہا۔ رابعہ بغیر مڑنے اور دیکھتے تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔



وہ بابا صاحب کے ہمراہ باہر کھیتوں کی طرف پہل قدمی کرنے چلی آئی تھی۔ کافی عرصہ بعد یوں گھومنا اسے بڑا اچھا لگا۔ دل و دماغ میں جو ایک کشمکش چل رہی تھی وہ سب بھٹا کر بابا صاحب کے ساتھ تھی۔

مغرب کی نماز بابا صاحب مسجد میں پڑھتے چلے گئے۔ مسجد کے ساتھ والا گھر امام مسجد کا تھا ان کی بیٹی زبیرہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔ وہ ان کے ہاں چلی آئی۔ مغرب کی نماز اس نے ان کی فیملی کے ساتھ ہی پڑھی اور پھر مغرب کے بعد بابا صاحب کا حویلی چلنے کا پیغام آیا تو زبیرہ نے اسے روک لیا۔ بابا صاحب واپس حویلی چلے گئے تھے۔

رات کا کھانا اس نے زبیرہ کے ساتھ اس کے گھر میں ہی کھایا تھا کھانے کے بعد وہ اور زبیرہ ان کے صحن میں شہلی رہی تھیں۔

نوبے تو شہوار کو واپسی کا خیال آیا مولوی صاحب اور زبیرہ اسے خود چھوڑنے آئے تھے ابھی وہ قیوں حویلی سے دور تھے جب عقب سے آئی گاڑی کا ہارن سن کر رک گئے۔

”یہ کون آ گیا؟“ اندھیرے میں انہوں نے گاڑی کی جلتی ہیڈ لائٹس کو گھورا۔ گاڑی کا ہارن دوبارہ گونجا تو شہوار چونک گئی۔

یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی گاڑی میں ان کے پاس آ کر رک گئی۔ مصطفیٰ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

مصطفیٰ مولوی صاحب سے سلام دے کر نے لگا تو شہوار نے چہرے کا رخ بدلا۔ وہ مصطفیٰ کو اس وقت یہاں دیکھ کر حیران تھی۔

”شہوار بچی بھرے یہاں آئی ہوئی تھی تو ہم دونوں باپ بیٹی چھوڑنے جا رہے تھے۔“ مولوی صاحب کی آواز سنائی

دی تھی۔
 ”آئیں گاڑی میں بیٹھیں میں حویلی چارہ ہوں۔“
 ”نہیں باب ہم چلتے ہیں شہوار بنی اپنے ساتھ لے جائیں۔“ مولوی صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلادیا۔
 ”اے مصطفیٰ بھائی آگئے ہیں میرا خیال ہے تمہیں لینے ہی آئے ہیں تم ان کے ساتھ جاؤ تب۔“ زبیدہ نے شرارت سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

”بیٹھیں۔“ وہ دونوں واپس چلے گئے تو مصطفیٰ نے گاڑی میں بیٹھ کر فرنیٹ ڈور کھولا تو وہ خاموشی سے بیٹھنے لگی چادر کا پلو اس کے چہرے کے گرد مسلسل لپیٹا ہوا تھا۔

”رات کے اس وقت کسی کے ہاں جانے اور واپس آنے کا کوئی معقول ٹائم نہیں ہے۔“ مصطفیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

”میں بابا صاحب کے ساتھ تھی ان کی اجازت سے پھر کی تھی۔“ مصطفیٰ کی ناگواری پر اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔
 مصطفیٰ نے گاڑی کی ہلکی سی روشنی میں دیکھا چادر کا پلو منہ کے آگے کیے وہ بڑی بے زاری بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ پھر خاموش ہی رہا تھا۔ حویلی پہنچ کر وہ فوراً گاڑی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔

”بہت دیر لگا دی آنے میں، میں تاج کو بھیجنے ہی والی تھی لینے کو۔ کس کے ساتھ واپس آئی ہو؟“ تابندہ بولا دھڑکے دھڑکے
 ٹھہر رہی تھیں فکر مندی لہجے سے عیاں تھیں وہ خاموشی سے جواب دیے بغیر آگے بڑھی تھی۔
 ”کھانا تو کھا لو۔“ انہوں نے کہا۔

”میں کھا چکی ہوں۔ کمرے میں جا رہی ہوں اب کوئی دسترب نہ کرے پلیز۔“ وہ تیزی سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



”کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔“ وہ رات کے دس بجے صحن میں چکر لگا رہی تھی ابھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ عادلہ اور اس کی باتوں کو نے کر پریشان تھی کتا رام و سکون سے سوچ کر اس نئی افتاد کا خصل نکالنے کی فکر میں وقت پر فیضان ماموں آگئے تھے۔

”کچھ نہیں ماموں جان بس ویسے ہی بیٹھ نہیں آ رہی تھی تو ادھر آ گئی۔“ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔
 ”غیر کیوں نہیں آ رہی۔“

”بس ویسے ہی۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”جواب ٹھیک چل رہی ہے۔“ ماموں نے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہو گئی جی چاہا کہ وہ ان کو سب کچھ دے مگر پھر ناں لگئی۔
 ”جی۔“

”آج سہیل سے بات ہوئی تھی میری اس کا دوست اب ٹھیک ہے وہ چند دنوں میں پاکستان آ رہا ہے ہمارے ہاں رکے گا۔“ ماموں بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ رابعہ نے چونک کر ماموں کو دیکھا۔
 ”ہمارے یہاں۔۔۔؟“

”ہوں۔“ ماموں نے سر ہلادیا۔

”اماں مان گئیں۔“ اس نے ماموں کو بخوردیکھا کچھ سوچتا انداز تھا۔

”ہاں بلکہ سہیل نے ماں سے ایک اور بات کی تھی۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے سہیل چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ اسے اچھی

طرز و کلی اور پرکھ لیں اگر ہم مطمئن ہو جاتے ہیں تو وہ تمہارے رشتے کی اس سے بات کرے گا۔ ابو بکر تنہا ہے والدین اور بہن بھائی نہیں ہیں۔ چھپنے چار سال سے باہر تھا کافی کچھ کمایا ہے اب پاکستان میں سٹل ہونا چاہتا ہے۔" ماموں نے بتایا تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہیں اس لیے سب بتا رہا ہوں کہ تمہاری زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہونے جا رہا ہے تم ابو بکر کو دیکھ پرکھ لینا۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق ہی فیصلہ ہونے دوں گا۔" ماموں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ سر جھٹکا گئی۔

شادی اور جیون ساتھی کے حوالے سے اس نے کئی لمبے چوڑے خواب میں دیکھ رکھے تھے۔ مگر پھر بھی ماموں کے الفاظ نے اس کے دل کو عجیب سا احساسات سے چھوا تھا۔

"رات کافی گہری ہو رہی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ۔ پھر صبح آفس بھی جاتا ہے۔" ماموں نے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ جو عادل کو لے کر پریشان تھی وقتی طور پر ذہن سے وہ بات نکل گئی تھی وہ اس بات کو لے کر بہت کچھ سوچنے لگ گئی تھی۔



کمرے میں آ کر اس نے نماز پڑھی اور پھر مصطفیٰ کے آنے کا سوچنے لگی کہ پتا نہیں وہ کیوں آیا ہے۔ وہ اندر ہی اندر ابھرتی رہی تھی۔ تمام لائٹس آف کیے بستر پر لیٹ گئی اور وہ مصطفیٰ، شادی اور شہزادی کی بھی چیز کو سوچنا نہیں چاہتی تھی وہ ہر بات کو ذہن سے جھٹکتے آ نکاحیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتی تھی۔

کچھ جتنی دیر تھیں اس نے عجیب کشمکش میں گزار دی تھیں کل کی ساری رات وہ سوئی نہیں تھی الہذاب نینت ہی وہ سوئی تھی۔ رات کا اٹھانے کو ن سا پہر تھا اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں اس نے اندازے سے سائیڈ لیسپ جلا کر چاہا مگر جل نہ پایا شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ کسی نے پوچھی ایس آن نہیں کیا تھا وہ بستر سے اتر کر سوچ بورد کے پاس آئی اپنی اسلی کو چیک کیا مگر لائٹ واقعی آف تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی تو ہلکی سی چاند کی روشنی سے کمرہ کی تاریکی ٹھہری تھی۔ اس نے بستر سے اٹھا دوپٹا اٹھا کر گلے میں لایا اور کچھ سوچتے ہوئے باہر آ گئی۔ باہر بھی ویسے ہی اندھیرا تھا اور وہ اپنے اندازے سے چل رہی تھی جب سادہ بازی سے گزرتے وہ کسی سخت چیز سے ٹکرائی۔

"اؤف۔" اس کی چیخ نکلی۔

وہ شاید کسی ستون سے ٹکرائی تھی یا بالی اور بیٹانی پر بری طرز چوٹ لگی تھی وہ اپنا سر تھما کر لرز مین پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے پاؤں تھما رہی تھی۔

"کون ہے..... ادھر..... کون ہے؟" مصطفیٰ کی آواز آئی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامے موبائل کی روشنی شہوار پر پڑی۔

شہوار نے سر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا مصطفیٰ اس کے پاس آ رہی تھی۔

"شہوار... کیا ہوا؟" کمرے میں پریشانی دیکھ کر پوچھا۔

"اٹھو کیا ہوا ہے؟" مصطفیٰ نے جھٹک کر اس کا بازو پکڑ کر اٹھا ناچا تو اس کے پاؤں سے نہیں اٹھی تھیں۔

"اؤف۔" وہ پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالی تو وہاں انگوٹھے کے ناخن سے بلیڈنگ ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے، کیسے لگی چوٹ؟" وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نیلے پاؤں ہی کمرے سے نکلتی تھی۔

"پتا نہیں۔" شیوہار نے ہنسنے لگا اور اپنا دایہ ناخن پر رکھ دیا۔ ایک تو درو کی وجہ سے دوسرا مصطفیٰ کے سامنے کی وجہ سے وہ سخت ہنسنے لگا رہا تھا۔

"اچھا! نہیں تو سہی، اس طرح بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا کوئی چیز لگائیں زخم کے اوپر۔" مصطفیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگا۔ مصطفیٰ نے دوسرا بازو تھام کر سہارا دیا۔

"میں چلی سکتی ہوں اب اتنا بھی گہرا زخم نہیں ہے۔" مصطفیٰ کے وجود سے پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی۔ اندھیرے اور اس قربت کے عالم میں ایک دم کشیدہ ہو کر اس نے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

مصطفیٰ نے دیکھا وہ پاؤں کے زخم کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ اندر آ کر بستر پر بیٹھ گئی اور بستر پر پاؤں رکھ کر اس نے دیکھنا چاہا۔

"زخم کیسے ہے؟" مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالتے پوچھا۔

"اندھیرے میں پتا نہیں چلا اور رابدراری کے ستون سے ٹکرائی۔" وہ سر جھکانے اپنے زخم کا جائزہ لے رہی تھی۔

انگوٹھے کا ناخن تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے جینڈنگ ہو رہی تھی۔

"یہ زخم صاف کریں۔" مصطفیٰ نے جیب سے رومال نکال کر تھپایا تو شیوہار نے خاموشی سے لے کر ناخن صاف کیا۔

"بینڈیج کا سامان تو ہوگا حویلی میں۔"

"ہوں۔۔۔۔۔ ناخن کی کسی دراز میں ہوگا فرسٹ ایڈ باکس۔"

"میں لے آتا ہوں۔"

مصطفیٰ کبہ کر چلا گیا تھا موبائل بھی ساتھ لے گیا تھا کمرے میں پھر اندھیرا چھا گیا تھا صرف کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی تھی۔ شیوہار نے اپنی پیشانی مسلی، وہاں ملکا سا ابھرا محسوس ہوا۔

"اب یہی مصیبت کیا ضرورت تھی مجھے کمرے سے نکلنے کی بجائے کیا وقت ہوا ہے اور یہ بھی ابھی تک جاگ رہے ہیں۔" وہ خود کو کوستے لگی تو مصطفیٰ باکس لے جا واپس آ گیا۔

"مصطفیٰ نے اسے باکس تھمھایا تو اس نے خاموشی سے لے لیا اور ڈائیول نکال کر روئی کی مدد سے پہلے خون صاف کیا پھر پچا یا ندھلی۔" مصطفیٰ قریب ہی موبائل لیے کھڑا رہا تھا۔

"زیادہ گہرا زخم تو نہیں۔" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ماٹم کیا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"دو بج رہے ہیں۔"

"آپ سوئے نہیں۔" مصطفیٰ کو اسی طرح کھڑے ہو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"نہیں ایک کال تھی وہ سن رہا تھا جب تمہاری چیخ پر متوجہ ہوا تھا میں باہر رابدراری میں ہی ٹھہر رہا تھا اس وقت۔" وہ خاموش ہوئی مگر مصطفیٰ اس کے قریب سے نہ لڑکھڑائی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ شیوہار اس کی یہاں موجودگی سے الجھن ہونے لگی۔

"آپ حویلی کیسے آئے؟" مصطفیٰ نیز خاموشی سے گھبرا کر شیوہار نے پوچھا۔

"میں ایک کام سے یہاں نذر کی ملاقات میں آیا تھا واپسی پر کال آئی کہ تمہیں بھی لیتا آؤں، سو ابھر چلا آیا صبح انگلیں کے ہم نچھوڑتے ہیں ایک دو جگہ دسنا بھی ہے۔" شیوہار خاموش ہوئی بھی کچھ بولی بار کی طرح وہ مصطفیٰ کے ساتھ جاتے

یا واپس شہر جانے سے انکار نہ کر پائی تھی۔

”آپ کو نیند نہیں آ رہی؟“ وہ اسے اسی طرح کھڑکی کے پاس جسدیکھ کر پوچھ بیٹھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

موبائل کی ہلکی سی روشنی کچھ واضح نہ کر پائی تھی۔

”کیوں نہیں نیند آ رہی ہے؟“

”ہاں۔“ شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔

”باہر کیا لینے گئی تھیں؟“ وہ اب اس کے قریب آ کر اہوا تو شہوار کے غدد خال واضح ہو گئے تھے۔

”مجھے پاس لگتی تھی۔“

”موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔“

”صبح کس وقت نکلتا ہے۔“ مصطفیٰ کے سوال کا جواب دیے بغیر اس نے پوچھا۔

”پانچ بجے بتایا نہیں کہ موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔“

”یہاں آ کر موبائل کی کچھ خاص ضرورت محسوس نہ کی تھی تو دراز میں ڈال دیا تھا شاید بیٹری آف ہو گئی ہوگی۔“

مصطفیٰ نے چند لمحوں کے بعد دیکھا اور پھر اس کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گیا تو شہوار ایک دم گھبرا گئی مگر مدہم سی روشنی میں مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ نہ دیکھ پایا تھا۔

”مجھے نیند آ رہی ہے میں سوئے گئی ہوں۔“ اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا جب مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اس کے حرکت کرتے وجود کو ساکن کر دیا تھا۔

”مگر مجھے تو نیند نہیں آ رہی۔ ویسے بھی پانچ بجے نکلتا ہے تو اس وقت سو نہیں گی تو وقت پر اٹھ نہیں پائیں گی۔“ مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ ایک دم پلپٹ کر اٹھ گئی تھی۔

”میں اٹھ جاؤں گی۔ ڈونٹ وری۔“ وہ مصطفیٰ کا بازو ہٹا کر دوسری طرف ہو کر لیٹ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ سرتک چادر تان چکی تھی۔

”مگر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ نورات کا فسوں تھا یا کیا تھا مصطفیٰ پر جذبات کا اثر ہو رہا تھا یا اپنے رشتے کا وہ ایک دم کہہ گیا تھا۔

”آپ کے ساتھ جا تو رہی ہوں جو بھی کہنا ہے صبح کہہ لیجیے گا۔“ شہوار نے چادر ہٹائے بغیر کہا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔

”وہ موبائل کی مدہم سی روشنی میں اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ شہوار اس سے گھبرا رہی ہے۔ ورنہ اس کی موبائلی میں اس کو نیند تو کبھی بھی نہیں آنے والی تھی۔

”اوکے..... صبح وقت پر باہر آ جائیے گا ہمیں جلدی نکلتا ہے۔“ مصطفیٰ کہہ کر پلٹ گیا اور جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کر گیا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی شہوار نے سر سے چادر ہٹا کر دیکھا تو کمرے میں پھر سے تاریکی پھیل گئی بس کھڑکی سے در آنے والی ہلکی سی روشنی تھی۔

”اف تو ب..... نہیں آج ہو کیا رہا تھا اور میں بھی کتنی پریشان ہو رہی تھی۔“ وہ اندھیرے میں چہرے کو گھورتے خود کو کوستے گئی۔

”کیا میں خود بھی اس رشتے کے ذریعہ آ رہی ہوں۔ قبول کر رہی ہوں اس کو.....؟“ اس نے بہت لمبے لمبے خود کو ٹوٹا لٹا چاہا۔ مگر اس کے اندر تو ایک گہرا سناٹا تھا جس دل کے دھڑکنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ شہوار نے لب بچھینچ

کرا نکھیں مچھ لی تھیں۔



ولید تیار ہو کر ڈاکٹنگ ٹیبل پر آیا تو وہاں انا صغرا کے ساتھ موجود تھی۔ باقی ابھی کوئی نہیں آیا تھا یا شاید ناشتہ کر چکے تھے۔

"کیا لیس جگر بریڈ یا پرائیڈ؟" انا نے اسے پیشکار کچھ کر پوچھا۔

"کیوں تم کا لچ نہیں جارہیں؟ کافی دن ہو گئے ہیں چھٹیاں کرتے اور باقی لوگ کہاں ہیں۔"

"اما پاپا ناشتہ کر چکے ہیں ماسوں نے صرف دودھ کا گلاس لیا ہے اور وہ بعد میں ناشتہ کریں گے اور میں تیار ہوں بس چھینچ کرنا ہے پہلے یہ سب کام روشی کرتی تھی مگر اب مجھے ہی کرنا پڑ رہا ہے۔" ولید مسکرا دیا۔

"بتایا نہیں کیا لیس گئے۔"

"پرائیڈ اور دودھ کا گلاس لیاؤ۔"

"ہیس رو منٹ۔" وہ کچن میں غائب ہوئی تو ولید اخبار کھینے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ مڑے لیے چلی آئی ولید کا ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ کچن میں جا کر اپنے لیے بریڈ پر جیم ٹاٹلیٹ بٹرا اور دودھ لیا کر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ٹاٹلیٹ تو اچھا بنایا ہے تم نے۔" ولید نے ناشتہ کرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں نے نہیں بنایا صغرا نے بنایا ہے سارا ناشتہ میں نے تو بس مہر دیا ہے اس کی تعریف کریں۔"

"اچھا تمہیں کیا کیا پکا آتا ہے۔"

"کچھ خاص نہیں گزارا کر لیتی ہوں۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"میں تو بڑا خوش خوراک ہوں یا رہتی ہوں مستقبل قریب میں صرف گزارا کرنا پڑے گا۔" ولید نے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"میںیں ایسی بات بھی نہیں آکر تو جا اور دل سے پکاؤں تو بہت پچھانکا لیتی ہوں۔"

"یعنی دل سے پکا کر شرط ہے۔" ولید نے کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

پچھلے تین چار دن سب اس کے ساتھ ولید کا رویہ بہت خوش گوار ہو چکا تھا۔

وہ دونوں ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ ٹیبل پر بڑا ولید کا موبائل بجنے لگا تھا۔ انا نے سرسری موبائل کو دیکھا مگر چونک گئی تھی۔ "کھنکھ" کا نام دیکھ کر اس کے چہرے سے تمام خوشگوار تاثرات ایک دم ختم ہوئے تھے۔ ولید نے موبائل کو دیکھتے اسے بھی دیکھا تھا انا اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ہینو۔" ولید نے کال ریسیو کی۔ انا کا سارا وجود کانپ اٹ گیا تھا۔

"لیس آئی ایم قائل، اینڈ یو؟" انداز میں بے تکلفی تھی۔ انا کے حلق میں بریڈ کا ٹکڑا پھنسنے لگا تو اس نے جھٹ دودھ کا

گلاس منہ سے نکال لیا تھا۔

"میں کل سناپ کو بہت مس کر رہی تھی۔" دوسری طرف سے آئی ہلکی سی آواز انا کے کانوں کو بھی فیضیاب کر رہی

تھی۔ ولید نے انا کو دیکھا دوسرے جھکائے ناشتہ کر رہی تھی۔

"ایسیو زی۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ انا خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کا تمام خوشگوار صوڈ ایک دم شدید

اضطراب کی زد پر آ گیا تھا۔

"باجی کوئی اور چیز چاہیے۔" وہ صدمہ میں بیٹھی ہوئی تھی جب صغرا نے آ کر پوچھا تو وہ چونکی ولید آدھے سے زیادہ پرائیڈ

کھا چکا تھا دودھ کا گلاس بھی ختم کر چکا تھا اس نے بے دلی سے اپنے ناشتے کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں، ان سب کو اٹھا لو۔“ وہ اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے سنا کر کالج جانا تھا لباس لے کر وہ باتھ روم میں تھکی اور لباس بدل کر اس نے اپنی کتابیں اور بیگ اٹھایا اور چادر لے کر باہر آ گئی ولید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے لب بچھینچ لیے تھے۔

”منصور بابا گاڑی نکالو۔“ ولید کی طرف دیکھے بغیر اس نے ڈرائیور کو کہا۔

”آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ ولید نے پلٹ کر کہا۔

”صرف ڈراپ؟“ اس کے منہ سے کئی سے پھسلا تھا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔

”کیا آپ بھی کرنا ہوگا مجھے۔“ انا نے خود کو سنبھالتے لڑکی میں سر ہلایا۔

”منصور خان کا تو روز کا کام ہے آپ کو خواجواہ زحمت ہوگی میں چلی جاؤں گی۔“

”زحمت کیوں ہوں گی رستے میں ہی پڑے گا تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔“

”نہیں آپ جائیں میں منصور خان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ ٹیکس۔ ”اب کے سختی سے کہہ کر اس نے منصور خان کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور وہ خاموشی سے چھٹی سیٹ پر بٹک گئی۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

وہ گردن پھیرے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ولید کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو ڈرائیور نے بھی گاڑی نکال لی تھی۔ انا نے لب بچھینچ کر خود سے آگے والی گاڑی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم کئی سیٹ آئی۔ اس نے انگلی سے چکوں کو چھوا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ خود پر ضبط کرنی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

نجانے ایسا کیوں ہوتا تھا وہ جب بھی دل سے خوش ہوتا جا رہی تھی ولید سے متعلق اپنے رشتے کو لے کر مطمئن ہونا چاہتی تھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی کہ وہ ٹوٹ کر رہ جاتی تھی۔ مکمل طور پر بکھر جاتی تھی۔ اس وقت بھی ہاتھ کی انگلی میں موجود انگلی کو گھماتے خود پر ضبط کے گہرے پیرے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ ممکن نہ رہا تھا۔



”آؤ آپ مجھے کہاں لے جانے ہیں؟“ ان دونوں کو حیرانی سے نکلتے نکلتے چھ بیج گئے تھے۔ آٹھ بجے مصطفیٰ نے ایک بہت ہی خوبصورت گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ چونکی۔

”یہ میرے سینئر زوہیب شاہ کا گھر ہے مجھے ان سے کچھ کام ہے اور کچھ سکس کرنا ہے کل ہمیں میں ان کے پاس ہی آیا تھا۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلایا۔

مصطفیٰ نے کال کر کے ان کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو وہ باہر ان کو لے آئے۔ مصطفیٰ اور وہ دونوں بڑے تپاک سے ملے تھے درمیانی عمر کے چاک و چوبند انسان تھے۔

”یہ میری مسز ہیں۔“ مصطفیٰ نے بتایا تو شہوار نے سلام کیا۔

”آؤ جائیں اندر۔“ وہ ان کے ہمراہ گھر میں آ گئے تھے۔

زوہیب شاہ کی مسز بھی موجود تھیں زوہیب صاحب نے اپنی مسز کا تعارف کرایا تھا۔ سوہری درمیانی عمر کی خاتون بہت خوش ہو کر ملی تھیں۔ بڑے تپاک سے شہوار کو گلے لگایا تھا۔

”آپ لوگ ادھر بیٹھ جائیں ہم اندر چلتے ہیں۔“ وہ اپنے شوہر کو کہہ کر شہوار کو اپنے روم میں لے آئی تھیں۔ شہوار ان کے کہنے پر چادر ڈراؤ جھلی کرتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

"یا شاعر! تم تو بہت پیاری ہو، اصل میں میرے خیر ہند اور مصطفیٰ کی جانب کے دوران ہی دوستی ہوئی ہے دونوں ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے ہیں تو مصطفیٰ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ وہ ایک عدد چوٹی بھی رکھتا ہے وہ بھی اس قدر پیاری ہی۔" وہ بے تکلف سی باتوں میں شہوار مسکرا دی۔

"یہ تو کل علم ہوا۔ جب مصطفیٰ کے پاس اس کے خاویج کی کال آئی تھی تو اس نے رات دس بجے سنا، کسمپوش کرتے بتایا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے اپنی وائف کو لیتے۔"

"آپ کا نام کیا ہے۔" شہوار نے پوچھا۔

"ماریہ۔" شہوار نے سر ہلا دیا۔

"اچھا بتاؤ کیا کھاؤ گی میں پھر وہی آرڈر کرتی ہوں۔"

"ہم حویلی سے ہشت کمر کے نکلے تھے پلیز کوئی تکلف نہ کریں۔" اس نے منع کیا۔

"ارے ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ابھی ملازم کو چائے پانی کا کوبہ کرتی ہوں۔" وہ فوراً باہر نکل گئی تھیں۔

شہوار نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سادگی و نفاست سے سجا کمرہ بہت ہمارا تھا فرنیچر بھی قیمتی تھا۔

"پتا نہیں اب دھڑکتا وقت لگتا ہے۔" وہ بالکل انجان جگہ آئی کسی سوپ کچھ جھجک رہی تھی۔ ماریہ آرڈر دے کر واپس آ گئی تھیں۔ واپس آ کر وہ شہوار سے باتوں میں لگ گئی تھیں۔

"اچھا تم نے بتایا نہیں کہ کتنے بچے ہیں تمہارے؟" یونہی بات کرتے کرتے رک کر انہوں نے پوچھا تو شہوار نے چونک کر دیکھا۔ اس کے خسار ایک دم سرخ ہوئے تھے۔

"بہارا ابھی نکاح ہوا ہے باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا تو وہ حیران ہوئیں اور ایک دم آفس دیں۔

"اوہ آئی سی۔" مصطفیٰ نے جس طرح وائف کہا تو مجھے لگا کہ تم لوگوں کی شادی ہو چکی ہے تم اپنے میک اپنی امی سے ملنے

گئی ہوئی ہو تو وہ لینے جا رہا ہے۔ ویسے تم کہیں سے بھی مجھے بچوں والی لگی تو نہ تھی پھر بھی میں نے سوچا کہ پوچھ ہی لوں۔"

"میں ان کے ہاں شہر میں ہی رہتی ہوں اسٹڈی کی وجہ سے امی سے ملنے حویلی گئی ہوئی تھی تو یہ لینے آئے تھے۔"

شہوار نے وضاحت کی بھی ابھی دوران چائے بھی آ گئی۔

"اندر صاحب لوگوں کو لگتی چائے دے دی ہے؟" انہوں نے ملازمہ سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم مصطفیٰ کی رشتہ دار ہو؟" ان کے سوال پر اس نے لب لہجہ سے سر ہلا دیا۔

"مصطفیٰ کب فارغ ہوں گے۔" اس سے پہلے کہ ماریہ شے کی نوعیت کی وضاحت مانگتی اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں آج کل یہ دونوں مل کر کوئی کیس حل کر رہے ہیں۔ اکثر اسٹڈی بیٹھے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کچھ سمجھ

نہیں آتی کسی پولیس والے کی بیوی ہونا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے یہ ذرا بھی مجھے ناگم نہیں دیتے ہر وقت آفس

آفس اور آفس۔" ماریہ نے شہوار کو چائے کا کپ دیتے شکوہ بھرے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں؟" کھوڑی دیر بعد اس کا اصرار بناتا تو اس نے پوچھا۔

"تین بچے ہیں۔ بڑے دو بیٹے اور ایک بیٹی بیٹی ہسکول گرل ہے اور بیٹے دونوں کالج یوئاز۔" انہوں نے بتایا تو اس

نے سر ہلا دیا۔

دونوں نے چائے بھی لی لی اور حیر ساری باتیں بھی کر لیں۔ شہوار نے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ انہیں یہاں آئے

ویڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے۔ مصطفیٰ اسے کسی اجنبی کے خراپتی ویر تک کیسے رکھ سکتے تھے۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔

"کافی دیر ہوئی ہے آپ مصطفیٰ سے کہہ دیں کہ چٹا نہیں۔" اس نے ماریہ سے کہا۔
 "آپ میں مصطفیٰ کے پاس ہی چلتے ہیں۔" ماریہ نے کہا تو وہ اپنی چادر درست کرتی ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں۔ مصطفیٰ اور زوہیب سر جوڑے کی فائل پر بات کر رہے تھے ان کو دیکھ کر ماریہ نے کہا۔
 "کافی دیر ہوئی ہے واپس نہیں جاتا۔" مصطفیٰ کے دیکھنے پر شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ نے زوہیب صاحب کو دیکھا۔

"اوکے ایسا کرتے ہیں میں دو بجے تمہارے آفس آ جاؤں گا۔ باقی ڈسکشن وہاں کر لیں گے۔" زوہیب صاحب نے فائل بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ کھڑا ہو گیا تھا شہوار ماریہ سے ملی اور وہ دونوں جب ان کے گھر سے نکلے تو پونے دس بج رہے تھے۔

"کیا ضرورت تھی اتنی دیر کسی اجنبی کے گھر لا کر بٹھا دینے کی۔" مصطفیٰ نے جیسے ہی گاڑی اشارت کی شہوار نے جاگوا کی سے کہا۔

"میں ان لوگوں کو کچھلے دو سال سے جانتا ہوں میرے لیے یہ قطعاً اجنبی نہ تھے۔" مصطفیٰ نے بھی کہا۔
 "مگر میرے لیے تو اجنبی تھے نا تو باتا بولتی ہیں ان کی سسر۔" اس کو بچوں والی بات یہ لگتی تو کچھ غلطی سے کہا۔
 "ہاں آپ کے مقابلے میں تو وہ کچھ زیادہ ہی بولتی ہیں مگر کسی کو یور نہیں ہونے دیتیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی۔

"اس بار پھر بواجی سے ناراض ہو کر آئی ہیں۔" کچھ وقف کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔ راجی کے وقت وہ کمرے سے نکل کر سیدھا گاڑی میں جا بیٹھی تھی تاہم وہ سے نہیں ملتی تھی مصطفیٰ نے اس کا یہ سرد انداز بطور خاص نوٹ کیا تھا۔ شہوار خاموش رہی۔

"اس بار کس بات پر ناراض ہوئی ہیں؟" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔
 "جہاں تک میرے نظم میں تھا کچھلے دنوں بواجی سے دو بار وہ بات جیت بھال ہو چکی تھی اور باقی حالات بھی سازگار تھے۔" مصطفیٰ نے مزید کہا تھا شہوار تو جو دینے بغیر کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"ایسا کب تک چلے گا شہوار؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ لب لہجہ لگی۔ مصطفیٰ نے سائیڈ مرر سے اسے دیکھا وہ لب بھینچے خود پر ضبط کر رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی تو شہوار نے حیران ہو کر دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ مصطفیٰ بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہاں گاڑی کیوں روکی۔" مٹی کو اندر مارتے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مصطفیٰ نے سیٹ کی پشت سے کمر نکاتے اس کا ہاتھ تھم رہا تھا۔ شہوار گھبرا کر رہ گئی تھی اس کے چہرے پر کئی رنگا ٹھہرے تھے۔

"بھئی بھئی عقل کو کھٹا چھوڑ کر دل کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا شہوار۔ وہ جو شروع شروع میں نرم خو صلیح جوی شہوار تھی جس کو دیکھ کر میں متاثر ہوا تھا وہ نہیں کھوئی گئی ہے تمہارا یہ رویہ یہ انداز کچھ بھی قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں کیوں کر رہی ہوا سینے اوپر یہ ظلم؟" مصطفیٰ نے بہت دھیمے لہجے میں اس کے ہاتھ کو سہلاتے نرمی سے کہا تو شہوار جو خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم رو دی۔

"میں کئی سامر نہیں ہوں اگر مجھے کسی عام عورت کی تلاش ہوتی تو باہر سے ہی کوئی ساتھ لے لے تاکہ پایا اور ماں جی کی طرف سے میرے اوپر بھی کوئی پابندی نہ لگی مگر وہ سب میری ڈیمانڈ نہ تھی۔" مصطفیٰ نے اس کی طرف جھٹکتے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ لب و لہجہ انت تلمے رہ گئی۔ وہ چہرہ سوز کر خاموش رہی۔ اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کی طرفت سے اپنا ہاتھ بھی

نگال آیا تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

”بہت دیر ہوگئی۔ باب چلنا چاہیے۔“ مصطفیٰ اسی طرح بیٹھا رہا شہوار نے چہرہ موڑ کر دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔ وہ نظریں جھٹکائی۔

”بوائی ماں میں ان سے خفا ہو کر ان کو مزید اذیت سے دوچار کر کے بھلا تمہیں کیا حاصل ہوگا۔“ مصطفیٰ نے کہا۔ شہوار دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے لگی لب و لہجوں سے وہ بار کھٹے تھے گویا اس نے اس بارے میں اب مصطفیٰ کے سامنے کچھ بھی نہ بولنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

”گھر چلیں یہ ساری ڈسکشن اب گھر جا کر کر لیجیے گا۔“ اسی طرح رخ موڑے اس نے کہا تھا۔ اب کے مصطفیٰ نے کافی غصے سے دیکھتے بڑے ریش انداز میں جاکڑی ڈرائیور کی تھی۔ شہوار اسی طرح لب بھینچے چہرہ موڑے بیٹھی رہی تھی۔



وہ آفس میں کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی جب فون بجنے لگا اس نے مصروف سے انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

”ہیلو۔“

”تو پھر کیا سوچا تم نے میری آفر کے بارے میں؟“ وہ ایک دم چونکی وہ سری عارفہ تھی۔ اس نے موبائل بند کر رکھا تھا وہ اس عورت سے اب کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی مگر اسے قطعی امید تھی کہ وہ عورت آفس کے نمبر پر اسے کال کرے گی۔

”آپ کون؟“ اس نے اندر ہی اندر خوفزدہ ہوتے پوچھا تھا۔

”اتنی جلد ہی بھول گئیں عادل۔ بات کر رہی ہوں میں۔“

”میں آپ کا آپ کی؟“ اس گھٹیا آفر کا جواب ابھی طرح دے چکی ہوں۔“ اس نے خود کو سنبھالتے دوڑک انداز میں کہا۔

”تو میں نے تمہیں سوچنے کا وقت دیا تھا نا؟“

”میرا اب بھی انکار ہے۔ میں عباس صاحب سے کسی بھی قسم کے کوئی چکر نہیں لوں گی۔“

”سوچ لو تمہارے مصطفیٰ بہت سارا“ حاد میرے پاس موجود ہے؟“ اس نے دھمکانا چاہا تھا رابعہ نے لب بھینچ لیے۔

”وہ سب جھوٹ ہے۔“

”مگر سچ بننے میں دیر نہیں لگے گی لیکن اتنی کا دور ہے دنیا میں اتنا کچھ ہوتا ہے تم تو خود اسی فیلڈ کی ہو بے خبر تو نہیں ہوں گی نا۔“ رابعہ نے غصے سے ریسیور کرینڈل پر پھینچ دیا۔

وہ بے اختیار پریشان ہوئی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اتنا تو واضح ہو چکا تھا کہ عباس سر اودھان کی فیملی بالکل فیکٹر ہے مگر اب عادل کی یہ جھمکیاں ان کا وہ کیا کرنی؟

”آریواہ کے۔“ وہ اسی طرح سر تھا ہے بیٹھی ہوئی تھی جب قریب سے آواز سنائی دی تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ سر عباس کھڑے تھے وہ ایک دم ہیٹ سے کھڑی ہوئی تھی۔

”بتی سر۔“ اس نے فوراً سر ہلایا۔

”لیکن آپ کا چہرہ تو بہت پیلا ہو رہا ہے۔“ سر عباس نے کہا تو رابعہ نے ایک دم اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”میں ٹھیک ہوں سر بس سر میں درد ہو رہا ہے۔“ اس نے ٹاننا چاہا۔

”اس دن بھی درد ہو رہا تھا آپ اپنا ٹریٹمنٹ کروائیں یہ ہر دوسرے دن کا درد صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا

”بس۔“ عباس صاحب نے سرسری انداز میں کہا تو اس نے فوراً سر ہٹا دیا۔
 ”آفس بوائے کے ہاتھ نئے پروجیکٹ والی قائل بھجوا نہیں میں بابا کے آفس میں جا رہا ہوں۔“
 ”جی سر۔“ اس نے فوراً سر ہٹا دیا۔ عباس چلا گیا تو وہ ایک دم کمری پر ڈھسے گئی تھی۔



”اگر مصطفیٰ تمہیں لینے گیا تھا تو مجھے بھی بتا دینا میں بھی ساتھ چلتی۔“ مصطفیٰ اور وہ ابھی گھر آئے تھے دریدہ دیکھ کر حیران ہوئی تھی مصطفیٰ تو ریڈی ہوئے کمرے میں چلا گیا جبکہ شہوار لاؤنج میں باقی بیٹھ گئی تھی ماں جی گھر نہیں تھی اب وہ یہ کہہ رہی تھی لایب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”اس دن بابا صاحب نے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب تو تم گئی نہیں تھیں۔“
 ”وہ تو بابا صاحب خود کرتے لیے تھا تو وہاں اتنے دن جا کر بور ہوئی یہ تو مصطفیٰ کے ساتھ جانا تھا اور وہاں آ جانا تھا مصطفیٰ کے ساتھ جانے میں کم از کم بور تو نہ ہوئی۔“ شہوار خاموشی سے دریدہ کو دیکھنے لگی۔
 ”بوریت کیسی، تابندہ بوا تھیں وہاں اور پھر شہوار بھی تو ساتھ گئی۔“ لایب بھابی نے مزید کہا۔
 ”یہ لوگ ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہیں کہ میں ان کے ساتھ اپنا وقت برباد کرتی پھرتی۔“ دریدہ نخوت سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ بھابی نے حیرانی سے اسے جاتے دیکھا۔

”دیکھا اس کا رویہ؟“ بھابی کو بہت غصہ آ گیا تھا۔
 ”تو غلط کیا کہہ رہی ہے سچی ہی تو ہے۔“ اس کے اندر کی گئی ایک دم پھر سے ابھرا آئی تھی۔
 ”اب خدا کے لیے تم کوئی ایسی ویسی بات مت کہہ دینا مجھے پہنچے ہی دو یہ پر بہت غصہ ہے۔ تم یہاں تھی نہیں ورنہ دیکھتی کیسے مصطفیٰ مصطفیٰ کمری پھر رہی تھی۔“ شہوار خاموش رہی تھی۔
 ”یار دن کر رہے ہیں مصطفیٰ کھانا کھا کر ہی آفس جانے کا کھانا ریڈی ہے میں نکالتی ہوں تم بھی منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔“
 وہ ہاتھ منہ دھو کر آئی تو بھابی کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔

”تم مصطفیٰ کو بڑا ادا اور دریدہ کو کچھ کہہ دو۔“ بھابی نے کہا تو وہ خاموشی سے مصطفیٰ کے کمرے کی طرف چلی آئی۔
 ”تو مصطفیٰ مجھے تم پر ترس آتا ہے نجانے تم کیسے شہوار جیسی لڑکی برداشت کر رہے ہو۔ اتنی کنزرویٹو لڑکی ہے۔ لایب ہر وقت اس کی فہور کرتی رہتی ہے ورنہ کہاں تم اور کہاں وہ دقیا نوی لڑکی۔ مائی گاڈ۔“ دریدہ نخوت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔
 ورنہ کھلا ہوا تھا مصطفیٰ شوز بکس رہا تھا اور وہ یہ پاس کسڑی تھی شہوار دروازے میں ہی رک گئی۔ مصطفیٰ نے شوڈ پہنتے سر اٹھایا تو پہلی نگاہ شہوار پر پڑی۔

”کھانا ریڈی ہے بھابی ٹیبل پر بلا رہی ہیں۔“ وہ آہستہ سے کہہ کر وہاں سے پلٹ آئی تھی۔
 آنکھوں میں کی سی آنے لگی تو اس نے سر جھٹکا۔

”میں بھلا کیوں انسٹنٹ فیل کروں، سچی ہی تو کہہ رہی سے وہ بھلا کہاں مصطفیٰ جیسا مرد اور کہاں میں جوان لوگوں کے جیسے پر لمبی بو جی اونا ج کس چیز پر غرور کروں نہ میرے پاس اعلیٰ خاندان کا ٹیک ہے اور نہ ہی اپنی شناخت کوئی بھی تو قابلِ تحرات نہیں ہے میرے اندر۔“ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی اس نے رات مولوی صاحب کے یہاں سے برائے نام کھانا کھایا تھا اور صبح اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا رستے میں ماریہ کے ہاں سے چائے پی گئی گھر آتے آتے اسے بہت بھوک لگ رہی تھی مگر اب دریدہ کے الفاظ سن کر اسے لگا جیسے ساری بھوک مر گئی ہو۔ ورنہ ہلاک کر کے وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔



دن اپنی رفتار میں گزر رہے تھے وہ کالج چارتنگی روشی اور احسن دو بیٹے بعد ہستی مولن ٹرپ سے واپس آ گئے تھے احسن اگلے دن ہی آفس جانے لگا تھا روشی پہلے سے کہیں زیادہ گھر چکی بھی لانا سنا تے جاتے پھیرتی تو وہ ہنس دیتی وہ آج کالج سے واپس آئی تو ولید گھر پر ہی تھا۔

”آج آپ جلدی آ گئے۔“ بیگ اور کتابیں سینٹرل ٹیبل پر رکھتے اس نے پوچھا۔
 ”ہاں ایک کام تھا تو آنا پڑا۔“ ولید اسے جواب دے کر پھر روشی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
 ”شم فائنل بناؤ تم میرے ساتھ چل رہی ہو کہ نہیں؟“

”سوری بھائی میں اس لڑکی کے لیے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جا رہی۔“ دونوں میں کوئی بحث ہو رہی تھی اتنے چونک کر دیکھا۔

”کہاں جانا ہے اور کیا بات ہے؟“

”وہ دل بھائی کی ایک فرینڈ تھی نا کھنڈ؟“ روشانے نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔
 ”آج اس کا برتھ ڈے ہے اس نے بھائی کو بھی انوائٹ کیا ہے وہ میری شادی پر آئی تھی اب بھائی کہہ رہے ہیں کہ اگر اس کے ذمے ٹکٹن پر نہیں گئے تو اچھا نہیں لگے گا۔ پھر وہ کچھ گفت بھی دے کر گئی تھی مگر میرا دل نہیں کر رہا جانے کو نبھانے کیوں مجھے واپس کی اچھی نہیں لگتی۔“ روشانے نے تفصیلات بتائی تو اس نے ولید کو دیکھا۔
 ”لو کے تم نہیں جانا چاہتی تو نہ جاؤ اتنا تم چلو گی میرے ساتھ؟“ ولید روشانے کے ساتھ مسلسل بحث سے اکتا کر اب اس سے پوچھ رہا تھا وہ حیران ہوئی۔

”اس نے آپ کو انوائٹ کیا ہے آپ جائیں ہمیں کیوں ساتھ باندھ رہے ہیں؟“ اس نے ناگواری سے کہا۔
 ”اصل میں ان لوگوں کو میں بہت زیادہ نہیں جانتا صرف کالج سے ہی ملو ہائے ہے وہ روشانے کو گفت دے کر گئی تھی اب میں نہ جاؤں تو اچھا نہیں لگتا اور مجھے نہیں علم کس قسم کی گید رنگ ہوگی اور کس قسم کے لوگ ہوں گے یوں کہہ دو مصطفیٰ کے نکاح اور اپنے گھر کی شادی کی تقریب کے علاوہ پاکستان کے دیگر فنکشن میں کیسے آتے جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں قطعی علم نہیں اتنی لیے کہا تھا۔“ ولید نے تفصیل سے بتایا تو وہ سر ہلایا۔
 ”اب جانا اتنا ضروری بھی نہیں پھر کبھی ملے تو گفت دے دیجیے گا اگر شکوہ کرے تو کہہ دیجیے گا کہ ضروری کام تھا نہیں آ سکا۔“ روشانے نے مشورہ دیا۔

”اب میں تمہاری طرح کتابے مروت نہیں ہوں۔“ ولید نے روشانے کو گھور کر دیکھا۔
 ”چلو گی میرے ساتھ یا پھر تم بھی انکار کر رہی ہو۔“

”جانے میں تو کوئی حرج نہیں مگر میں بھلا وہاں جا کر کیا کروں گی میری تو کسی سے کوئی سلام دعا بھی نہیں۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔

”میں چل رہا ہوں تمہارے سلام دعا کے لیے میں کافی ہوں۔“ ولید نے فوراً کہا تو روشانے ہنس دی۔
 ”ابھی سے شوہروں والا رعب جھانٹ شروع کر دیا ہے بے چاری پر پیار رکھیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔“ روشانے کی بات پر اس کا چہرہ گھبرا ہوا تھا۔

”شٹ اپ۔“ ولید نے گھور کر کہا تو ابھی ہنس دی۔

”پلیز بتا دو ساتھ چل رہی ہو یا پھر میں اکیلا ہی چلا جاؤں۔“ ولید نے پھر پوچھا تو وہ برکی۔

بغور ولید کو دیکھا وہ آفس گیٹ اپ میں تھا بڑا شاندار لگ رہا تھا اگر وہ اکیلا چلا جاتا تو؟ انا کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے کب چلتا ہے؟" اس نے بائی بھر تے کہا ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
"چھینکس گاؤں میں تو۔" وہ دھیسے سے مسکرا دی۔

"اچھا گفٹ تیار کیا رہا ہے؟" وہ کہتا ہیں۔ "اے کراٹھے لگی تو ولید نے پوچھا وہ پھر بیٹھ گئی۔
"جواب کو نہ سب لگدے دیں۔ ویسے دوشی سے پوچھ لیں۔"

"اوس کے قریب کے وقت تیار رہنا جو بھی گفٹ دینا ہو تم یہ سہ ساتھ چل کر دیکھ لینا اس وقت تو میں ایک کام سے جا رہا ہوں پھر شام ہی میں ملاقات ہوگی۔" ولید کہہ کر چلا گیا انا نے دوشی کو دیکھا۔

"کیا ضرورت تھی بائی بھر نے کی؟ شاید میری بی بی ہوں اس سے کافی شفاف لڑکی ہے مجھے کہیں سے بھی اچھی لڑکی نہیں لگی۔ جتنی دیر میرے پاس بیٹھی رہی کسی شکی لڑکے سے فون پر بات کرتی رہی تھی۔"

"گھر والی کی تو وہ دوست ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا اگر شہزادوں سے وہ ولید کے کچھ باتوں میں خود کو بہت مضبوط کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔

"تجربہ جیٹس نہیں۔" اس کی خاصی خوب صورت لڑکی ہے۔ "اتنا بے خبر شہزادوں کو لے کر دوشی نے کر دینا چاہا تھا۔

"نہیں اس خوفناک ہے۔" انا نے سادگی سے کہا۔
"کیوں؟"

"پتا نہیں اس کے میں ذرا نہیں سمجھتا۔" انا نے کہا کہ لڑکی نے گھر سے آ چکی تھی۔

ولید نے جیسے لڑکی سے تعلقات دل بہانے پر چڑھ رہے تھے وہ کوئی نیکی بیوہ بات نہیں سوچتا جا رہی تھی مگر اس کے باوجود وہ لڑکی اس کے رہا ہے سے نہیں نکل پارہی تھی شاید اس لیے وہ ولید کے ساتھ جانے کی ہائی بھر چلی تھی۔ شام تک وہ سخت اضطراب کا شکار رہی تھی۔ ولید نے فون کر کے اسے تیار رہنے کو کہا تھا۔

اشعوری طور پر اس نے اپنی اجازت میں اچھے لباس جدید اسٹائل وغیرہ کا خیال رکھا تھا میک اپ اس نے نہیں کیا مگر اس ذرا سی تبدیلی سے ہی وہ جھلک جھلک کر رہ گئی تھی۔ ولید گھر لوٹا تو وہ مکمل طور پر تیار اس کے سامنے چلی آئی تھی۔ ولید اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ بڑی خوبصورت ستاروں نے انا کو دیکھا تھا۔

"ہیں قدر بہت مہنگی کیا ضرورت تھی بھلا؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تو انا چوکی۔

"کیا ہوا اچھی نہیں لگ رہی کیا؟" ولید کی سنجیدگی سے وہ خائف ہوئی تھی۔

"نہیں خیر مجھ نے کیسے لوگے ہوں اور تم سراسیمہ کی گید رنگ ہو۔ تم سادگی میں بھی اچھی لگتی ہو خواہ مخواہ اتنا ہتھماہ کیا۔" انا جھینپ گئی تھی۔

"میں نے تو سوچا کہ مجھ سے کیسے لوگ ہوں گے وہ لڑکی اچھی خاصی خوب صورت اور امیر گھرانے کی لگتی ہے۔ تو اسی مناسبت سے ذرا اچھا ڈریس پہن لیا تھا چار تو میں نے ساتھ لے لی ہے دو پشتیں لے رہی۔"

"تم اتنی انیشس کانشس کب سے ہو گئی ہو؟"

"مگر منہ سب نہیں لگ رہا تو میں چیخ کر کہتی ہوں۔" ولید کے سوال کو نظر انداز کرتے اس نے کہا۔

"رہتے وہ اب کافی دیر ہو گئی ہے چلتے ہیں۔"

”آپ چھینچ نہیں کریں گے۔“

”نہیں۔“ ولیدہ کا ذکر کے گاڑی کی طرف چلا آ یا تھا انا نے بھی اس کی تھلید کی تھی۔

”آپ نے گفٹ لے لیا ہے یا لینا ہے ابھی۔“ اس نے راستے میں پوچھا۔

”لے لیا ہے۔“

”کیا لیا؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”بیک سیٹ پر پڑا ہوا ہے دیکھ لو۔“

انا نے پلٹ کر دیکھا سفید اور ریڈ پھولوں کا گلہ سستا تھا اور ساتھ میں بیکنگ شدہ کوئی چیز تھی۔

اس کے اندر گفٹ کیا ہے انا کا تجسس بڑھنے لگا تھا۔

”کوئی گلہ اس میڈارٹیشنل نہیں تھا۔“ ولیدہ نے بتایا تو وہ سر ہلانے لگی۔ باقی کار سستا خاموشی سے کٹا تھا۔

پارٹی کا ارجنچ ہول میں تھا انجی خاصی گید رنگ تھی۔ کاشفہ ان کو ریسیپشن پر ہی مل گئی تھی۔

ان لوگوں کو اتنے دیکھ کر وہ فوراً بھاگ کر قریب آئی تھی۔

”ہیلو۔“ اس نے ولیدہ اور انا دونوں سے ہاتھ ملایا تھا انا نے اس کو گفٹ اور پھولوں کا پیکٹ چھلایا تھا وہ بہت خوب صورت

سیولیس فراک میں جلوں لگی۔ دوپٹے کا تکلف اس نے نہیں کیا تھا وہ مسکرا کر ولیدہ کو دیکھ رہی تھی۔

”ان بلیو ہیل، میں سوچ رہی تھی کہ آپ نہیں آؤ گئے لی ایم سر پرائزڈ۔“ وہ ولیدہ کو دیکھ کر بہت خوش لگ رہی تھی۔ انا

اس کا جھجکا ہوا حسن دیکھ کر گم غم ہوئی تھی۔

کاشفہ ان کو اپنے ساتھ اندر لے آئی تھی وہ ہر کسی سے ولیدہ کو بھاری تھی جبکہ انا ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی وہ خاموشی

سے ولیدہ کو لوگوں سے ہاتھ ملاتے دیکھ رہی تھی۔ پارٹی کافی بڑے پیمانے پر کی گئی تھی انا خود کو وہاں خاصا مس فٹ محسوس

کر رہی تھی۔ یہ سمجھ رہے تھے ولیدہ اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

”لگتا ہے کافی دوستی ہو گئی ہے آپ دونوں کی۔“ اب کاشفہ ہاتھ اور لوگوں کے ساتھ محو کلام تھی اس نے اسے دیکھتے کہا تو

ولیدہ مسکرایا۔

”خیر ایسی بات بھی نہیں۔“

”مگر وہ جس طرح آپ کو پروڈیوکل دے رہی ہے اور ملواری ہے مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔“ وہ جوانہ رہی اندر کڑھ

رہی تھی اب ایک دم کہہ دیا تھا لہجے میں گئی تھی۔

”تو تم جلیسین ٹیبل کر رہی ہو؟“ ولیدہ نے بڑے سکون سے اس کا سکون درہم برہم کیا تھا ایک پل لگا اسے خود کو پرسکون

کرنے میں۔

”بڑی خوشی تھی بچے بارے میں۔“ اس نے جل بھن کر کہا تھا۔ ولیدہ اس دیا۔

”شکر کرو غلط نہیں ہے جہاں سے گزر جاؤں لوگ دیدہ و دل فرش راہ کیے دہتے ہیں۔“

”ہن لوگوں کی آئی سائیز یقیناً ویک ہوگی۔“ ویٹران کی ٹیبل پر کولڈ ڈرنک کے گلاس رکھ گیا تھا۔

”یہ جو کچھ کے ساتھ کھڑے ہیں یہ کون ہے؟“

”یہ کاشفہ کے والد اور والدہ ہیں اور ساتھ میں اس کی بہن۔“

”ہوں۔ یہ صرف دو ہی بہنیں ہیں؟“

”نہیں اس کا ایک بھائی بھی ہے۔ ایک بار اسپتال میں ہی دیکھا تھا شاید آج کے فنکشن میں وہ شامل نہیں

ورنہ ملوثی ضرور۔

”کافی حسین فیملی ہے اور کاشفہ سب سے بڑھ کر لگ رہی ہے۔“

”میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں اس سے زیادہ رنج اور خوب صورت لوگ موجود تھے۔“ ولید نے بہت تنجیدگی سے کہا تو انا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک سلگتا سا احساس تھا۔ وہ کچھ سمجھتے پائی تھی۔

”تو پھر ان سے متاثر ہونے کی خاص وجہ؟“

”تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں ان لوگوں سے متاثر ہوں؟“ ولید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ شیشا کی گئی۔

”آپ کے رویوں سے تو یہی لگتا ہے۔“ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرے بارے میں کس حد تک سنجیدہ سوچتی ہوگی۔“

”ولید! میں میں آپ کو کچھ اور لوگوں سے طواؤں۔“ انا جواباً کچھ کہنے ہی والی تھی کاشفہ درمیان میں آنچکی تھی۔ انا نے

کافی ناگواری سے اس کی اس مداخلت کو دیکھا تھا۔

ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا انا اس کے کھڑے ہو جانے پر جھل بھن گئی تھی۔

”آپ بھی آئیں انا۔“ اس نے انا کو بھی آفر کی تھی۔

”تو ٹیکس، میں ایسی ٹیکس گید رنگ کی عادی نہیں ہوں۔“

”اوہ..... پھر تو آپ کو نا بھی نہیں چاہیے تھا ہمارے ہاں تو ایسی ٹیکس گید رنگ بہت عام بات ہے۔“ کاشفہ نے کافی

عصبانیت سے کہا تھا۔

”میرا خیال ہے ہم آپ کے مہمانوں سے مل لیتے ہیں انا ہمیں ٹھیک ہے وہ یہاں زیادہ ایزی فیل کرے گی۔“ انا جواباً

کچھ سخت کہنے والی تھی ولید نے درمیان میں مداخلت کر دی تھی انا لب بلیج کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”پلیز ریٹیکس میں رہیں اور نہیں آتا ہوں۔“ ولید کو کہہ کر چلا گیا تھا۔ انا نے نگلی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



شاہزیب صاحب نے بابا صاحب اور تاجندہ دونوں سے بات کر کے شادی کی تاریخ کا طرے کر دی تھی۔ شہوارم بھی ہوئی تھی عائشہ شادی کی تاریخ طے پانے کا سنتے ہی شہر آ گئی تھی لایہ تو اپنی پریشانی کی وجہ سے نہیں آ جانیس پارائی تھی عائشہ ہی ساری شادی کی تیاری میں تھی۔ روز ماں بی اور وہی کے ساتھ بازار کے لیے نکل جاتی تھی۔

شہوارم صبح کالج کے لیے نکلی تو عائشہ نے اسے شاپنگ کے لیے ساتھ چھٹنے کا کہا تھا وہ سنی ان سنی کرتے شاہزیب صاحب کے ساتھ کالج چلی آئی تھی آج کل وہی اسے پک اینڈ ڈراپ کر رہے تھے۔ واپس پر عائشہ اور وہیڈ رائجور کے ساتھ اس کے کالج کے باہر موجود تھیں۔ سو پائل پر باہر آنے کا کہا تھا۔ اور اس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ شاپنگ مال میں گھوم رہی تھی۔ ادھر سے ادھر گھومتے کئی بار شہوارم کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے اس نے چادر کو اچھی طرح چیرے پر کر لیا۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا شاپنگ تمام مکمل تھی شہوارم نے سکون کا سانس لیا تھا اب تھکن کے ساتھ ساتھ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

”شہوارم میں نے اس طرف بیگز دیکھے ہیں بہت پیارے ہیں وہ دیکھ لیں پھر گھر چلتے ہیں۔“ وہ جو پار پار واپس چلنے

کی دشت لگائے ہوئے تھی عائشہ نے کہا تھا۔

”تم لوگوں نے جانا ہے تو جا کر دیکھ لو میں اب ادھر سے ایک قدم بھی نہیں ہٹنے والی۔ بھوک سے میری جان نکلتے والی

ہے۔ اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ ایک تو ان چاہی شادی کا عذاب اور اوپر سے یہ شاپٹنگ وہ نبھانے یہ سب کیسے برداشت کر رہی تھی۔

”اچھا تم ادھر ٹھہرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔“ عائشہ نے کہا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں مجھے بھی وہ بیگز اچھے لگ رہے ہیں۔“ زہیرہ بھی ساتھ ہوئی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ اطراف میں دیکھتے شاپنگ بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور پھر ایک دم چونک گئی۔ لوگوں کے درمیان سے نکل کر آئے والے شخص کو دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم خوف سے زرد ہوا تھا۔

”نماز.....!“ اس کے لب ہلے تھے اس نے بلنے کی کوشش کرتے چاہی تھی مگر اس کا جسم جامد ہو گیا تھا۔



سہیل بھائی کے ساتھ رہنے والا لڑکا ابو بکر پاکستان آچکا تھا وہ آج کل ان لوگوں کے ہاں رہ رہا تھا اچھا سمجھا ہوا اور ملنسار لڑکا تھا امی اور ماموں دونوں کو وہ بہت پسند آیا تھا۔ پر سناٹا کے حساب سے بھی وہ بہت زبردست انسان تھا پھر کئی سالوں سے باہر سہیل بھائی کے ساتھ رہ رہا تھا وہ اس کی ہر طرح کی گواہی دے رہے تھے مگر اس کے باوجود اب کوئی فیصلہ نہیں کر پارہی تھی ماموں اس سے ایک دو بار اس کی مائے مانگ چکے تھے مگر وہ ہر بار انہیں مٹا رہی تھی۔

دوسری طرف عادل کی فون کا لڑا اور دھمکیوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا وہ عجیب مصیبت میں خور کو گرفتار محسوس کر رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح اس مسئلے کو حل کرے۔ کبھی مٹی چاہتا ہے کہ جناب چھوڑ دے اور کبھی قتل دیکھ دیتی اور سب حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر اکساتی تھی۔

دو تین دن سے وہ اور ہادیہ لیٹ آف ہو رہی تھیں۔ اس وقت بھی آفس سے نکلتے نکلتے مغرب ہوئی تھی ہادیہ نے اسے آدھیر سے تنک ڈراپ کر دیا تھا پھر یہاں سے ریشم لے کر وہ رو رہا تھا جاتی تھی۔ وہ ریشم کے انتظار میں کھڑی تھی اس کی بیک پر پراپرٹی اسٹیٹ انجنی کی بہت بڑی بلڈنگ تھی ابھی اس کے سامنے گاڑی آرہی تھی۔

”آ جاؤ میں ڈراپ کر دوں گی۔“ وہی مخصوص انداز تھا اب وہ نے نفرت سے چہرہ موڑ لیا۔ آج کل اسے یہ عورت دنیا کی انتہائی کریم، مکروہ اور بد صورت عورت لگتی تھی۔

”میں تمہیں بہت وقت دے رہی ہوں اس لیے کہ تم کام کی لڑکی ہو رہی ہو۔ میں نے کبھی کسی کے اتنے نخرے سہے ہیں اور نہ ہی کسی کو اس کی اوقات سے بڑھ کر اس پر دیکھ دی ہے کم آن یاں اسمٹل ہانٹ کر ڈیل کر لیتے ہیں جو تمہاری ڈیمانڈ ہوگی بے کرہوں گی۔“ عادل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی یہ سب کہہ رہی تھی۔

”میں نے تمہیں پہلے دن بھی نہ کہا تھا اب کچھ کہتی ہوں اور آئندہ بھی میرا یہی جواب ہوگا۔ میں تمہارے کسی بھی شیطانی عمل میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔ تم نے جو کرنا ہے کرو میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔“ اس نے بہت نفرت سے کہا تھا۔ عادل گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔

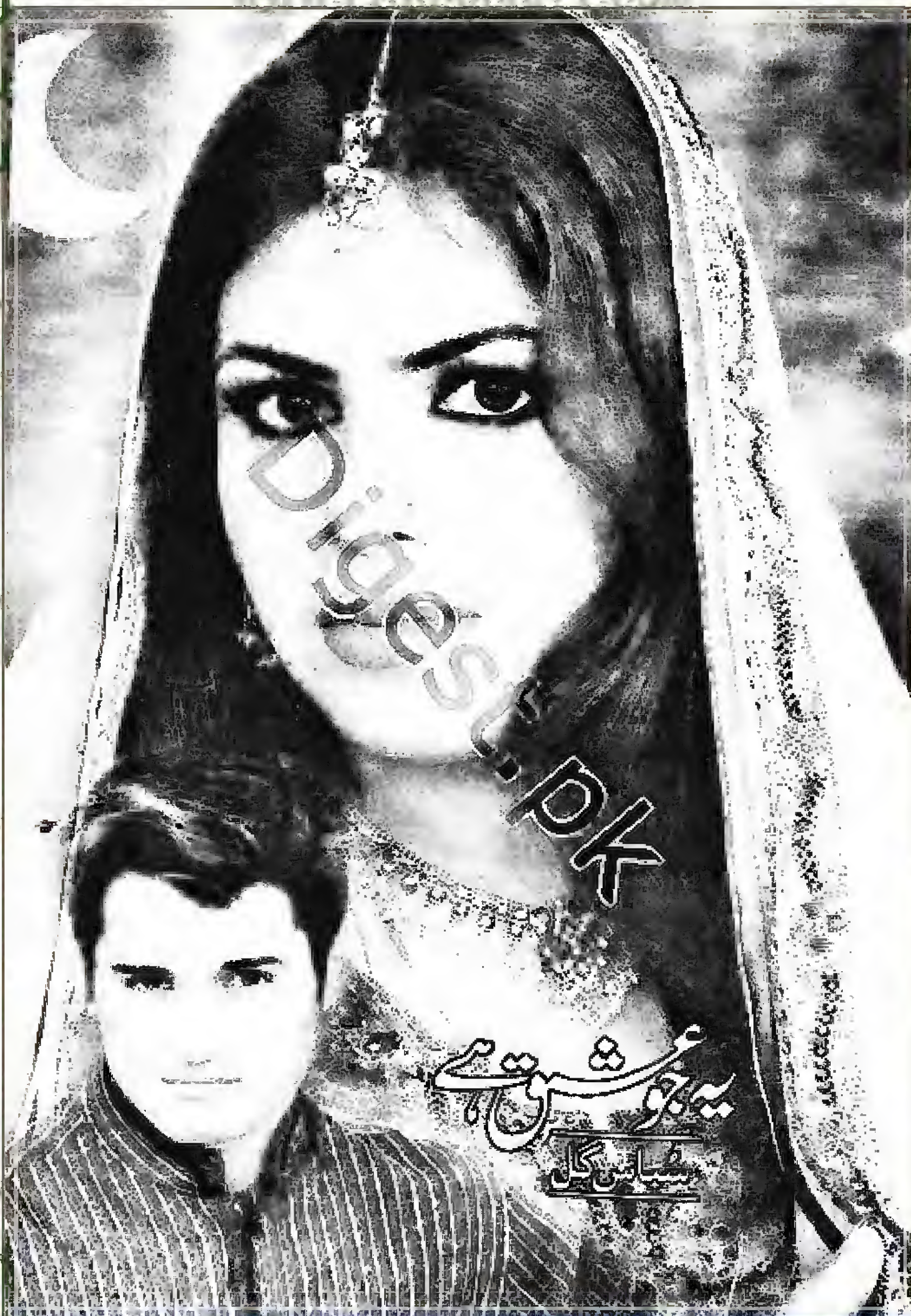
”جانتی ہو تمہیں تمہاری یہ اکثر بہت جگہ بھی پر سکتی ہے۔“ انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔

”تم ہو کیا ایک گندی، غلیظ عورت، اجازت جو کرنا ہے کرو، اب بعد کوئی عام لڑکی نہیں سبب“ بخیر فرمایا اس نے بھی خنکی سے کہا۔

”اور پوشٹ اپ۔“ اس نے اس کا بازو پکڑ کر دھکیلا تھا۔ عادل اپنی گاڑی کے ساتھ جا کر ٹکرائی تھی۔

(ان شاء اللہ پاتی آئندہ بار)





پیشہ ورانہ
تربیت

وہ فاصلہ تھا دعا اور مستجابی میں
کہ دھوپ مانگے جاتے تو ابر آ جاتا
وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو خبر آ جاتا

عروہ کے تو پیسے چھوٹ رہے تھے اپنے ارد گرد بھی سفودی اور میک اپ زدہ عیروں والی ماڈرن لمبوس سے آراستہ لڑکیوں کو دیکھ کر کسی کی کمر آدھی جھٹک رہی تھی تو کسی کی چند لیاں اور سیلو لیس بازو دعوتِ نظارہ پیش کر رہے تھے ہمیشہ اسٹائل الگ تباہ کن اس پران کی اداسی قاسم زادہ اور ان کو دیکھ کر گستاخ کہ وہ کسی نوکری کی نہیں بلکہ رشتے کی تلاش میں آئی ہیں۔

”یہ لڑکیاں یہاں انٹرویو دینے آئی ہیں یا ملازمت اور مقابلہ حسن میں حصہ لینے تو بہ تو بہ لڑکی ہو کر میرے پیسے چھوٹ رہے ہیں انہیں دیکھ کر تو مردوں کا کیا حال ہوگا؟“ عروہ دل ہی دل میں باتیں کر رہی تھی کہ بیون نے اس کا نام پکارا وہ انٹرنٹ ہو کر بیٹھ گئی۔

”عروہ جمشید آپ تیار رہیں اگلا نمبر آپ کا ہے۔“ چہرہ اسی سے نکلا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”عروہ جمشید ان ماڈرن حسیناؤں میں تو ہماری والی نہیں گھٹنے والی کہاں یہ مغربی لمبوس میں انٹرویو لڑکیاں اور کہاں تم ڈری سہی لڑکی! تمہارے عہد یا اور اسے کراؤ کو اس کپڑی میں جگہ نہیں ملنے والی بہتر ہے کہ تم خوار اور انکار دینے سے پہلے ہی یہاں سے نکل لو۔“ عروہ نے دل ہی دل میں کہا اور اپنا شولڈر بیگ اور فائل اٹھا کر کھڑی ہو گئی جو نمئی وہ دروازے کی سمت بڑھی چیز اسی نے اسے واز دی۔

”عروہ جمشید! آپ کی باری ہے انٹرویو کی۔“ اندر جائیے۔“

”اُف..... مارے گئے اب تو جانا ہی پڑے گا یا اللہ عزت رکھنا۔“ عروہ زیر لب بڑبڑائی اور دروازہ شریف پر دھکی

”استقام خلیفہ کم سر!“ عروہ نے آفس میں موجود تینوں مرد حضرات کو دیکھتے ہوئے سلام کیا جن میں کپڑی کا مالک احسن ریاض، منیر اکرام بھٹی اور مارکیننگ سپروائزر شام اللہ بیگ موجود تھے۔ بڑی سی میز پر تین ٹیلی فون رکھے تھے پچھلے فائلز ٹھیس سپروائزر اور پانی کے گلاس مشرل دائر کی بوتل ٹشو کاؤبہ چین ٹیس اور ایک گلدان تھا۔ عروہ میز کا جائزہ لے رہی تھی اور انٹرویو سٹیل کے ادا کیم عروہ کا جائزہ لے رہے تھے جس نے سیاہ رنگ کا عہد یا پہن رکھا تھا اور گرے رنگ کا اسکرٹف اوڑھ رکھا تھا صرف اس کا چاندنی بکھیرنا خوب سمورت چہرہ دکھائی دے رہا تھا وہ بھی میک اپ سے مبرا۔

”جی تو عروہ جمشید نام ہے آپ کا۔“ درمیان میں بیٹھے کپڑی اور احسن ریاض مخاطب ہوئے۔

”جی سر اور یہ میری فائل ہے۔“ عروہ نے جواب دیتے ہوئے اپنی ہی وی والی فائل ان کی جانب بڑھا دی۔

”اسے آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔“ جواب آیا۔

”آپ دیکھیں گے نہیں۔“

”آپ کو دیکھ لیا ہے..... کافی ہے۔“ احسن ریاض نے کہا۔

”جی.....!“ عروہ نے خیرنگی سے انہیں دیکھا۔

”آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔“

”لیکن سر! آپ نے میرا انٹرویو تو لیا ہی نہیں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ احسن ریاض نے جواب دیا۔

”ضرورت نہیں ہے تو آپ نے ٹھیکے پادیا کیوں تھا؟“

لہجے میں کہا تو احسن ریاض نے بمشقیں اپنی انسی ضبط کی۔
انہیں اس سے قطعاً یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس طرح ان پر برس
پڑے گی وہ تو اسے ایک سیدھی سادی اور ڈری ہوئی لڑکی
سمجھتا تھا۔

”آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔“ ثناء اللہ بیگ نے
کھڑے ہو کر تیز لہجے میں کہا۔

”جانب تو تمہارے بڑے بھی دیں گے بڑھے۔“ عروہ
نے دل میں کہا۔ عروہ غصے سے بھٹائی ہوئی باہر نکلی تو لڑکیوں
کو تجسس پایا اندر سے آتی ان کی آواز سن کر وہ دروازے کے
قریب ہی آگئی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ ایک لڑکی نے پوچھا۔

”بھگڑا ہو گیا؟“ دوسری نے سوال کیا۔

”کیا پوچھتا تھا؟“ تیسری کی آواز سنائی دی۔

”کچھ نہیں ہوا بس ان کی شرمست آتے آتے رہ گئی
جانتے نہیں ہیں یہ مجھ سے بڑے کبھی کے مالک۔“ عروہ
غصے سے لال ہوئی بولی۔

”سرا بہت غصے میں ہیں نا۔“ ایک لڑکی نے پوچھا۔

”شکر کریں کہ میں اپنے اصل غصے میں نہیں آئی ورنہ سر
جی کا سران کے دھڑ پر سفاقت نہیں رہتا آج۔“ عروہ نے
تپے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”آپ لوگ جاسکتے ہیں انٹرویو اب پیر کو ہوگا آپ
جب ہی آئیے گا۔“ منیجر اکرام بھٹی نے آکر ان سب لڑکیوں
کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اونو.....“ سب لڑکیوں کو مایوسی ہوئی اس اعلان سے
ان کو فحشوں ہو رہا تھا کہ اتنی تیاری کی اتنا انتظار کیا اور اب
انٹرویو کنسل ہو گیا پرسوں پھر ٹاپڑے گا۔

”دیکھا ڈراما سی بات پر کیسے بوکھلا گئے تینوں صاحبان!
انٹرویو ہی کنسل کر دیا ڈر گئے ہوں گے کہ اگر علیا میں نظر
آنے والی سیدھی سادی لڑکی ان کو کھڑی کھڑی سنا سکتی ہے تو
یہ ماؤرن لڑکیاں تو انہیں چٹکیوں میں اڑا دیں گی۔“ عروہ دل
ہی دل میں خود سے باتیں کرتی ہوئی گیٹ سے باہر آگئی۔

تھم امیدواروں کی سی دی اور دیگر ضروری

”کیونکہ ہم نے آپ کو دیکھا نہیں تھا ہمیں اپنی مانی مشعل
کپنی کے لیے ٹیریٹری کنسٹنٹ کی ضرورت ہے کسی لڑکی
ہر سہ کی معلقہ کی ضرورت نہیں ہے آپ نے اپنا حلیہ دیکھا
ہے مس عروہ؟“ احسن ریاض نے اس کے چہرے کو دیکھتے
ہوئے بہت بے رحمی سے کہا۔

”کیوں کیا خرابی ہے میرے حلیے میں؟“ عروہ کو اپنی
بے عزتی محسوس ہو رہی تھی بہت مضطرب کر کے پوچھا تو منیجر
اکرام بھٹی نے جواب دیا۔

”ایسا لگتا ہے جیسے آپ تبلیغ کے لیے گھر سے نکلی ہیں
کوئی مانی مشعل کپنی جو ان کرنے کی آپ کی اہلیت نہیں
ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ کسی مذہبی جماعت یا مدرسے کو
جوائن کر لیں۔“

”مشورے کا بہت بہت شکر یہ۔“ عروہ اپنی فائل اور
شولڈر بیگ سنبھالتے ہوئے کھڑی ہوئی اور ان تینوں کو
خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اور رہی بات اہلیت کی تو مسٹر ایکس والی زید! آپ
نے اخبار میں اس جانب کے لیے جواشتہاد دیا تھا میری تعلیم
اس پر پورا اترتی ہے جنہیں میں یہاں انٹرویو دینے آئی تھی لیکن
شاید آپ کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے آپ کو اپنا کام
دھندہ چلانے کے لیے کسی اور سی چیز کی ضرورت ہے جو واقعی
مجھ میں نہیں ہے۔“

”آپ نے باہر انٹرویو کے لیے آئی ہوئی لڑکیوں
کو تو دیکھا ہے نا۔“ اکرام بھٹی نے اس کو دیکھتے ہوئے
استغفار کیا۔

”میں نے دیکھا ہو یا نہیں آپ لوگ انہیں دیکھ کر کچھ کر
ضرور اپنی آنکھیں سینک رہے ہیں اور شاید آپ کو ایسی ہی
بے حجاب اور بے باک لڑکیوں کی ضرورت ہے جو آپ
کے کلائنٹس کو ادا نہیں دیکھا کر انہیں رجھا رجھا کر آپ کے
بزنس میں اضافہ کر سکیں..... ہے نا تو دیکھتے رہیے ان شاء
اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے آپ لوگ اور وہاں آپ کا
روسٹ بنے گا اور جنہیں اس پر ایمون نہیں سرکہ چھڑک کر
کھائیں گے پھر آپ کو پتا لگے گا۔“ عروہ نے تیز اور غصیلے

دستاویزات کی فوٹو کاپی کی ایک ایک فائل آنس میں موجود تھی، حسن ریاض نے عروہ جمشید کی فائل نکال کر دیکھی اس کی تعلیمی اسناد کی نقل اور سی دی دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ واقعی اس جاب کی اہل تھی بلکہ اس سے اچھی جاب اسے آفر کی جاسکتی تھی۔ عروہ نے ایم بی اے اور ماسٹرز ان کمپیوٹر سائنس کیا تھا وہ بھی اچھی ڈویژن میں کچھ شادیت کو سرسبز بھی کر رکھے تھے عمر 23 سال تھی۔

”ہوں..... واقعی وہ بہت سمجھ دار ہے۔“ حسن نے زیر لب کہا اور اس کے غصے میں برسنے کی صورت حال یاد کر کے مسکرا دیا۔



جمشید رضوی اور اسماء جمشید کا تعلق متوسط گھرانے سے تھا جمشید رضوی محکمہ انہار میں کلرک تھے۔ عروہ ان کی انگوٹھی بیٹی تھی جو شادی کے دس سال بعد پیدا ہوئی تھی اور جمشید رضوی کی آنکھیں کا تار اور دل کا چھین تھی جمشید رضوی اور اسماء نے عروہ کو اپنی تعلیم دلوائی تاکہ وہ اپنے حیروں پر کھڑی ہو سکے کسی کی محتاجی نہ ہو اسے لیکن قسمت کی ستم ظریفی دیکھنے کہ عروہ کے والد جمشید رضوی اپنا تنک دل کا عروہ پرزنے سے انشغال کر گئے اور اسماء اور عروہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ جمشید رضوی کے بھائیوں نے اس گھر پر جس میں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتے تھے اپنا حق جٹا دیا ہوا اسماء کو گھر خالی کرنے کا حکم دیا۔ اسماء نے انکھیں کھیں ہاتھ جوڑے مگر انہوں نے ایک سنی اور ہلا خرا نا عروہ کو لے کر اپنے بھائی دلیاس بیگ کے گھر آ گئیں ان کا بیٹا عرفان تھا جو تین سال پہلے وہی گیا تھا وہاں جا کے شادی بھی کر لی تھی اور پیسہ کرھر والوں کی خبر تک نہ لی تھی اس کے بعد سفید بھی اور سفید سے چھوٹی سفید بھی اور اس سے ایک سال چھوٹی موٹا بھی وہ دونوں کانچ میں پڑھ رہی تھیں۔ پڑھائی کم تھی جبکہ فون پر ڈیٹنگ اور سوشل میڈیا سے سب شپ ان کے گھر آنا جانا زیادہ تھا۔ دلیاس بیگ کا جنرل اسٹور تھا جس سے بمشکل ہی گزارہ ہوتا تھا اور اسماء کے عروہ کے ساتھ آنے سے سیرے نہ تو ٹوب تاک بھوں چڑھائی تھی لیکن دلیاس بیگ نے گھر کا ایک کمرہ

ان ماں بیٹی کو دے دیا تھا جہاں وہ اپنے گھر کا جتنا ضروری سامان لاسکتی تھیں لے آئیں باقی بچ دیا۔ ان کے پاس زیادہ رقم بھی نہیں تھی کہ وہ سالوں پیشہ کرکھائی راتیں۔ جمشید رضوی مرحوم کی پنشن کا آسرا تھا بس اس مہنگائی میں اسماء نے عروہ کی شادی کے لیے کچھ بستر برتن خرید رکھے تھے اور زیور تو اپنی بیٹی شادی کا تھا جو کے لگتا تھا کہ ان مہرے وقتوں میں بیک جانے گا وہ عروہ کی تعلیم پر خرچ کر کے ہی مطمئن تھیں کہ جہیز سے اچھی تعلیم انہوں نے اپنی بیٹی کو دلوائی ہے۔ اسماء کے دل میں بہت ارمان تھے کہ ان کی بیٹی کی شادی کسی امیرزادے سے ہو ان کی عروہ بڑے گھر میں رہن بن کر جائے۔ وہ خود ساری زندگی بڑے گھر کے خواب دیکھتی رہیں بڑی گاڑی میں گھومنے کا سہرا کبھی پورا نہ ہو سکا اس ایک محنتی سی مگر ہندھی تنخواہ میں صرف گھر کے اخراجات بجلی، گیس، ٹیلی فون کے بل ہی بمشکل پورے ہوتے تھے وہ بچت کر کے بھی تنگ آ جاتیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جمشید رضوی کو مہینے کے آخر میں کسی دوست یا عزیز سے اوہار رقم لینا پڑ جاتی اسماء بعض دفعہ بہت بدلتی ہو کر رہتیں۔

”بھاری تو قسمت میں ہی نہیں ہے دیکھا پہنچا اور دھنا اوروں کی بیویوں کو دیکھا ہے کیسے سونے کی چوڑیاں چڑھائے پھر لی ہیں اور ایک میں ہوں یہاں کانچ کی چوڑیاں بھی نصیب نہیں ہیں۔“

”ارے تو کانچ کی چوڑیاں خریدنے سے کس نے منع کیا ہے۔ ارے نیک بخت اللہ کا شکر ادا کیا کر کہ اس نے ہمیں انھوں لوگوں سے اچھے حال میں رکھا ہے کیسے بھی لوگ ہیں جنہیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے تن پر پڑا ہے نہ نہر پر اپنی تھست۔ یہ پانچ مرلے کا مکان ہمارے لیے پارک کمال کے برابر ہے اس طرح ہاشمیری نہیں کرتے۔ دعا کیا کر کہ اللہ ہماری بیٹی کے نصیب میں وہ ساری آسائشیں اور خوشیاں لکھ دے جو ہمیں میسر نہیں ہیں۔“ جمشید صاحب نرمی سے کہتے۔

”خالی خولی دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا وہ بھی کرتا پڑتی ہے دنیا کے حساب سے چلتا پڑتا ہے دنیا کے طور طریقوں کو

اچانا پڑتا ہے جب کہیں جا کے کچھ ملتا ہے آپ تو بس قناعت پسندی کا درس دیتے رہا کریں! کما جوتیں سکتے لاکھوں۔" اسماء ان کی بات پر سلیک کر کہیں غمزدہ ان کی باتوں کا ٹھکانہ نہیں مانتے تھے بہت نکل اور نرمی سے انہیں سمجھاتے تھے۔

"اسماء بیگم! دنیا کے راستے پر چلنے سے صرف دنیا ہی ملتی ہے اور دین کے راستے پر چلنے سے دین اور دنیا دونوں ملتے ہیں۔ ہمیں دنیا کے نہیں دین کے طور طریقوں کو اپنانا چاہیے جو ہمیں دنیا اور آخرت میں سرخرو رکھے دنیا داری میں پڑ کر دین داری ایمان داری کو بھول جاتا تو ایسے ہی ہے جیسے ہم نے اپنا مسلمان ہونا بھلا دیا ہے۔"

"تو یہ ہے آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے مولویوں کی طرح واعظ دینے لگتے ہیں۔" اسماء چڑ کر کہیں اور وہ ہنسنے لگتے۔

اسماء کو اب ساری باتیں یاد آ رہی تھیں اور وہ شوہر کی جدائی کے غم میں آنسو بہا رہی تھیں، جمشید رضوی نے ہمیشہ ان کا بہت خیال رکھا تھا وہ بہت اچھے شوہر تھے۔ بہت اچھے باپ تھے اور اپنے محکمے کے ایک ایمان داری اور محنتی ملازم تھے۔

"الیاس ہمارا اپنا کیا کم خرچ ہے جو آپ کی بہن اور بھانجی بھی یہاں آن لسی ہیں۔" اس دن سید اپنے شوہر سے کہہ دی تھیں جب غمزدہ نے اتفاق سے ان کی باتیں سن لی وہ ابھی گھبرا آئی تھی۔

"سیلبر تم جانتی ہو نا کہ اسماء کا میرے سوا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔" الیاس نے جواب دیا۔

"جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا خدا ہوتا ہے خدا کی زمین بہت بڑی ہے یہ کہیں بھی جاسکتی ہے بس آپ انہیں یہاں سے چلنا کریں۔" سیلبر نے بے رحمی سے کہا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو تم وہ کہتے ہیں میری اور صرف کھانا ہی تو کھارہی ہیں وہ ماں بھی یہاں اور کون سے خرچے ہیں ان کے نور وہ کام میں بھی ہاتھ بٹاتی ہیں تمہارا کیا لیتی ہیں؟" الیاس بیگ نے تیز لہجے میں کہا۔

"آج نہیں لیتیں کل تو نہیں گی ناں! کپڑے جوتے سب کچھ اور پھر عروہ کی شادی بھی آپ کے سر پڑ جائے گی

کریں گے بھانجی کی شادی؟ ہونہ اتنی اوقات اور حیثیت ہوتی تو اب تک کم از کم اپنی بڑی بیٹی کی شادی تو کر چکے ہوتے تین تین بیٹیاں بیاہتی ہیں تو کس نہیں آتا کیسے ہوگا یہ سب؟" سیلبر نے غمی سے کہا۔

"اللہ مالک ہے سب ٹھیک ہو جائے گا تم غم نہ کرو اور رہی بات عروہ کی تو اس کی ڈگریاں بہت شاندار ہیں وہ جواب کے لیے کوشش کر رہی ہے ان شاء اللہ اسے جلد ہی کوئی اچھی جاس بٹل جائے گی اور پھر وہ اپنا اور اپنی ماں کا خرچ خود اٹھانے قابل ہو جائے گی ہم پر بوجھ نہیں بنے گی تم اس مسئلے میں ان کو پریشان مت کرنا۔" الیاس بیگ نے سنجیدگی سے سمجھایا تو بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔

"ٹھیک ہے اللہ کرے اسے جلد نوکری مل جائے اور وہ تو ہے ہی اتنی حسین کے کوئی بھی کہنی اس کے حسن کو دیکھ کر ہی اسے ملازمت پر رکھ لے گی۔"

"تم بھی پتا نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔" الیاس بیگ نے ان کی بات پر تاسف سے کہا۔

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے؟ کل ہر انسان اپنی ہر خوبی کو پیش کر رہا ہے اور دوسرے کی خالی اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔" سیلبر نے تیزی سے کہا۔

"تم عروہ کو نہیں جانتیں کیا وہ اس مزاج کی لڑکی نہیں اور وہ حجاب بھی کرتی ہے۔"

"پاگل ہے وہ تو میں سمجھاؤں گی اسے وہ تو چنگی ہے اسے کیا پتا کہ دنیا کیسے ہے کیا چاہتی ہے؟ یہاں کے کس طرح اڑیل کرنا ہے؟ بے دقوں اور بھولے بھالوں کے لیے یہ دنیا ہمارے لیے ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے یہاں غلام بن کر رہے تو ساری زندگی دوسروں کی غلامی کرتے ہی گزر جائے گی۔ حاکم بننا سیکھو پیسہ ہاتھ میں ہوگا تو سب تمہارے پیچھے ہوں گے لوگوں کو رہنا محتاج بناؤ خود ان کے دروازے کا بھکاری نہ بنو۔" سیلبر نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا اسی وقت اسماء بھی لاؤنج میں آ گئیں تو سیلبر کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں بھابی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ہر انسان کو اپنی ہر خوبی اور دوسرے کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

”عمر..... تیس بیس سال ہوگی۔“ عروہ نے اندازہ لگاتے ہوئے بتایا۔

”اس کا مطلب ہے تمہارا کام بن سکتا ہے۔“ سلیم نے خوش ہو کر کہا۔

”کیسا کام؟“ وہ سمجھ کر بھی انجان بنی تھی۔ وہ ان پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے۔

”بیٹا تو مری کا تمہیں وہاں جاب نہیں کرنی کیا؟“

”نیلن مائی! انہوں نے مجھے ریجنٹ کر دیا۔“

”کیوں ریجنٹ کیا اس کی وجہ بھی تم جانتی ہو؟“

”جی۔“ اس نے عیاں اترتے ہوئے کہا۔

”تو بس تم اس وجہ کو دہر کر دو۔“ اسماء نے کہا۔

”اُمی! میں تجاب چھوڑ دوں۔“ وہ حیران ہوئی۔

”بیٹا پردہ تو تمہاری عقل پر پڑا ہے تمہارے سنا تو ہو گا تاکہ

کھاؤ من بھاتا اور پہنو جگ بھاتا تمہیں بھی وہ لباس پہننا

چاہیے جیسا آج کل فیشن میں ہے اپنی اس سادگی کا نتیجہ تم

نے آج دیکھ ہی لیا ہے تمہیں نہیں نے دیکھتے ہی رو کر دیا

تمہاری عقل کی قابلیت ذہانت اور یہ ڈگریاں دیکھنا تک پسند

نہیں کیس اور تم ان کی مضمون گوئی سن کر ان سے جھگڑا کر

آنکھیں تو سوچو اور کون دے گا تمہیں ملازمت؟“ اسماء نے

اسے نہایت سنجیدگی سے حقیقت کا آئینہ دکھایا۔

”پرائی میں ان لڑکیوں جیسی نہیں بن سکتی ملازمت کے

لیے اپنی آن و عزت داؤ پر نہیں لگا سکتی۔“ وہ مغل کر بولی۔

”لو اور سنو! ارے عزت داؤ پر لگانے کو کون کہہ رہا ہے

ہم تو یہ سمجھا رہے ہیں کہ موقع کو گنواؤ مت قائدہ افشاؤ

اپنے حسن و جمال کا اپنی قابلیت کا دو چار دن تا تک کرنا

پڑے گا پھر خود ہی عادت ہو جائے گی۔“ اسماء نے لڑچ

ہو کر کہا تو سلیم کہنے لگیں۔

”اُف تو بہ ہے آپ دونوں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“

عروہ نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر

اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”سمجھاؤ اسے گولڈن چانس ہے اس سے فائدہ اٹھائے

جیسی اس کمپنی کی ڈیمانڈ ہے ویسے بن کر وہاں جائے۔“

”بالکل! شکر ہے تم تو میری بات سمجھ گئی۔“ سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسماء نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ای جگہ تو بہت اچھی تھی مگر جاب نہیں ملی۔“ عروہ نے

اپنی کیفیت کو دل کو قابو میں رکھتے ہوئے لاؤنج میں قدم رکھا

ایسا صاحب اب اٹھ کر جا چکے تھے۔

”ہائیں..... کیوں نہیں ملی جاب؟“ سلیم نے تھوڑی

ہکا کر حیرت سے پوچھا۔

”احسن ریاض نے میرا انٹرویو ہی نہیں لیا ان لوگوں کو

کوئی فیشن ہیل ماڈرن اور ہونڈ لڑکی چاہیے سمجھتے تو عیاں

میں دیکھتے ہی موصوف نے ریجنٹ کر دیا۔ پڑا آ یا کمپنی کا

مانگ بد تمیز ہے جیسا کہیں کا ماڈرن لڑکیاں تو وہاں بہت تھیں

میرا تو ایسا جھگڑا ہوا اس احسن ریاض اینڈ کمپنی سے کہ

انہوں نے سب کے انٹرویو کنسل کر دیئے اب پرسوں

دو پارہ وہ لڑکیاں پارکر کا خرچہ کر کے انٹرویو دینے اپنی قسمت

آزمائے جا رہی ہیں۔“ عروہ نے صوفے پر بیٹھ کر ساری

رو دو اسناٹے ہوئے کہا تو سلیم اور اسماء نے ایک دوسرے کو

دیکھا پھر اسماء کہنے لگیں۔

”تو تم بھی وہاں دوبارہ جاؤ گی۔“

”اُمی! اول تو چاہ رہا ہے کہ احسن ریاض کی کمپنی میں یہ

جاب ملے کر دکھاؤں اسے پر کیسے؟“

”میں بتاتی ہوں کیسے؟“ سلیم نے کہا تو وہ ان کو

دیکھنے لگی۔

”سہیل! تمہارا ایسا میک کرے گی کہ تم خود حیران رہ جاؤ

گی اور احسن ریاض تمہیں پہچان ہی نہیں سکے گا۔“

”نیلن میرے نام سے تو وہ مجھے فوراً پہچان لیں گے۔“

”ارے میری بھولی بچی! جب احسن کی روشنی ان

کی آنکھوں کو خیرہ کرے گی تو وہ نام و نام سب بھول

جا جائیں گے۔“ سلیم نے مسکراتے ہوئے مٹھاس

بھرے لہجے میں کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ اس احسن کی عمر کتنی ہوگی؟“ سلیم

نے پوچھا۔

سیلمہ نے اسما کو دیکھتے ہوئے کہا تو اسما نے سر ہلا دیا۔



عروہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی نیند آنکھوں سے دور نجانے کہاں بھٹک رہی تھی اسے سیلمہ مائی کی باتوں نے دکھ دیا تھا لیکن اپنی ماں کا بھی مائی کی باتوں سے متعلق ہونا اسے اندر سے توڑ گیا تھا۔ کیا غربت اور بے گھری اتنا بڑا عذاب تھا کہ اس کے لیے سنگے رشتے خون کے رشتے ماں جیسا رشتہ اپنی بیٹی کو اپنے حسن کی قیمت لگوانے پر مجبور کر دے؟ یہ تو وہ سمجھ گئی تھی کہ مائی ان ماں جی کو زیادہ دن بنا جسے کے برداشت نہیں کر سکی اور باکی پنشن میں فی الحال تو وہ گزارہ کر رہی تھیں لیکن اگر انیس بے گھر بھی چھوڑنا پڑا تو وہ کہاں جائیں گی؟ اکیلی عورت کے لیے تو اس معاشرے میں کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

”ہم ماسوں مائی کا احسان کب تک اٹھائیں گے؟ مائی تو ہمیں یہاں زیادہ دن نہیں تھکتے دیں گی اگر میری اجاب نہ لگی تو ہمیں بے عزت کر کے اس گھر سے نکال دیں گی اور ہمارے واحد خون کا رشتہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ تاپا اور چاچا نے تو لبا کے مرتے ہی ہم سے ہر رشتہ توڑ لیا تھا اگر یہ رشتہ بھی نہ رہا تو ائی اور میں اس دنیا میں اکیلے رہ جائیں گی۔ شکر ہے میں ائی اور باکی دھکائی اولاد ہوں اگر چار پانچ بچے ہوتے تو مائی نے تو ہمیں دو دن میں یہاں سے باہر نکال دینا تھا۔ عروہ نے دل میں سوچا اور بے چینی کے عالم میں اٹھ کر باہر صحن میں چلی آئی اور تپالی پر رکھے دائر کالر میں سے گھاس بھر کے وہیں بیٹھ کر پینے لگی۔

”عروہ کیا ہو بیٹا؟“ اسما بھی سوئی نہیں تھیں اس کی بے چینی دیکھ رہی تھیں وہ باہر آئی تو خود بھی پیچھا آئیں۔

”کچھ نہیں ائی ایسا لگ رہی تھی۔“ وہ خالی گھاس تپالی پر رکھتے ہوئے بولی۔

”نیند نہیں آ رہی نا میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ اپ سیت ہو۔“ اسما نے پیار سے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ ان کے شفقت چہرے کو دیکھنے لگی۔

”ائی ہم ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتے نا۔“ عروہ نے سنجیدگی

سے کہا تو گھر اسانس لے کر بولیں۔

”ہاں ہمیں ہمیشہ یہاں کون رہنے دے گا بھلا؟ یہ گھر ہمارا تھوڑی ہے۔“

”تو ائی! پھر ہم کہاں جائیں گے؟“

”ہاں نہیں بیٹا میں نے تو بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم پر یہ وقت بھی آئے گا کہ ہم لوروں کے در پر پڑیں گے۔ میں نے تو بہت بڑے گھر کے خواب دیکھے تھے ہر وقت بڑا گھر بڑی گاڑی اور ڈھیروں دولت کی تمنا کرتی تھی اور تمہارے ابو مجھے سمجھاتے تھے کہ قناعت پسندی اختیار کرنا جو مل رہا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرو مگر میں ناشکری ہی رہی شاید اسی لیے اللہ نے مجھ سے وہ چھوٹا گھر بھی واپس لے لیا یہ سزا ہے میری ناشکری کی۔“ اسما نے ہنسی آواز میں کہا تو عروہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں تسلی دینے لگی۔

”ائی! آپ ایسا مت سوچیں ان شاء اللہ سب اچھا ہوگا۔“

”کیسے ہوگا اچھا کون کرے گا اچھا؟ ہر وقت قناعت کا درس دینے والے خود تو ملک عدم سدھار گئے اور ہمیں یوں بے گھر بے در کر کے رکھ دیا بڑا گھر تو کیا بناتے وہ ہمارے لیے وہ گھر بھی گیا۔“

”ائی پلیز لبا کے بارے میں ایسے تو مت کہیں وہ اس دنیا میں نہیں ہیں مرنے والوں کو اتنے لفظوں میں یاد کرنا چاہیے۔ ابائے کیا نہیں کیا ہمارے لیے میرے لیے انہوں نے وہ سب کیا جو ایک باپ کو کرنا چاہیے اعلیٰ تعلیم دلوائی اتنی شاندار ڈگریاں دلوائیں۔“ عروہ نے تڑپ کر کہا وہ اپنے لبا سے بے حد محبت کرتی تھی ائی کو ان کے بارے میں منفی بات کہتے سن کر اسے دلی صدمہ ہو رہا تھا۔

”تو تم نے کیا کیا ان ڈگریوں کا؟“ اسما نے تلخی سے کہا۔ ”اتنی شاندار اور اعلیٰ تعلیم دلوائی اور تم نے ضائع کر دی ہزاروں روپے تمہاری تعلیم پر خرچ ہوئے ہزاروں بھی کیوں لاکھوں کہو اور تمہیں کمپیوٹر خرید کے دیا تم نے ان ڈگریوں کو بھی محتاج بنادیا کوئی ڈھنگ کی نوکری ڈھونڈ لی ہوتی تو ہمیں یہاں سے نکالے جانے کا بے

گھری کا خوف تو نہ ہوتا۔“

کرنے لگی۔

”عروہ اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے تم تو پہچانی نہیں جا رہی۔“ سونا نے عروہ کو تیار ہونے کے بعد دیکھا تو حیرت سے ستائشی لہجے میں بولی وہ مسکرا دی۔

”بھئی کزن یہ قیامت کس پر رونے جا رہی ہے؟“ عکینہ نے بھی اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے شروع لہجے میں کہا۔ اسما اور سلیمہ ہنس رہی تھیں۔

”دعا کرو یہ قیامت جس پر رونے دو خود لوٹ کر عروہ کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے۔“ سفینہ نے کہا تو سب ہنس دیں سوائے عروہ کے اس کا دل رور رہا تھا وہ یوں بے حجاب رنج سنور کر ایک غیر مرد کو چھانے جا رہی تھی یہ خیال ہی اسے خود سے نفرت کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

عروہ نے سیارٹ میں چار جیسٹ کا جدید ڈیزائن والا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ تنگ پاجامہ اور لمبا سی خراک جس پر سلور رنگ کا کام مکمل کر رہا تھا۔ نازک سا سنور فلر کا کاکٹ میڈ پیٹا تھا سلور اور سیاہ بڑی سی جڑاؤ انگلیاں سلور بریسلیٹ پہنے بالوں کو کھلا چھوڑ کر مزید فسوس خیز بنائے شاندار مینک اپ اور پرفیوم سے لہکتی سیاہ اسٹریپ والی جوتی پہنے وہ لہرا لگ رہی تھی۔

احسن ریاض کی کھنٹی کا بزنس کئی ممالک میں تھا وہ کامیاب بزنس میں تھا۔ انیس برس کا ہونے والا تھا مگر اب تک کٹوارہ تھا بزنس میں اتنا امن تھا کہ شاہی کی فرصت تھی نہ کوئی شخص بڑی ملی تھی جسے وہ اپنا شریک زندگی بنا لیتا جو بھی ملتی اس کی دولت کے لالچ میں ملتی اور احسن ریاض کو سچا اور خالص رشتہ چاہیے تھا بھوت اور فریب سے اسے سخت نفرت تھی۔

عروہ گھر سے بڑی سی چادر اوڑھ کر نکلی تھی ایسا بیگ اپنی بانگ پر اسے چھوڑنے جانا چاہتے تھے مگر سلیمہ نے منع کر دیا اور کشتے میں جانے کا کہا وہ تو عروہ کو کشتے میں بٹھا کر محفوظ جگہ چھوڑائے تھے۔ عروہ جو اسی جگہ دو دن پہلے بڑے دھڑلے سے اعتماد کے ساتھ آئی تھی آج اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں اس

”انی میں جاب ڈھونڈ تو رہی ہوں ہر جگہ لوگ سر سے پاؤں تک گھورتے ہیں اب میں ایسے بدنیت اور بد نظر لوگوں کے سامنے بے پردہ تو نہیں ہو سکتی نا۔“ عروہ نے بھینکی آواز میں کہا آنسو چلوں کی باز توڑ کے بہ نکلے تھے۔

”بس تو پھر بیٹھی رہو اپنی ڈگریاں لے کر کل کو جب اس گھر سے ہمیں نکالا جائے گا تو بچائیں اپنا پردہ رکھ لینا اپنی لالچ۔“ اسما نے نہایت غصیلے لہجے میں کہا۔

”تو آپ کیا چاہتی ہیں؟“

”میں چاہتی ہوں کہ تم احسن ریاض کی کھنٹی میں پھر سے انٹرویو دینے جاؤ اور ایسے ہی بن سنور کر جاؤ جیسے وہاں دوسری لڑکیاں آئی تھیں اور اپنے حسن کے بل پر یہ جاب حاصل کر کے ویسے آج اس نے تمہیں دیکھ کر بنا انٹرویو لیے تمہیں ری جیکٹ کر دیا ہے اسی طرح پرسوں وہ تمہیں دیکھ کر بنا انٹرویو کے تمہیں سلیکٹ کر لے۔“

”مگر امی.....“ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اسما نے سنا نہیں۔

”اگر مگر کچھ نہیں یہ میرا قسم ہے سمجھیں تم۔“ اسما نے اسی لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا اور کمرے میں چلی گئیں اور وہ وہیں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔



”مائی کل مجھے انٹرویو کے لیے جانا تھا آپ سفینہ سے کہیں کہ میرا میک اپ کر دے۔“ سناٹے کی میز پر عروہ نے سلیمہ سے کہا تو انہوں نے خوش گوار حیرت سے پہلے اسے پھر اسما کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیں۔ سفینہ نے عروہ کو دیکھتے ہوئے دلا رہے کہا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور کرے گی وہ تم دیکھنا اس جیسی اور نوکریاں بھی تمہارے قدموں میں ہوں گی ان شاء اللہ تمہیں تو اللہ نے حسن ہی اتار دیا ہے اس کی کشش سے یہ جاب بھی ہوئی تمہاری مچولی میں آگرے گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ اسما اور ایسا نے ایک ساتھ کہا تو وہ بمشکل مسکرا سکی ہوئے نظریں جھکا کر بے دلی سے ناشتا

سے آجہ انکری پڑھ کے خود پر چھوٹا اور بے رنگ دم میرا کر چادرا تاری تو ہر نظر اس پر اٹھی۔

”ہوں ہو..... آج تو نیا مال بھی آیا ہے۔“ چپڑا ہی نے اسے دیکھ کر دانت نکالتے ہوئے جملہ گھسیا تو عروہ کا دل چاہا کہ زمین پیٹھے اور وہ اس میں سما جائے۔

”اُف یہ مجھ پر یہ مشن ہی بھی انسان سے کیا کام کرواتی ہے یا اللہ میری مدد فرما۔“ عروہ نے دل میں کہا اور اتنے میں چڑا ہی نے اسے مخاطب کیا۔

”میں صبر! آپ انٹرویو کے لیے چاہیے۔“
 ”اے کے مینٹلس۔“ ”نورو نے خود کو مارا کرتے ہوئے کہا
 پورا نئی مثال اٹھا کر فیس میں داخل ہوئی۔

"جیلوسرا" عروہ نے مستکراتے ہوئے احسن ریاض کو دیکھا اس کے ساتھ آج صرف شیجر اکرام، بھٹی موجود تھا۔

”ہیلوس انعم! پلیز سٹ۔“ انھن مردوخ نے اسے انعم کے نام سے مخاطب کیا وہ سمجھ گئی کہ وہ اسے پہچان نہیں پایا۔

"خجھک پورے غمزدہ ہونے لگا۔
"سر میرا خیال کاشیں دیکھ لیتے ہیں۔" انکرام ہوتی ہے۔

آہستہ سے آہستہ کے کان میں کہا: "مردہ کو سنا لی تو دے گئی تھی۔
 کہ بات دیجوں ہی دل میں اسے صلوٰۃ پڑھ رہی تھی۔"

”جی سہا پ کی کوالیفیکیشن کیا ہے؟“ اس نے ریا میں بھی

اے پسندیدہ و مقروں سے دیکھ کر باغیاب گرام سبکی کی بات سن کر اس سے مخاطب ہوا۔

”ایک بچی اسے ایڈم ماسٹر ڈان کیسے ڈرہا تھا۔“
”گند تو آپ کیا کچھ کر سکتی ہیں؟“

”جی پوچھا تو آپ کرنے کا موقع دیں گے تو۔“
 ”بہت اعتماد ہے خود پر آپ کو۔“ احسن ریاض نے اس

کے جواب سے متاثر ہونے ہوئے کہا۔
 ”اعزادو! ہوتا تو یہاں تک نہ پہنچتی۔“ غرور نے اپنے

”آپ کتنی میلری ایکسپٹ کر رہی ہیں؟“

جناب! آپ کا دل چاہی۔ مگر وہ لے اسکی ریاضی

بتوالی 2014 ————— 2015

کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خراب دیا تو احسن ریاض جیسا
آدی بھی شپٹا گیا دل ایک لمحے کو تو جیسے بھڑکنے ہی بھول گیا
تھا۔ اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔

”گڈ! تھیک ہے، ہم آپ کو یہ باب دے رہے ہیں۔“
حسن ریاض نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی انٹرکام کا
ریسیور اٹھا لیا۔

”جھٹک پھر! جھٹک پوسوچ۔“ عمروہ نے خوشی سے کہلاتے
چہرے کے ساتھ کہا۔

”ہاں یاسر! باقی امید واردی کو واپس بھیج دو! معذرت کے ساتھ ریشمن ہو گئی ہے۔“

35. ہزاروں ہاتھ دیں گئے اور ہاتھ دیں چکے اینڈ ڈراپ اور

میں نے یوں فرمایا: "آپس پر پاش پاش کر کے اچھٹے ہوئے کہا۔"
"ابو!..." چھینک پھر۔ "غزوہ سے بڑھ جوش لگی میں کہا ہو۔"

یہ نام صاحب! آپ ان کا پانچواں نمبر ایئر تیار کر دیں

اور کیش لہ بھی بھجوا دیں ابھی۔ اس نے آکر ہم بھٹی سے کہا
تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور غرور کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”مبارک ہو مس! اعم!“
”اعم! انو! مس! جیشید... مس! عرو! جیشید!“ عرو! مس!

”واہٹ.....؟“ اس شخص نے ہنس کر کہا۔

[illegible]

”جی سر! میں ان عروہ جمشید آپ کو میرے چیلے پر

اعتراف اس تھا کہ تو مراد میرا حلیہ درست ہے تاہم دیکھنے پر سوں بھی آپ نے میری قابلیت نہیں دیکھی تھی میرا

ظاہر دیکھا تھا اور راج کی ایسا ہی ہوا ہے۔" عروہ نے
 تنہید کی سے کہا۔

”جی سراجاب میری مجبوری ہے لیکن آپ جیسے بڑے

PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTANI

ابھی آپ کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جیسی آپ کی جانب سے آپ کی ڈریسنگ بھی ویسی ہی شاندار ہونی چاہیے۔ آپ بہت مائڈن انگلیں مگر معقول انگلیں، مشرقی اور مغربی جو بھی ڈریسنگ کریں متوازن ہونی چاہیے۔ نمائش نہیں ہونی چاہیے کہ ہر شخص ڈک ڈک کر اور نظر بھر کر دیکھے۔" احسن نے اس کے میٹ سے بھانکتے بازوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا بلاشبہ وہ اپنے حسن چیکرہں سے احسن جیسے مضبوط اعصاب کے مالک کبھی آہستہ آہستہ تو ذرا ہی تھی۔

"مرا یہی تو میں بھی کہتی ہوں تھینک یو بہر تھینک یو سوچ" اب میں جاؤں سرا" وہ مسکراتے ہوئے جوش لہجے میں بولی۔

"جی جاتے ہوئے اپنا پائمنٹ لیٹر لپیٹا جائیے گا۔"

"لو کے سر تھینکس اگین۔" عروہ مسکراتے ہوئے تشکر بھرے لہجے میں بولی اور جانے لگی تو دروازے تک جا کر رک گئی احسن جو اس کی پشت پر پھیلے سیاہ بالوں کے جنگل میں گم تھا ہنک اٹھا۔

"مالی گاڈ ایہ لڑکی تھی یا کوئی سیاہ روپہ سوس کس روپہ میں آئی تھی اور آج کیا روپ دکھا رہی تھی اس دن دماغ ہلا گئی اور آج دل ہلا گئی سب تو احسن ریاض تم تو اپنی خیر من تو یہ لڑکی بہت جلد تمہیں چاروں شانے چت کر دے گی اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے کیونکہ کچھ تو ہے اس عروہ جمشید میں جو وہ یوں اپنا آپ منوانگئی۔" احسن ریاض نے زیر لب کہا اور اٹھ کر گلاس ونڈو سے باہر دیکھنے لگا جہاں عروہ سر سے پاؤں تک خود کو چاروں چھپائے جا رہی تھی وہ اس کے شوڈر بیگ اور فائل سے اسے پہچان گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے وہ سچ بولی رہی تھی اس نے اس جانب کی وجہ سے خود کو اتنا سچا سنوارا تھا وہ گاڈ! اتف ہے تم پر احسن ریاض تم نے ایک لڑکی کو اتنا مجبور کر دیا میں بھی کیا کرتا اپنے حلقہ اعصاب میں مائڈن اور بے باک لڑکیاں ہی دیکھی ہیں آج تک اس کی بچاؤ لڑکی سے میرا بھی واسطہ ہی نہیں پڑا تو میں نے تو بکواس کر لی تھی نا۔" احسن نے عروہ کو کوستے ہوئے خود کو صفائی بھی پیش کی۔

عروہ نے گھر جاتے ہوئے بازار سے سٹھائی اور چیزا

اور با اختیار لوگ بھی شاید صورت دیکھتے ہیں قابلیت نہیں اور چاہیں کتنی معصوم و مجبور لڑکیوں کو اپنے مزاج اور اپنی ڈگر سے ہٹ کر کچھ کرنے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ میں اپنی ماں کو بے گھر جوئے ہوئے نہیں دیکھ سکتی سرا! اس لیے سب پر وہ ہوئی مگر یہ مست سمجھنے کا کہ میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاؤں گی۔" عروہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا احسن ریاض شرمندہ سا ہو گیا کہ اس کی وجہ سے یہ لڑکی اپنا آپ اس حد تک بدلنے پر مجبور ہوئی تھی کہ وہ خود بھی اسے پہچان نہیں پایا تھا۔

"میں عروہ! ہماری ڈیپنڈنٹ اور میٹنگز غیر ملکی دفاتر اور کمپنیز سے رہتی ہیں اس لیے ہمیں ایسی سیکرٹری کم کنسٹنٹ کی ضرورت تھی جو ان کو اکوڑ نہ گئے۔" اکرام بھٹی نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سرا! اس میں اکوڑ گئے والی تو کوئی بات نہیں تھی! ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہیں ہمیں قارئین کے سامنے اپنے گھر اپنی روایات اپنے لباس کو پیش کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی جان سکیں کہ یہ لباس پاکستانیوں کی پہچان ہے۔ یہ اسلامی ملک کی عورت ہے مگر نہ جی ہم آدھے تھرا آدھے شیر بن گئے ہیں اپنی پہچان اپنے آپ ہی مٹاتے جا رہے ہیں۔" عروہ نے سنجیدگی سے کہا احسن ریاض خاموشی سے بس اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔ عروہ نے اس کی ٹھوس بات بھی تو شہنا کر بولی۔

"آئی ایم سوری سرا! میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔"

"نہیں آپ بہت اچھا بولتی ہیں اور بہت سچا بھی مجھے سچے لوگ اچھے لگتے ہیں امید ہے آپ پوری سچائی سے کام کریں گی۔"

"ان شاء اللہ سرا! احسن ریاض کی بات سن کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اکرام بھٹی اس کا تعیناتی لیٹر تیار کرانے چلا گیا۔

"یہ کچھ رقم ہے آپ رکھ لیجیے۔" احسن نے رقم کا خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کس لیے سرا؟" عروہ نے لفافہ پکڑ لیا۔

"آپ اپنے لیے شاپنگ کر لیجیے گا کپڑے جوئے اور جو

ہو جائے گا یوں سمجھو کے پھر کہنی بھی تمہاری ہوگی اور کہنی کا مالک بھی۔" سلیمہ نے اسے راز دارانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں کبھی نہیں مایا! عروہ نے سولہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ اسامہ سے کہنے لگیں۔

"اسامہ! کچھ تم بھی عروہ کو عقل دڑ میں ہی قائل کہ اب اسے باپ کیا کرنا ہے؟"

"ہاں عروہ! تمہاری مایا ٹھیک کہہ رہی ہیں تم احسن ریاض کو اپنی منگی میں کرنے کی کرو اور مجھے یقین ہے کہ تم یہ آسانی سے کر لو گی کیونکہ تمہارے حسن نے آج تمہیں یہ حجاب دلوائی ہے تو احسن ریاض کا دل جیتنا کیا مشکل ہے؟ کہنی میں جگہ بن ہی گئی ہے اب کہنی اونر کے دل میں جگہ بناؤ پھر دیکھنا ہمارے بھی دن پھر جائیں گے۔" اسامہ نے تنبیہ کی سے کہا تو وہ بہت دکھ اور بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اسے بہت افسوس ہو رہا تھا کہ یہ اس کی ماں اسے کیسا سختی پڑھا رہی تھی؟ یہ اسے کون سا راستہ دکھا رہی تھی وہ کوئی بازار کی عورت تھی جو احسن ریاض کو اپنی لڑاؤں سے اپنی منگی میں کر لیتی؟ اسے اپنی ماں اور مایا دونوں کی سوچ پر دلی افسوس ہو رہا تھا۔

"مگر ایسی بات تو غلط ہے۔" عروہ آہستہ سے بولی۔
"غلط یہ ہے کہ آپ کو موقع ملے اور آپ اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ جس چیز میں آپ کا فائدہ ہو وہ غلط نہیں ہوتی۔" اسامہ نے سیٹ لیجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"نیچے چائے مٹھائی اور پیرا۔" نگینہ ٹرے میں چائے کے کپ اور پلیٹیں بجا کر آ گئی۔

"سونہ! اپنے ابو کو بھی بلالو آگے منہ چٹھا کر لیں ان کی بھانجی کو اتنی شاندار نوکری ملی ہے۔" سلیمہ نے مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے اس سے کہا۔

"میں نے فون کر دیا تھا اب آتے ہی ہوں گے لیجیے آگئے۔" سونہ نے مسکراتے ہوئے بتایا ایسا بیک اسی وقت گھر میں داخل ہوئے اور پھر سب نے مٹھائی اور پیرا اصف کر دیا لیکن عروہ بچھڑی گئی تھی۔

خرید لیا اور احسن کے دیئے ہوئے پیسوں سے اپنے لیے چار مناسب قیمت کے سوٹ خریدے ہینڈ بیگ اور تین عدد جوتے خرید لیے اور گھر پہنچی تو سب اسے شاپنگ بیگز سے لدا دیکھ کر خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

"عروہ بیٹی! نوکری مل گئی کیا؟" اسامہ نے پوچھا۔
"ایسی نوکری بھی مل گئی اور ایڈوانس رقم بھی جس سے میں یہ شاپنگ کر سکتی ہوں اپنے لیے۔"

"ارے واہ واہ مبارک ہو عروہ! دیکھا میں کہتی تھی آج مسنور کے جاؤ اپنے حسن کی قدر و قیمت پہچانو بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔" سلیمہ نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ مایا یہ مٹھائی اور پیرا سب کے لیے۔"
"ماشاء اللہ جتنی رہو اسے نگینہ جا۔۔۔۔۔ جا کے سب کے لیے چائے بنائے سب مل کر مٹھائی اور پیرا کئے ساتھ چائے کا مزا لیں گے۔" سلیمہ نے مٹھائی اور پیرا کے پیک اس سے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا امی! نگینہ خوشی خوشی کچن کی طرف دوڑی۔ بہت عرصہ بعد مٹھائی اور پیرا کی شکل دیکھی تھی اس کے تو منہ میں پانی بھرا یا تھا۔

"جینا! نکھو آہ کتنی ہے؟" اسامہ نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
"تین ہزار۔"

"ہاں! کتنی۔۔۔۔۔" سلیمہ کی آنکھیں حیرت سے چٹکی کی پھٹی رہ گئیں۔

"جی مایا اور مسنور بیکل الاؤنس اور ٹپ اینڈ ڈراپ بھی۔" عروہ نے مزید بتایا تو ان دونوں کی خوشیا کی انتہا نہ رہی۔

"ارے ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔۔۔۔۔ اسامہ تمہیں بھی بہت بہت مبارک ہو۔" سلیمہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"خیر مبارک بھائی! اللہ کا شکر ہے اس کی تعلیم کام آگئی ورنہ خانی حسن پر تو اتنی اچھی حجاب نہیں ملتی تھی۔"

"حسن دیکھ کر ہی تعلیم تک نظر گئی ہے اب عروہ بیٹی اب دل لگا کر کام کرنا اور اپنے حسن اخلاق سے بھی احسن ریاض کو اپنی منگی میں کر لینا وہ تمہاری منگی میں آگیا تو سب آسان

”سنا آئی کم ان سر؟“ عروہ نے آفس کا دروازہ کھول کر احسن کو دیکھتے ہوئے اجازت چاہی۔

”لیا مال ریڈی ان کس جمشید۔“ احسن کا جواب معنی خیز تھا وہ پُر اعتماد نظر آنے کی بھرپور اداکاری کرتی مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔

”اسلام علیکم سر!“

”وعلیکم اسلام! لیجئے آپ کا آپ کے کام کے حوالے سے بریف تو کر دیا ہوگا؟“

”جی سر۔“ عروہ مسکراتی۔

”اپنی پرابلم۔“ احسن نے اس کی سیاہ نرگسی آنکھوں میں دیکھا تو عروہ چند سیکنڈ اس کی وجہہ صورت کو گنتی رہی پھر ہلکی جھپک کر بولی۔

”تو سر۔“

احسن تو اس کے دیکھنے کے انداز پر ہی گھائل ہو گیا تھا اور وہ اسے نگہ چارہ تھا۔ عروہ نے کب مردوں کو ایسی بے باک نظریں اپنی جانب اٹھتی دیکھی تھیں اب دیکھ رہی تھی محسوس کر رہی تھی اور برداشت کر رہی تھی۔

”لو کے سر اب میں جاؤں؟“

”اب آپ کہیں نہیں جائیں گی۔“ احسن کی زبان پھسلی۔

”جی.....“ عروہ نے حیرانگی سے کہا اور دل میں سوچا۔

”یہ تو پہلے ہی لٹو ہو گیا ہے میں اسے کیا رہنمائیوں گی؟“

”میرا مطلب ہے ابھی آپ میرے ساتھ کانفرنس روم میں چلیے۔ وہاں میٹنگ ہے آپ کو بھی اس میٹنگ میں موجود ہونا چاہیے ہمارے مستقل کلائنٹ بچے ایس خان اور قادر پانڈے مسٹر رابرٹ سے یہ میٹنگ ہے ان سے آپ کا تعارف بھی ہو جائے گا اور آپ کو بھی اندازہ ہو جائے گا کہ بزنس میٹنگز کس طرح ہوتی ہیں۔“ احسن نے سنجیدگی سے جواب دیا تو عروہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے سر اچھے۔“

”آئیے۔“ احسن اپنی جیسر سے اٹھتے ہوئے بولا اور اس کے برابر سے نذرانہ ہیلوک کی مسکور کن خوشبو اس کی سانسوں

عروہ کو اپنی تمام تر بے دلی کے باوجود خود کو احسن ریاض کے ہاں ملازمت کے لیے جانے پر تیار کرنا پڑا۔ گھر کی چھت اپنی نہیں تھی لہذا کچھ عرصہ تو اسے حکم کا غلام بننا ہی تھا وہ جو خود کو سر سے پاؤں تک چھپا کر گھر سے نکلتی تھی اب صرف چادر اوڑھ کر کپھنی کی بس میں بیٹھ کر آفس پہنچی تھی اور آفس پہنچ کر اس نے چادر اتار دی تھی۔

تھک پا جائے اور اس پر آج کل کے فیشن کے مطابق لمبا سا فرائڈ زیب تن کیا تھا سرخ اور پیچ کھر کے دلکش ڈیزائننگ اور کام کے ساتھ یہ لباس عروہ کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔ ہاں اس نے ہینئر نیچ میں مقید کر رکھے تھے بالوں کی دو ٹیمیں دائیں بائیں اس کے رخساروں کو چوم رہی تھیں۔ مناسب میک اپ میچنگ جیولری ہائی ہیل پہنے ہوئے دیکھنے والوں کے دل کی دھڑکنوں میں طغلام پھا کر رہی تھی۔

فیجر اکرام بھنی نے اسے اس کا آفس دکھایا جو احسن ریاض کے آفس کے برابر میں ہی تھا اور سینٹر میں گلاس ونڈو بھی تھی گویا اس کی نظریں ہر وقت اس پر چوکیدار کی طرح لگی رہیں گی۔ اس خیال سے ہی اسے کوفت ہونے لگی وہ ڈوکی سائیز پر پردہ لگا تھا مگر اس کو کور کرنے کا حکم نہیں تھا یہ اسے اکرام بھنی نے بتایا تو اس نے فوراً پوچھا۔

”کیوں سر؟“

”پہلے پہلے جو مختصر یہاں کام کر رہی تھیں وہ کام کم کرتی تھیں اور اپنی فون سے اپنے رشتے داروں اور دوستوں سے مکپ شب زیادہ کرتی تھیں۔ اسی لیے احسن صاحب نے اس کی چھٹی کردی اور آفس میں ونڈو سے کمرن ہٹوا دیا۔“

اکرام بھنی نے بتایا۔

”لو کے“ عروہ نے کہا۔

”آئیے میں آپ کو بالی اسٹاف سے ملادوں اور آپ کو آپ کا کام بھی سمجھا دوں۔“

”جی ضرور۔“ عروہ اس کے ساتھ بولی اسٹاف سے تعارف کے بعد اسے احسن ریاض نے اپنے آفس میں بلا لیا۔

گلاس وندو کی طرف اٹھی تو احسن ریاض کو اپنی جانب ہی دیکھتے پایا دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو دل ایک ہو کر دھڑکنے لگے دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرائیں۔

"تو موصوف نے یہ شیشہ درمیان میں اس لیے لگا دیا ہے کہ خوب صورت ماتحت لڑکی ہر وقت ان کی نگاہوں کو سرور بخشتی رہے اور ان کے آفس میں آنے والے بھی اسے دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں سینکتے رہیں، ہونہد۔" عروہ نے دل میں کہا اور فائل کھول کر پڑھنے لگی۔

دوسرے دن وہ بالوں کی چٹیا باندھے سر پر سینتے سے دوپٹا اوڑھتا آفس پہنچی تو احسن بے ساختہ مسکرایا اسے دیکھ کر اس کی مسکراہٹ کشی و فطرب بھی عروہ کو بھی اپنا دل موہتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"مس جمشید! آپ ڈرائیور کے ساتھ جائیے اور یہ فائل مسٹر بے ایس خان کے گھر دے آئیں۔" احسن نے اسے اپنے آفس میں بلا کر فائل دیتے ہوئے حکم دیا۔

"گھر کیوں سر؟"

"کیونکہ آج وہ آفس نہیں گئے۔"

"سر! میرا جانا ضروری ہے کیا؟" عروہ کے سوال پر احسن نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"میرا مطلب ہے سر یہ فائل تو ڈرائیور بھی دے کر آ سکتا ہے نا۔"

"مجھے میرا کام اب آپ سکھائیں گی آپ مشورہ دیں گی کہ مجھے کیا کیسے کرنا ہے؟" احسن نے درشت لہجے میں کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے فائل تھام لی اور باہر آگئی۔ باہر آ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور نے اس کے بیٹھنے ہی گاڑی اشارت کر دی۔

"چا چا آپ کا نام کیا ہے؟" عروہ نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"نیا ز حسین نام ہے میرا اور پندرہ سال ہو گئے احسن صاحب کی ڈرائیوری کرتے۔" نیا ز حسین نے جواب دیا۔

"پندرہ سال..... پھر تو آپ احسن صاحب کو اچھی طرح جانتے ہوں گے کیسے انسان ہیں مسٹر احسن؟" عروہ

میں اتر گئی تھی وہ مسکرایا اس کے ساتھ چلتا کانفرنس روم میں آیا۔ میٹنگ کے اختتام پر بے ایس خان نے عروہ کو برہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ احسن صاحب کا بزنس بہت ترقی کرنے والا ہے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹکیں گے اور آپ ہواؤں میں اڑیں گی کبھی آسمان کو چھو لے گی اگر آپ نے اس کبھی کو تھا سمجھا۔"

"ان شاء اللہ۔" عروہ نے اس کی نظروں اور لفظوں کی بے باکی کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"یہ مسکراہٹ کیڈٹوں کا کما کے دے گی آپ کو۔" بے ایس خان نے اس کی مسکراہٹ دیکھ کر رائے دی۔

"جی سر! ایک سکویز می پلیز۔" عروہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور فائل اٹھا کر کانفرنس روم سے باہر چلی آئی۔

"لو کے احسن صاحب! اب ہم بھی چلتے ہیں آپ سے پراجیکٹ کی فائل دیکھ لیجیے گا اور اگر آپ کو منظور ہو تو اپنی سیکرٹری کے ذریعے مجھے انعام کر دیجیے گا۔"

"لو کے تھینک یو ویری میچ۔" احسن نے اس سے مصافحہ کیا اور اس کے جانے کے بعد اپنے آفس آ گیا۔ اس کی نظر بلا ارادہ ہی گلاس وندو کے پار بھی عروہ پر پڑی اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بہت غصے میں ہے اس کے غصے کی وجہ وہ جانتا تھا کہ اسے بے ایس خان کی کامیاب گفتگو اور شیطانی نگاہیں بہت شہط سے برداشت کرنا پڑی تھیں۔ احسن کے لیے تو یہ معمول کی بات تھی مگر نجانے کیوں آج عروہ کے لیے یہ سب سننا اسے بھی بہت برا محسوس ہوا تھا اور اسے لگتی ہے بے ایس خان پر غصا رہا تھا۔

"عروہ جمشید! ابھی تو ابتداء ہے سنا سکتا ہے کہ دیکھنا ہوتا ہے کیا۔ تم ابھی سے خوف زدہ ہو گئیں ایک احسن ریاض کو اپنی دلفنوں کا اسیر بنانے کی مہم پر نکلے تھیں مگر تم یہاں تو کئی گندھ تمہاری بوئیاں نوچنے کے لیے بے تاب ہو رہے ہیں سنبھل کے چھنا نہیں دوشت کے چکر میں اپنی عزت سے نہ ہاتھ جو بیٹھنا۔" عروہ کے دل نے کہا تو وہ بے چینی سے میز پر رکھی چیزیں اٹھا کر ادھر ادھر کرنے لگی یونگی اچانک اس کی نظر

لیے کھول کر کہا تو وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی۔
 ”آپ ابھر ہی رکھے یہ فائل ہی تو دیتی ہے میں فائل
 دے کر ابھی آتی ہوں۔“

”میڈم جی آپ اتنی جلدی نہیں کریں گی۔“
 ”کیوں؟“ عروہ نے حیرت لکھ میں پوچھا تو اس نے
 نظریں جھکا لیں۔ عروہ بات سمجھ تو گئی مگر جو نیکی نیاز
 حسین کی خاموشی اور جھکی نظریں دیکھیں اس کی ریڑھ کی
 ہڈی میں کرنٹ دوڑ گیا۔ خوف کی ایک لہر پورے بدن
 میں مرایت کر گئی۔

”چاچا! آپ یہاں رکھے میں فائل دے کر آتی ہوں سن
 رہے ہیں آپ یہ میرا حکم ہے آپ نہیں جائیں گے۔“
 عروہ نے حیرت اور حاکمانہ لہجہ میں کہا۔

”جو حکم میڈم!“ نیاز حسین نے نظریں جھکائے کہا۔
 عروہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی بزار گز پر پھیلا یہ شاندار
 بنگلہ دولت کی فراوانی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ عروہ نے تو ابھی
 خواب میں بھی اتنا شاندار بنگلہ نہیں دیکھا تھا۔ ملازم اسے
 ایک شاندار ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا جس کی سجاوٹ
 بھی لا جواب تھی وہ تو حیرت سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھی کہ بے
 ایس خان کے کھنگرنے کی آواز نے اسے اس ظلم کدے
 سے باہر نکالا۔

”ہیلو سہرا! عروہ نے فوراً کھڑے ہو کر کہا۔

”ہیلو سہرا عروہ!“

وفا نہیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
 ابھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں“ جے ایس
 خان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے یہ شعر پڑھا تو عروہ نے خود
 کو مار مار کر دیکھتے ہوئے فائل اس کی طرف بڑھا دی۔

”شکریہ کسی بہانے تو آپ نے ہمارے غریب
 خانے میں قدم رنج فرمائے۔“ جے ایس خان نے فائل
 لیتے ہوئے کہا۔

”اوکے سہرا میں چلتی ہوں۔“

”ارے ایسے کیسے جا سکتی ہیں آپ چائے کافی لے
 کچھ تو چلے گا نا آپ پہلی بار میرے گھر آئی ہیں۔“ جے

ہائم یاس کرنے اور اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے پوچھ
 رہی تھی۔ نیاز حسین نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

”بہت اچھے انسان ہیں احسن صاحب! ان کے والد
 ریاض رضوی بھی بہت اچھے آدمی ہیں وہ آج کل کینیڈا میں
 ہوتے ہیں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ احسن صاحب کی بڑی
 بہن شادی کے بعد سے کینیڈا میں رہتی ہیں۔ عنبرین بی بی
 کے تمن بچے ہیں احسن صاحب ہم کو بھی اور کرنا بہت خیال
 رکھتے ہیں۔“

”مجھ سے پہلے بھی آپ کسی اسپتالی لڑکی کو کسی کلاسٹ
 کے گھر لے کر گئے ہیں کبھی؟“ عروہ نے سنجیدگی سے کریدل۔
 ”جی بی بی! آپ سے پہلے ٹینا میڈم تھیں۔“
 ”تھیں نے جاب کیوں چھوڑ دی؟“

”وہ اصل میں اپنی اوقات سے بڑھ کے خواب دیکھ رہی
 تھیں احسن صاحب کیلئے گے پیچھے بہت پھرتی تھیں۔“ نیاز
 حسین نے جواب دیا تو وہ گئی سے بولی۔

”تو احسن صاحب کون سے دودھ کے دھلے ہیں اپنی
 خوب صورت سیکرٹری کو اپنے کلائنٹس کے گھر اکیلے بھیجتے ہیں
 محض اس لیے کہ اس خوب صورت سیکرٹری کی وجہ سے انہیں
 بزنس مل جائے میں پردے میں آئی تو مجھے دیکھتے ہی ری
 جیکٹ کر دیا نہ میری ڈگریاں دیکھیں نہ تلی خیرا انٹرویو لیا اور
 جب دوبارہ سولہ سنگھار کر کے آئی تو فوراً سیکیٹ کر لیا۔ اس کا
 کیا مطلب ہوا چاچا! لڑکی کی ان کی نظر میں کیا وہ بیوہ ہے ان
 کے بزنس میں ترقی کا نو ٹکانہ نہیں۔“

”میڈم جی احسن صاحب کے ملنے والے دوست رشتہ
 دار بھی کی عورتیں فیشن اسٹیل ہیں اور آپ تو جانتی ہیں ماں
 کے مرد عورت کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے تو یہاں جو چلتا ہے
 بزنس کمیونٹی کے اصول کے مطابق چلتا ہے ان لوگوں کو یہ
 سب عجیب نہیں لگتا کیونکہ وہ ایسے ہی ہیں۔“ نیاز حسین نے
 سنجیدگی سے جواب دیا اور گاڑی سب جے ایس خان کے بنگلے کے
 قریب روک دی۔

”میڈم جی! آپ اندر جائیں میں آدھے گھنٹے بعد آپ
 کو پک کر لوں گا۔“ نیاز حسین نے گاڑی کا دروازہ اس کے

ذمہ دار جتنے احسن ریاض ہیں اسے ہی آپ بھی ہیں۔" عروہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نہیں میڈم جی! ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" وہ شپٹا کر بولا تو عروہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آپ بہتر جانتے ہوں گے چاچا! لیکن اگر احسن ریاض کو اپنی بہن کو اس طرح بھیجنا پڑے تو کیا وہ بھیجے گا؟"

"بھئی نہیں میڈم جی! اصل میں احسن صاحب کو اب تک ایسی کوئی لڑکی ملی نہیں جو ان سے محبت کرتی ہو جتنی بھی طیس ان کی دولت کے لالچ میں نہیں جیسی تو انہوں نے اب تک شادی نہیں کی، منتقلی ہوئی تھی صاحب کی وہ بھی تو زوی کیونکہ ان کی منگیتر پسند کسی اور کو کر گئی تھی مگر دولت کے لالچ میں صاحب نے شادی کے لیے تیار ہوئی تھی۔" نیاز حسین نے تفصیل سے بتایا۔

"بھئی کو تیسرا... خود کون سا وہ کسی لڑکی کو شوہر میں سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں خوب صورت مال دکھا کر گا بکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کیا لڑکی کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔" عروہ نے غصیلے لہجے میں کہا جو اب وہ خاموش بنی رہا مگر جانے کیوں مسکرایا ضرور تھا وہ تو عروہ نے اس کی طرف دیکھا نہیں ورنہ اور حقائق آ جاتا۔

وہ واپس آتے ہی اپنے کمرے میں آ بیٹھی اسے اپنے ہاتھ پر بے لیس خان کے ہاتھ کی موجودگی کا احساس بے کھل کر رہا تھا وہ اٹھی واش روم گئی اور صابن سے اچھی طرح اپنے دونوں ہاتھ دھوئے تو لیے سے خشک کیے اور باہر نکلی تو گاہیں ونڈو سے احسن کو دیکھتے پایا۔

"تارو۔۔۔۔۔" عروہ نے پردہ کھینچ کر گلاس انڈو کو رکھ دی۔ احسن کو بہت غصا یا اس نے انٹرکام پر کال کی۔ عروہ نے کال ریسیو نہیں کی غصے سے دند تائی ہوئی احسن کے آفس میں چلی آئی۔

"جی فرمائیے۔" عروہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے اس کے غصے سے لال چہرے کو دیکھا۔

"ونڈو پر کرشن کیوں کر لیا؟"

لیس خان نے بے قراری سے کہا اس کی آنکھوں سے عروہ کو خوف رہا تھا۔

"تھینک یو سر پھر سی آپ کی وائف نظر نہیں آرہی۔"

عروہ نے فوراً بات بدل دی۔

"میری بیگم تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں کہیں گئی ہوگی ہیں آپ ان کا انتظار کر سکتی ہیں وہ تین چار دن تک آ جائیں گی۔" بے لیس خان نے اسے شیطانی نظروں سے دیکھتے ہوئے مکر وہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر جواب دیا۔

"نہیں سرا ان شاء اللہ اگلی بار آؤں گی آپ کی شکم سے ضرور ملوں گی اور آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے میں اگلی بار پورا گھر دیکھ کر جاناں گی اور آپ کے ساتھ سچ بھی کروں گی۔" عروہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اے اس اگلی بار کا انتظار تو ہم ابھی سے کرتے گئے ہیں اب وعدہ کریں کہ آپ جلد آئیں گی۔" بے لیس خان نے بے ہودگی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی ضرور آؤں گی ابھی تو جانے دیں باہر میرے انکلی اور ذرا ٹیور میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ تو آپ نے ذرا ٹیور بھیجنا نہیں۔" اسے مایوسی ہوئی تھی عروہ کے جواب سے ٹھٹک کر بولا۔

"میرا بھیجا ابھی کام کرتا ہے جیسی نہیں بھیجا ہے۔" اس کے سر ہائے۔ عروہ نے مسکراتے ہوئے ٹوڈ کلائی کی اور باہر نکل گئی پھر گاڑی میں بیٹھ کر ہی دم لیا۔ نیاز حسین نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"میڈم جی! سب ٹھیک ہے نا؟" نیاز حسین نے بیک سر میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو عروہ نے چپختے ہوئے لہجے میں سوتی کیا۔

"کیوں نا کیا ٹھیک نہیں ہوتا چاہیے تھا چاچا۔"

"نہن۔۔۔۔۔ نہیں میڈم جی! آپ کے ہوتے ہوئے کچھ غلط کیسے ہو سکتا ہے؟"

"نیاز حسین اگر کچھ ہو جاتا تھا تو اسے میرے ساتھ یا اس سے پہلے کسی لڑکی کے ساتھ غلط ہوا ہے جیسے آپ ایسے شاندار بنگلوں میں چھوڑ کر جاتے رہے ہیں تو۔۔۔۔۔ اس کے

”کیوں دل نہیں بھرا مجھ کو کچھ دیکھ کے اب کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟“ وہ طنز پر لہجے میں بولی۔

”جانتی ہیں آپ کس سے مخاطب ہیں؟“

”جانتی ہوں اپنے بزنس کو بڑھانے کے لیے حسین و جمیل لڑکیوں کو چارے کے طور پر استعمال کرنے والے بزنس من سے مخاطب ہوں۔“ وہ بخفی سے تیز لہجے میں بولی۔

”شٹ اپ۔“ احسن غصے سے بولتا اس کے سامنے آ گیا۔

”یو شٹ اپ مسٹر! آپ یہاں لڑکیوں کو کیا سمجھ کر رکھتے ہیں تمہاری نظر میں ہر لڑکی بکا و مال ہے۔ ہر امیرے غیرے کے سامنے مجھ جیسی لڑکیوں کو پیش کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا لڑکی کی کوئی عزت نہیں رہتی؟ کبھی کسی لڑکی کی عزت آپ کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟ بتائیے۔“ عروہ غصے سے بولتی اس کی آنکھوں میں دھمکتی اس کے دل و دماغ پر بجلیاں گر رہی تھیں۔ آج تک کوئی لڑکی اس کے سامنے اس طرح سے نہیں بولی تھی اسے کھبرے میں کھڑا کر کے کسی نے اسے بے نقط نہیں سنا تھا۔ احسن روایت حیرت سے اس لڑکی کو تنگ رہا تھا جو بے خوف و خطر اسے لتاڑ رہی تھی۔

”بولیے..... اب بولتی کیوں بند ہو گئی؟“ عروہ نے اس لیے چوڑے دجیبہ شخص کو تارڑا۔

”تمہارے سامنے کون کا لڑیوں سکتا ہے؟“ احسن نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا آنکھیں پھیل گئیں۔

”یہ لفظی میرے سامنے نہیں چلے گی مسٹر احسن! کیا سوچ کر بھیجنا تھا تم نے مجھے اس کیسے بچا اس خان کے گھر وہ تو اللہ کا شکر ہوا میں اپنی سمجھ داری سے وہاں سے خیریت سے لوٹ آئی۔ تم کوئی ہوں میں ایسی نوکری پر جس میں دماغ نہیں جسم دیکھا جاتا ہے۔“ عروہ نے زخمی شیرنی کی طرح دباڑتے ہوئے کہا۔

”یہ نوکری تمہاری ضرورت ہے۔“ احسن نے اسے

یاد دلایا۔

”تو..... ضرورت کے لیے اپنا آپ بچاؤں؟“ پچھ جاؤں تمہارے قدموں تلے ضرورت ہے..... ہونہا بے شرم نہ ہوں تو بزنس کی آڑ میں یہ کل کھلا رہے ہیں۔“ عروہ نے شیرنی کی طرح تن کر بے خوف ہو کر دھشتی سے کہا۔

”اسٹاپ اسٹ! ڈاؤن! سوچے سمجھے تم کچھ بھی بولے جا رہی ہو؟“ احسن نے غصے سے سخت لہجے میں کہا۔

”بنا سوچے سمجھے نہیں سراسر اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ رہی ہوں اور مجھے یہ بتائیے کیا آپ اپنی بہن کو اس کام کے لیے بھیجنا پسند کریں گے؟ نہیں نا..... تو مجھے کیوں بھیجا؟ کسی ضرورت مند اور مجبور انسان کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا اسے اس کے حالات کے سلسلے میں بلیک میل کرنا کہاں کی شرافت اور انانیت ہے؟“ عروہ نے بہت ضبط سے جواب دینا۔

”آپ کو کس بات کا اتنا گھمنڈ ہے؟“ احسن نے دلچسپی سے دیکھتے نرم لہجے میں پوچھا تو وہ اس کے سبک کی نرمی پر چونک گئی۔

”اسی بات کا جس پر آپ مر رہے ہیں۔“ عروہ نے پُر اعتماد اور معنی خیز لہجے میں جواب دیا اور جھٹکے سے واپس جانے لگی اور جاتے جاتے ہی پلٹنی احسن نے استغناء سے نظروں سے اٹکھا۔

”اور ہاں مسٹر احسن! اگر کھڑکی کے اس پار دیکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنی آنکھوں میں عزت و احترام پیدا کیجیے پردہ خود بخود ہٹ جائے گا۔“ عروہ نے اسی لب و لہجے میں اپنی بھر اس نکالی اور آفس سے نکل گئی اور احسن کو لگا جیسے دل بھی اس کے ساتھ ہی نکل گیا ہو وہ کتنی اتق دیر اس کی خوشبو کے سحر میں کھویا رہا۔

”کیا نوکری پر ملازمت مانا نہیں؟“ اما اور سلیم نے عروہ کی زبانی جوائنٹس کی روادہنی تو دونوں نے شاکہ ہو کر کہا۔

”نہیں امی! آپ فکر نہ کریں ایک سال کا کاسٹریکٹ سائن کیا ہے نہ وہ مجھے ایک دم سے نکال سکتے ہیں اور نہ ہی میں یہ جاب چھوڑ رہی ہوں اور چار دن آفس نہیں جاؤں گی پھر خود ہی بلا لیں گے۔“ عروہ نے اطمینان سے کہا۔

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟“ سلیم نے سوال کیا۔

"مجھے یقین ہے ماما!"

"عروہ! اتنی زیادہ خود اعتمادی بھی ٹھیک نہیں ہوتی"

دو دن ہوئے ہیں تمہیں جاب پر جاتے ہوئے اور تم جھگڑ کر آ گئیں۔"

"تم سے کیا سٹھی میں کرو گی تم تو ہاتھوں میں آئی دولت بھی گنوار ہی ہو۔ اگر اس نے تمہیں ایک دن میں جاب دے دی ہے تو ایک منٹ میں جاب سے فارغ بھی کر سکتا ہے۔ احسن ریاض جیسے لوگوں کے لیے حسین لڑکیوں کی کمی نہیں ہوگی اس کی دولت کے سمندر سے گھونٹ بھر کی خیرات کے چکر میں نہ جانے کتنی اس کے آگے پیچھے پھرتی ہوں گی اسامہ سمجھاؤ اسے۔" سینہ نے دونوں ماں بیٹی کو بڑے اچھے طریقے سے حقیقت کا آئینہ دکھا دیا تھا اور وہاں سے ہنسنے لگی۔

"سن لیا تم نے۔" اسامہ نے عروہ کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"زندگی کوئی کھیل تلاش نہیں ہے کہ جب دل چاہا کھیل لیا جب دل چاہا جھگڑ لیا۔ سارے حالات تمہارے سامنے ہیں پھر بھی تمہیں ایڈوانس جھڑپا بنے تم کیا چاہتی ہو ہم فٹ پاتھ پر آ جائیں بھیک مانگنے لگیں یا میں لوگوں کے گروہ میں جھاز دو پونچھ اور برتن مانگھنا شروع کر دوں۔"

"اللہ نہ کرے امی! آپ کیسی ناشکری کی باتیں کرتی ہیں۔" عروہ نے تڑپ کر کہا تو وہ سخت لہجے میں ہو گئیں۔

"یہ ناشکری کی باتیں نہیں ہیں حقیقت کی باتیں ہیں اگر تم اسی طرح باتھ پر ہاتھ بھرے بیٹھی رہیں تو ایک دن مجھے اسی پیٹ کا دوزخ بھرنے کو ہاتھ پیر مارنے پڑیں گے۔"

"ہاں شہداء اللہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا اور اماں کی پینشن میں ہم ماں بیٹی گزارہ کر سکتی ہیں۔ ذرا سوچیں امی بارہ ہزار میں یہاں آنہ دس افراد کا کتبہ بھی چلتا ہے گزارہ کرتا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے اور جاب کیا بس احسن ریاض کی ہی روٹی ہے اگر وہ نہیں رکھے گا تو مجھے نہیں بھی جاب نہیں ملے گی۔"

آپ کو اپنی بیٹی کی عزت سے زیادہ دولت پیاری ہے بس امی ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کیا کریں کیونکہ شکر کرنے سے نعمت

بڑھتی ہے اور کفر بولنے سے قدر تختی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔" عروہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

"اچھا بس رہنے دو باپ کی طرح پھر مست پڑھاؤ مجھے اللہ بخشے ان سے جب بھی روپے پیسے گھر گاڑی کی بات کی وہ بھی اسی طرح شروع ہو جاتے تھے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہی کہتے تھے ابا! ہمیں ہمیشہ یہ سوچ کر جینا چاہیے کہ ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے اگر وہ ہمیں ہمارے اہمال کے برابر دیتا تو ہمارے پاس آج کچھ بھی نہ رہتا۔"

"ٹھکر نہ کرو اگر تمہارے یہی اوصاف رہے تو تمہارے پاس کچھ کچھ نہیں رہے گا۔" اسامہ نے بے رحمی سے کہا۔

"امی....." عروہ ان کی بات پر شا کڑ سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔



احسن آج اپنے بیڈروم میں تنہا نہیں تھا عروہ کی یادیں اس کی سوچ اس کا طرب خیال بھی اس کے منگ سکر رہا تھا۔ وہ اسے اپنے ہر ہر انداز سے گھائل کر رہی تھی وہ اس کی سوچ سے متاثر تھا اس کا اعتماد اسے قابل رشک محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی بے خونی اور اسے بھی کھری کھری سنا دینے کی حرکت نے اسے کنہرے میں کھڑا کر کے جرح کرنے کی جرأت نے احسن ریاض کو مکمل طور پر اس کا اسیر بنا دیا تھا۔ وہ

جانتا تھا کہ عروہ جمشید اسے اپنے حسن و ذہانت سے اپنی جرأت اور قابلیت سے مکمل طور پر اپنے بس میں کر چکی ہے لیکن وہ اس پر ابھی کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا باوجود اس کے کہ وہ اسے پرکھ چکا تھا پھر بھی وہ اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرتا چاہتا تھا۔ ہاں

اسے یہ یقین تھا کہ اب وہ عروہ کو ہر جگہ دیکھنا چاہتا ہے گھر میں دفتر میں ہر جگہ۔

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

اسکے دن عروہ اخبار میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات دیکھ رہی تھی اور احسن ریاض اس کی خالی سیٹ کو دیکھ دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو رہا تھا۔ گلاس وینڈو پر پردہ نہیں پڑا تھا مگر

نے رشتہ بھیجا ہے، تو وہ اسباب بھی پیدا کر دے گا اور وسائل بھی اسب کچھ احسن طریقے سے ہو جائے گا۔

”احسن.....“ عروہ نے احسن کا نام زیر لب لیا یعنی قدرت اسے راہ دکھا رہی تھی کہ وہ احسن طریقے سے احسن کے ہاں جاب جاری رکھ کر ہی گھر کے مسائل حل کر سکتی ہے۔

”ہاں احسن کے پاس جاؤ معذرت کر لوں گی بات پر اور اس جاب کو ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ احسن کو بھی اپنے ہاتھ میں کرنے کی کرو میری بیٹی! یہ گھر بھی تمہارا ہے تمہارے ماموں کا گھر ہے سفینہ! کہنا ہے تمہاری کیا تم اپنی بہن کی شادی کے لیے کچھ نہیں کرو گی؟“ اسامہ اس کی زبان سے احسن کا نام سن کر اس کے پاس آ کر محبت اور نرمی سے بولیں وہ سمجھ گئی تھیں کہ غصہ کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ عروہ کو دلار سے ہی راضی کرنا ہوگا اور یہ پٹی انہیں سلیمہ نے بھی پڑھائی تھی۔

”اے! مجھ سے جو بن پڑا میں سفینہ بادی کی شادی کے لیے کروں گی آپ بے فکر ہو جائیں۔“ عروہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”جیسی رہو بیٹی! مجھے پتا تھا میری عروہ کا دل بھی اس کی شکل کی طرح بہت خوب صورت ہے وہ ہمیں کبھی بھی اس پریشانی میں نہ آئے گا چھوڑے گی اسدا خوش رہو۔“ سلیمہ بھی آس پاس ہی تھیں اس کی بات سن کر محبت لٹانے چلی آئیں اور عروہ ان محبتوں کو ہی اپنا سرمایہ بنی تھیں ہونے ان کے کبے پر چلنے کو راضی ہو گئی۔



عروہ صبح آفس میں اپنی سیٹ پر موجود تھی احسن نے دیکھا خوشی کے ساتھ ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی کہ وہ تو اس جاب کو ٹھوکر مار کے گئی تھی پھر ایک دن کی چٹائی کے بعد واپس کیسے آ گئی؟ اس نے انٹرکام کارڈ سے پوچھا عروہ نے بتایا جتنے ہی ریسیور کان سے لگا یا۔

”جی ہر!“

”میرے روم میں آئیے۔“

آنجل

ونڈو کے اس پار کا منظر عروہ کے بغیر اسے اداس کر رہا تھا وہ نہیں آئی تھی اور وہ اس کے سنسنے پر پریشان ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

”اگر عروہ نے سچ کچھ جاب چھوڑ دی تو.....“

”وہ جاب کیسے چھوڑ سکتی ہے اس نے ہماری کہنی کے ساتھ ایک سال کا کانٹریکٹ سائن کیا ہے اور اس کانٹریکٹ کو چیلنج کرنے کا حق صرف کہنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کو حاصل ہے نہ کہ مس عروہ جمشید کو۔ اب وہ جتنے مرضی بہانے بنائے اسے آفس جو آئن کرنا ہی ہوگا۔“ رمان نے راہ دکھائی تو وہ مطمئن ہو کر مسکرا دیا۔

”عروہ آئی! کیا واقعی آپ یہ جاب چھوڑ دیں گی؟“ وہ اخبار دیکھ رہی تھی جب مونا نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ عروہ نے اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو بغور دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

”نہیں ڈیر! ایک سال کا کانٹریکٹ سائن کیا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ مجھے جاب سے ڈس مس کریں گے۔“

”اللہ کرے کہ آپ کی جاب پکی ہو جائے۔“ مونا نے دل سے دعا کی وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ان شاء اللہ! تم کچھ اداس لگ رہی ہو کیا بات ہے؟“

”آئی! سفینہ باجی کا رشتہ یا ہے بہت اچھا رشتہ ہے۔“ مونا نے بتایا۔

”ماشاء اللہ! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے تم اداس کیوں ہو؟“

”آئی! وہ لوگ شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں اور گھر میں اتنے وسائل نہیں ہیں کہ سب کچھ جلدی کیا جاسکے۔ باقی چیزیں تو امی نے بنائی ہوئی ہیں لیکن فرنیچر اور کھانے کا خرچہ کہاں سے ہوگا اور فرنیچر بھی خریدنا ہے۔ امی ابو بہت پریشان ہیں وہ یہ رشتہ کھونا نہیں چاہتے۔“ مونا نے اپنی اداسی کی وجہ بتائی تو عروہ بھی سوچ میں پڑ گئی اور پھر اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

”ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا اگر یہ رشتہ سفینہ بادی کے لیے اچھا ہے تو ان کی شادی اسی جگہ ہوگی تم فکر نہ کرو اللہ پاک

جولائی 2014

"لو کے سر۔" عروہ نے جواب دے کر ریسور رکھا اور خود کو مضبوط اور کمپوز کرتی ہوئی احسن کے روم میں داخل ہوئی وہ کسی قائل پر نظر نہیں جمائے خود کو مصروف نگاہ کر رہا تھا یا واقعی مصروف تھا۔ عروہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"جی سر۔" عروہ نے استدیکھتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھیے۔" احسن نے نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھا اور پھر سے نظریں قائل پر مرکوز کر لیں۔ وہ خاموش بیٹھ کر اسے دیکھتے گئی جو اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ چھ فٹ کا صحت مند گندمی رنگت، دلکش نین نقش، تلیمن شیو چہرہ احمس ہونٹ، ڈارک پردون آنکھیں، مضبوط ہاتھوں کی کلائیوں سے جھانکتا رواں خوب صورت پینٹ کوٹ سوٹ میں وہ بے حد جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا۔

"جی تو مس جمشید! آپ کیوں آئی ہیں؟" احسن نے قائل بند کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے فٹ سے جواب دیا۔

"آپ ہی نے تو مجھے بلایا ہے۔"

"میں نے.....؟" اس کی حیرت نے اسے بھی حیران کر دیا۔

"جی سر! آپ نے اور آپ بلائیں ہم سنا میں ایسے تو حالات نہیں۔" عروہ نے مسکراتے ہوئے دلکش لہجے میں کہا۔

"مس جمشید! میں آپ کے فیس آنے کی وجہ پوچھ رہا ہوں۔ آپ تو اس جاب کو ٹھوکر مار گئی تھیں نا۔"

"جی سر! گھر جا کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ جاب کے بغیر گزارا نہیں ہے اور کسی دوسری جگہ جاب کروں گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہاں بد نظری لوگ نہیں ملیں گے۔ مردوں میں مردانگی تو رہی نہیں اب اگر عورتیں مردانہ وار ان کا مقابلہ نہیں کریں گی تو یہ اور سرچہ جانیں گے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں پھر سے قائل لے کر کسی کمپنی کے گھر جانے کو تیار ہو جاؤں گی۔ آپ مجھ سے وہی کام کروئیے جو میری جاب کا تقاضا ہے ورنہ آپ کا کوئی کلائنٹ میرے ہاتھوں میں مرا گیا تو پھر مجھ سے مت کہیے گا کہ بتایا نہیں تھا اور سزا دے گا آپ کے سر ڈال دیں گی باب۔"

عروہ نے بہت تفصیل سے جواب دیا تو وہ سنجیدہ لہجے میں

کہنے لگا۔

"صحیح مانتے ہیں کیا کوئے فراتی کر کے کھائے تھے جو اس قدر کامیں کائیں کر رہی ہیں مختصر نہیں بولنا آتا آپ کو۔"

"مختصر یہ کہ آپ کو دیکھے بنا گھر میں دل نہیں لگ رہا تھا اس لیے چلی آئی۔" عروہ نے بہت ادا سے جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔" احسن کے دل کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

"اپنی تفصیل سے بتایا ہے پھر بھی نہیں سمجھے۔" وہ چکر بولی تو وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے آئندہ سوچ سمجھ کر بولے گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے میں بھاسو ہے سمجھے بولتی ہوں سچ کوچ کہو تو وہ نا بھی ہوگی۔" عروہ کی زبان پھر بھی کی طرح چلنے لگی۔

"شٹ اپ۔" وہ غصے سے بولا۔ "جائیے اور اپنے کام پر دھیان دیجیے۔"

"آپ بھی اپنے کام پر دھیان دیجیے سر!" عروہ نے بہت متقی خیز لہجے میں کہا تو وہ بول ہو گیا جیسے اس کی کوئی چوڑی پکڑی گئی وہ مسکرائی ہوئی انھی اور آفس سے باہر نکل آئی۔ احسن کی دھڑکنیں شور مچا رہی تھیں اور وہ کیسی مطمئن ہی اپنی سیٹ پر آ جیٹھی تھی۔ عروہ نے دندوسے دیکھا وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر شیشا گیا اور ٹیبل پر رہی قائل کھولی لی۔

"گنر نہ کریں سر! پردہ کھڑکی پر نہیں پڑے گا پردہ تو آپ کی عقل پر پڑے گا۔" عروہ نے دل میں کہا۔

"احسن ریاض! تم لڑکیوں کو کیش کرنا ہے ہو اپنے کام کے لیے دیکھنا میں تمہیں تمہارے کیش سمیت اپنا امیر بنالوں گی۔" عروہ اس وقت ماں اور مائی کی باتوں کے زیر اثر تھی اور ان کو خوشحال زندگی دینے کے لیے وہ احسن ریاض کو اپنے دام میں گرفتار کرنے کی ٹھان چکی تھی۔ اس نے اپنی خواہش اپنے خواب اپنی سوچ اپنا نمبر سب کو نیند کی گولیاں دے کر سٹا دیا تھا۔ کوئی احساس اُن پر نہ تھا تو وہ یہ تھا کہ اسے اپنی ماں کے لیے ماموں مائی کے لیے ذخیرہ ساری دولت جمع

ہیں اور بہنوں کا ایک دوسرے پر احسان تھوڑی ہوتا ہے۔
آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ سب بندوبست ہو جائے گا۔“
عروہ نے محبت سے ہاتھ ملچے میں کہا۔
”تھینک یو عروہ! تم بہت اچھی ہو۔“ سفینہ فریاد سرست
سے اس کے گلے لگ گئی۔



احسن اور عروہ اپنی اپنی جگہ اٹھے ہوئے تھے احسن اس
سے پیار کے اظہار کے موقع کی تلاش میں تھا اور عروہ اپنے
گھر والوں کے عشق میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے
چکر میں احسن ریاض کے سامنے اپنی خودداری اور عزت نفس
کا گلہ ٹھونسنے پر مجبور تھی۔ گلاس ونڈو سے احسن صبح سے اسے
دیکھ رہا تھا نوٹ کر رہا تھا کہ وہ کچھ آپ سیٹ ہے اور عروہ کی
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ احسن سے قرعہ کی بات کیسے
کرے؟ کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں تھا اور اب ٹیبلوں کے
لیے کسی کتا گے سب موال دراز کرنا اسے بے موت مار رہا
تھا پھر اس موت کو گلے تو دگانا ہی تھا۔ احسن سے ایک فائل پر
سائن کروانے تھے اور تیو کا ٹریکٹ کی سری بھی دکھانی تھی سو
وہ ہمت کر کے اس کے آفس میں چلی آئی بنا دستک دیئے بنا
اجازت لیے۔

”سری! یہ سری چیک کر لیجیے اور اس فائل پر آپ کے دستخط
چاہئیں۔“ عروہ نے دو قلمیں کھول کر اس کے سامنے رکھتے
ہوئے کہا احسن نے محسوس کیا اس کے ہاتھ ہی نہیں اس کی
آواز بھی کانپ رہی تھی۔

”اندھا نے کے لیٹ آپ نے مجھ سے اجازت طلب کی
اور نہ ہی میں نے آپ کو بلایا۔“ احسن نے اسے دیکھتے ہوئے
آفس رول یا ڈول یا تو دوسر جھکا گئی۔

”بیٹھ جائیے مس جمشید!“ احسن نے فائل پر سائن
کرتے ہوئے اس سے کہا تو وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ
گئی۔ احسن نے کمر اٹھیں سے دیکھا وہ ابھی ہوئی دکھائی
دے رہی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے تھلا ہونٹ دانتوں سے
کٹ رہی تھی بے چینی اور اضطراب اس کے ہر انداز سے
عیاں تھا۔

کرتی ہے جس سے وہ اپنی بیٹیوں کی شادی دھوم دھام سے
کر سکیں اور اسی کی اپنا گھر بنانے کی خواہش بھی پوری
ہو سکے۔ دنیا میں اس کے پاس یہی دور شتے تھے ماں اور
باسوں کے در شتے اور وہ ان رشتوں کو کھوٹا نہیں چاہتی تھی۔

اور احسن ریاض اس کے عشق میں کھو گیا تھا وہ بھی اب
اسے کھوٹا نہیں چاہتا تھا وہ ساخرو تھی جاو کر لی تھی اور اس کے
معصوم حسن کا جاو احسن پر چل گیا تھا۔ وہ اسے اپنے ہر انداز
میں حسین لگتی اور دھکتی تھی۔

”احسن! تم بار چکے ہو اور عروہ بلا مقابلہ جیت گئی۔ وہ آئی
اس نے دیکھا اور فتح کر لیا اور عروہ جمشید کشی بڑی قانع ہے وہ
خود بھی اس بات سے بے خبر ہے۔“ احسن نے خود کھائی
کرتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں بند
آنکھوں کے پیچھے بھی عروہ کی موہنی صورت مسکراتی تھی۔



عروہ کو لو کر رہی کرتے ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ
سفیر اور اسماء نے اسے آفس سے لون (قرض) لینے کے
لیے کہا۔

”ای! اتنی جلدی وہ مجھے لون نہیں دیں گے۔ 50 ہزار وہ
پہلے دن ہی دے چکے ہیں یوں سمجھیں کہ انہوں نے مہینے کی
تینوا لیتے آفس میں دے دی ہے میں کس منہ سے احسن
صاحب سے لون مانگوں؟“

”اسی خوب صورت منہ سے میری پٹی۔“ اسماء نے اس
کی تھوڑی پکڑ کر اس حسین و صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے دلار
سے کہا تو سفینہ بھی بول پڑیں۔

”ہاں عروہ بیٹی! سفینہ کا چیز کھل ہو جائے گا فرنیچر اور
ریفر۔ جریٹر کا بندوبست کروا دو باقی کھانے کا خرچہ تمہارے
باسوں کر لیں گے۔“

”ہاں عروہ پلیز یہ انتظام کرو میں سمجھوں گی کہ میری
بہن نے مجھے شادی کا تحفہ دیا ہے تمہارا احسان ہوگا مجھ پر۔“
سفینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی لہجہ میں کہا تو عروہ کا دل
ترپ اٹھا۔

”سفینہ جی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ میری بہن

”مس جشید۔“

”جی سر۔“ وہ بوکھلا کر بولی۔

”کیا پریشانی ہے آپ کو؟“ وہ پوری طرح سب اس کی

جانب متوجہ تھا۔

”نک..... کچھ نہیں سرا“ عروہ نے لرزتی آواز

میں کہا۔

”کچھ تو ہے مس جشید! جو آپ صبح سے اپ سیٹ دکھائی

دے رہی ہیں کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔“ احسن

اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے

ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

”جی سرا وہ دراصل میری کزن..... میرا مطلب ہے

میری بہن کی شادی ہے اگلے مہینے کیا مجھے کچھ لون مل سکتا

ہے؟“ عروہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تو احسن نے بغور اس کی

آنکھوں میں دیکھا۔

”لون.....“

”میں جانتی ہوں سر کہ مجھے یہاں کام کرتے ہوئے

ایک ہفتہ ہی ہوا ہے اتنی جلدی مجھے لون کے لیے کہنے کا کوئی

دائم نہیں ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں لیکن میرے پاس

کوئی دوسرا آپشن جو نہیں ہے نا..... لون کے بدلے آپ

میری سیلری مست دیجیے گا۔“ عروہ نے غصہ پھیر کر اپنے مدعا بیان

کیا۔ لہجہ اور ہاتھوں پر بدستور کچکی طاعنی احسن کو یقین

نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی عروہ جشید ہے جو جب چاہے جسے

چاہے خاموش کروا سکتی ہے اس تک کی بولتی بند کر دینے اسے

گھر کی گھری سنانے والی پُر اعتماد اور نڈر عروہ جشید.....! جو

اس وقت حالات کے ہاتھوں بے بس اس کے سامنے بیٹھی

تھی احسن کو عروہ سے دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

”کتنی رقم چاہیے آپ کو؟“

”سرا ڈیڑھ لاکھ..... فرنیچر اور فرنیچ وغیرہ خریدنے کے

لیے۔“ عروہ نے اپنی آنکھوں میں اٹھتے آنسوؤں کو بمشکل

پلکیں جھپکا کر چھپ دھکیلتے ہوئے بتایا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں نے صرف رقم کا پوچھا تھا رقم کا مصرف نہیں آپ

مختصر بات نہیں کر سکتیں کیا؟“

”سوری سرا! وہ شرمندگی سے نظریں جھکا گئی۔ احسن کو

لگا کہ وہ ابھی رو دے گی وہ جلد از جلد اس کی پریشانی دور کر دینا

چاہتا تھا اس نے شجر کو اسی وقت فون کیا۔

”شجر صاحب! آپ کیجنر کے پاس جائیں اور ڈیڑھ

لاکھ کیس لے کر اسی وقت میرے پاس میں آئیں۔“

”سر پلیز یہ رقم مجھے شجر صاحب کے سامنے مست دیجیے گا

میں کسی قسم کا کوئی اسکیڈنل افورڈ نہیں کر سکتی۔“ عروہ نے اس

کی طرف دیکھتے ہوئے درخواست کی۔

”تو آپ کو کیا لگتا ہے مس جشید! میں کوئی اسکیڈنل افورڈ

کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔“ احسن نے انشا ہی سے سوال

کیا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی نفی میں سر ہلا دیا۔

”آپ اپنے روم میں جائیں رقم آتی ہے تو میں آپ کو

بلاؤں گا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”او کے سرا“ عروہ بھی اٹھ کر جانے لگی پھر خیال آیا کہ

اس کو شکریہ تو کہا ہی نہیں تو اپنی بے مروتی اور کم عقلی پر ماتم کیا

اور شکریہ کہنے کے لیے چلی تو وہ اس کے عین سامنے کھڑا تھا وہ

گھبرا گئی۔

”ابنی پراہلم۔“ احسن نے اس کی جھکی آنکھوں میں

تیرتے پانیوں کو بے قراری سے دیکھا تھا۔ عروہ نے نشی میں

سر ہلا دیا۔

”تھینک یو میری مچ سرا! اظہار تشکر کے طور پر عروہ کی

آنکھوں سے دو آنسو بہہ نکلے تھے احسن نے تڑپ کر بے

اختیاری میں اس کے آنسو رخساروں سے اپنی انگلیوں میں

جذب کر لیے۔

”نو..... رونا نہیں ہے آپ تو بہت بہادر لڑکی ہیں آپ

رو نہیں گی تو ہم تو ٹوٹ ہی جائیں گے۔ جائیں اور بی فکر

رہیں۔“ احسن نے بہت محبت اور اہمیت بھرے لہجے میں کہا

تو وہ بھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی اپنے کہن میں

آگئی۔ احسن نے اپنے ہاتھوں میں جذب اس کے آنسوؤں

کی ٹہنی کو اپنے چہرے پر سایہ حیات کی طرح مل لیا۔

عروہ نے الیاس بیک کونون کر کے اپنے آفس کے باہر

آنے کا کہا تھا کہ وہ رقم لے کر ان کے ساتھ بازار جائیں

سے کہا۔

"ابو کے فائنل لیکن اس وقت تم رونا بند کرو پلیز۔"

"جی....." وہ جلدی سے اپنے ہاتھوں سے آنسو صاف کرنے لگی۔



عروہ اور الیاس بیگ نے ڈیڑھ لاکھ کی اس رقم سے سفینہ کے جہیز کا فرنیچر خریدا۔ ریفریجریٹر خریدنے کے بعد اسے چمبے ہی بچے تھے جن سے انہوں نے سب گھر والوں کے لیے کھانے کے لیے کچھ سامان لیا اور گھر واپس آ گئے اور اس وقت بیگ ہاؤس میں سب خوشی سے کھلے چارے تھے سلیمہ نے تو مارے خوشی کے عروہ کا ماتھا چوم لیا۔ "وہا! تکیہ سفینا! سہا بھی بہت خوش تھیں اتنا شاندار سامان دیکھ کر سفینہ نے تو عروہ کو گلے اگالیا۔

"تم بہت اچھی بہن ہو میری تم نے مجھے خوشی دی ہے عروہ ان شاء اللہ تمہیں بھی بہت خوشیاں ملیں گی۔"

"ان شاء اللہ عروہ نے تو میرے کندھوں کا بوجھ اٹھا کر دیا یہ تو بیٹا ثابت ہوئی ہے۔" الیاس نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر دل سے کہا۔

"خیر اس کا خلف بننے سے تو تشویر نہ دیں آپ عروہ کو یہ تو احساسِ ذمہ داری اور محبت کی بات ہے جو عروہ نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے وہ سب کا بیٹا ہو کر ماں باپ بہنوں کو بھول گیا۔" میمنے میں ایک فون کر کے سمجھتا ہے فرض ادا ہو گیا۔" سلیمہ نے چلوں کے ساتھ کہا تو وہ بھی بد مزہ ہو گئے۔

"اچھا چھوڑو یہ باتیں چلو سب کے لیے کھانا لگاؤ۔" الیاس بیگ نے بات بدل دی۔

"عروہ تم نے تو ایک دن میں بلکہ چند گھنٹوں میں یہ کام کر دکھایا ہمیں تو اتنی جلدی رقم کا بندوبست ہونے کی امید نہیں تھی۔" اسہ نے عروہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی عروہ بیٹی! تم نے تو کمال کر دیا جیتی رہو بس۔" سلیمہ کی خوشی دیدنی تھی اور عروہ اندر سے اتنی ہی جھجھکی کی تھی۔

"ہائی! میں نے خود سے کچھ نہیں کیا بس اللہ نے کرم

اور سفینہ کے جہیز کی مطلوبہ چیزیں خریدیں۔ اسے عروہ کو دونا آ رہا تھا اس نے اٹھ کر پردہ وٹو پر کھینچ دیا اور پھر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ احسن نے ڈیڑھ لاکھ کی رقم کا لٹافہ لے کر فیچر کو واپس بھیج دیا اور عروہ کو بانے کا ارادہ کیا تو وٹو پردہ پڑا دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔

"اوہو..... یقیناً وہ رورہی ہوگی مجھے خود ہی اس کے کہیں میں جانا چاہیے۔" احسن نے زرب لب کہا اور رقم کا لٹافہ اٹھا کر اس کے کہیں میں داخل ہوا تو اسے مرنے کی طرح روتے پایا۔ وہ بے قرار ہو کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

"مس جمشید! پلیز ریٹیکس سنبھالیں خود کو یہ لہجے ڈیڑھ لاکھ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کیا آپ کی پرابلم حل ہوئی اور آپ رورہی ہیں۔" احسن نے رقم کا لٹافہ اس کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں پہلی بار..... کسی کے سامنے..... ہاتھ پھیلائے ہیں تو..... تو رونا تو آئے گا مگر۔" عروہ نے روتے ہوئے انک انک کر کہا تو احسن کا دل چاہا کہ اسے اپنے سینے میں چھپالے اس کے سارے آنسو اپنے دامن میں جذب کر لے مگر وہ خود کو اس لمحے بے بسی کی انتہا پر محسوس کر رہا تھا۔ "اس لو کے عروہ! کچھ نہیں ہوا میں ہوں نا تم اپنا ہر مسئلہ مجھ سے شیئر کر سکتی ہو میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے اپنا دوست سمجھو تم سمجھو کہ تم نے کسی اپنے سے اپنی پریشانی شیئر کی ہے پلیز روؤ نہیں۔" احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت نرم اور محبت بھرے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

"اپنے پن اور دوستی کا ٹانگ کر کے نرم دے کر مجھ پر یہ احسان کر کے مجھے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے گا یا وہی اور میں چونکہ اس کے احسانات تلے دبی ہوں گی اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جاؤں گی یہی یقین احسن ریاض کو میرے ساتھ یہ جیسی کروا رہا ہے۔" عروہ نے دل میں سوچا۔ "تو پانی پیو۔" احسن نے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا اس نے خاموشی سے پانی پی لیا۔

"سرا آپ میری چار ماہ کی سکری مست دیکھیے گالوں کی رقم کاٹ لیجیے گا۔" وہ روتے ہوئے بولی تو اس نے سنجیدگی

آنکھیں اپنی بیٹی کی آنکھوں کی سرخی اور سوخن نہیں دیکھ سکتی تھیں جو روئے سے ایسی ہو گئی تھیں۔

”عروہ جمشید اتم سے اپنے گھر والوں کی خوشی نہیں دیکھی جارہی تم نے اگر ان سب کی خوشی کے لیے قرض لے لیا تو کیا ہوا ان سب کی خوشی سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے نا تم اور نہ تمہاری اماں اور عزت نفس۔ تمہیں اگر اس گھر میں رہنا ہے تو یہ سب تو سہنا ہوگا ضمیر کو سہانا ہوگا اب تم پابند ہوا ان سب کی بھی اور احسن ریاض کی بھی گھر والے تمہیں نوٹ چھاپنے والی مشین سمجھتے ہیں اور یہ سلسلہ اب رکے گا نہیں سفینہ کے بعد حمید اور مونا کی شادیاں بھی ہونی ہیں اور تم ماموں مائی کے لیے وہ چیک بک ہو جسے وہ حسب ضرورت کیش کراتے رہیں گے۔ ایک چھت تیرے رتنے کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی تمہیں تحفظ کی چھت کی قیمت اپنا آپ بچنے سے ہے یہاں یہ حسن یہ جوانی بکاؤ مال ہے ان کی نظر میں۔“ عروہ کا ضمیر اسے آئینہ دکھا رہا تھا جس میں اسے اپنا اور گھر والوں کا سب کا مستقبل اور چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دنگ ہو گئی اور روتے روتے سو گئی۔



عروہ آفس میں ایک میٹنگ اینڈ کرنے کے بعد اپنے کیمین میں آئی تو احسن نے اسے بلا لیا۔
”جی سر!“ تو اس کے دروم میں داخل ہوئی۔
”بٹھیے۔“ احسن نے گری کی طرف اشارہ کیا تو وہ آرام سے بیٹھ گئی۔ احسن نے اس کا بغور جائزہ لیا میرا دن شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں وہ اسے بے حد دلربا مگر دل اس گئی۔
”لگتا ہے تم ساری رات روٹی رہی ہو ٹھیک سے سو نہیں سکیں۔“ احسن نے اس کی آنکھوں میں پچاس سرخ نگینوں کا جال دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی سر!“

”کیوں؟ اب تو کوئی پرابلم نہیں ہے نا ڈیڑھ لاکھ میں سب خریداری ہو گئی ہوگی۔“

”جی سر ہو گئی اور سب گھر والے بہت خوش ہیں آپ کا شکریہ سر!“ عروہ نے سنجیدگی سے کہا۔

کر دیا کہ احسن صاحب نے میری بات سن کر لون دے دیا۔“ عروہ نے بے کل ہو کر کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

”ارے بیٹی! کون کیوں؟ تم ان پیسوں کو اپنا حق سمجھو احسن ریاض نے تمہیں فوراً ڈیڑھ لاکھ تمہارے لیے تو اس کے پیچھے کوئی توجہ ہو گئی نا۔“ سلیم نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھڑکی ہو گئی۔

”وجد کیا ہوئی ہے مائی! وہ مجھے اپنے احسانات تنے دیا کر مجھ سے اپنی مرضی کے کام لکوائے گا۔“ عروہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو اسے بولیں۔
”کہاں چلیں عروہ! کچھ تو کھا لو۔“

”اے! میرے سر میں درد ہو رہا ہے تھک گئی ہوں اب سوؤں گی۔“ عروہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔
”عروہ بیٹا! سر درد کی کوئی دواں نہیں؟“ سلیم نے بھی متاثر کھائی۔

”نہیں مائی! میں سوؤں گی تو درد ٹھیک ہو جائے گا۔“
”اچھا بیٹی سو جاؤ۔“ سلیم نے مسکراتے پیرا لٹاتے لہجے میں کہا۔

”سفینہ بیٹی! عروہ کے لیے الگ سے رکھ دینا“ جب چائے کی تو کھا لے گی۔“ الیاس بیک نے کھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا ابو!“ سفینہ نے جواب دیا۔ رات کو خوشی سے پھولے نہ ساری تھیں کہ ان کی بیٹی کی بدولت ان کے بھائی کے گھر میں خوشیاں کھڑ گئی تھیں۔

عروہ بستر میں لیٹی بے ہوا لڑکھار تھی اسے بہت نفسوں ہو رہا تھا اپنی ماں اور مائی کی سوچ پر وہ تو بچی سمجھتی تھیں کہ اس نے احسن ریاض کو اپنی دوائیں دکھا کر چھ لاکھ لاکھ حاصل کیے ہیں ان کو اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ آج وہ احسن ریاض کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنی ہی نظیروں میں گر گئی تھی۔ اپنی کمزوری اس کے ہاتھ میں دے آئی تھی۔ اس کی مقروض بن گئی تھی اندر سے کتنی نوٹ گئی تھی! کھڑکی اس کا احساس کسی کو نہیں تھا حتیٰ کہ اس کی اپنی ماں کی آنکھوں میں بھی شائد افراتفر نہ ہو دیکھ کر کیسی چمکتی گئی تھی اور ان کی

اپنا بوجھ خود اٹھانے لگتی ہوں۔" عروہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
 "ہوں۔" احسن نے اپنے ہاتھوں سے ٹکون بناتے ہوئے شکل پر کہیاں دیں اور اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر میں آپ کو علیحدہ گھر لے دوں تو آپ کی اپنے ماموں کے گھر کی ذمہ داریوں سے جان چھوٹ سکتی ہے۔"
 "سر..... آج کل علیحدہ گھر لینا کوئی مذاق نہیں ہے آپ نے جو احسان کر دیا ہے وہی بہت ہے میرے لیے۔" عروہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ذہن دل تو اس کا بھی چاہتا تھا کہ وہ اپنے الگ گھر میں رہے جہاں سے نکالے جانے کا ڈر نہ ہو وہ اپنی مرضی سے سوئے جائے جہاں مرضی آئے اٹھے بیٹھے۔
 "میں آپ پر کوئی احسان نہیں کر رہا مں جمشید! میں آپ کو کمپنی کی طرف سے فرائض گھرا کر کر رہا ہوں آپ چاہیں تو کل ہی اس گھر میں شفٹ ہو سکتی ہیں اور آج بلکہ ابھی میرے ساتھ چل کر وہ گھر دیکھ لیجیے۔" احسن نے اس کے سندر چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے احسن کو دیکھا۔

"سر آپ مجھ پر اتنی مہربانی کیوں کر رہے ہیں؟"
 "آپ نہیں جانتیں کیا؟" احسن نے اس کی آنکھوں میں بھانٹا تو وہ شیشا کر کھڑی ہوئی۔

"سر..... میں چلتی ہوں۔" وہ کھڑی ہونے ہوئے بولی۔

"اس وقت آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"کہاں؟"

"جہاں میں لے جاؤں۔" وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"اس کا اختیار تو آپ کو حاصل نہیں ہے۔"
 "تو دے دو تا یہ اختیار بھی مجھے تو تم نے اپنے اختیار میں کر لیا ہے جو چاہو منوالو مگر مجھے بھی تو کچھ اختیار دے دو اپنی ذات کے حوالے سے۔" احسن نے اس کے رو بہ کھڑے ہو کر اس کے چہرے کو بخوردیکھتے ہوئے بے خودی سے ہلچل میں کہا تو عروہ کے بدن میں آگ سی سرایت کر گئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"یو آؤ آل ویز ویلکم۔" احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "آؤ ویز۔"
 "لیس....."

"لیکن کیوں سر؟"

"کیونکہ تم ایک اچھی لڑکی ہو اور مجھے لوگوں کے کام آ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔" احسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اپنے دل کی بات فی الحال اس نے بتانا مناسب نہ سمجھا۔
 "سر! آپ اس احسان کے بدلے مجھ سے کوئی اتنا سیدھا کام کراسنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"آپ کو میں اس قسم کا آدمی دکھائی دیتا ہوں؟"

"نہیں سر! لیکن اس پر تو آپ نے مجھے اس شیطان بے ایس خاں کے گھر جو بھیج دیا اور ڈرا سورا بھی مجھے وہاں چھوڑ کر جا رہا تھا۔" اس نے فوراً اپنی بات کا جواز پیش کیا۔

"مٹی ڈالیں اس بات پر اور یہ بتائیں کہ آپ کے گھر میں کتنے افراد ہیں؟" احسن نے اس بات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"سر! میرا کوئی گھر نہیں ہے ابابا کے انتقال کے بعد ان کے بھائیوں نے ہمارا گھر ہم سے تقسیم لیا۔ میں اور امی واپسا سامان لے کر ماموں کے گھر آ گئے مامی کو ہم ماں مٹی کا وہاں آنا کچھ اچھا نہیں لگا تھا مگر پھر بھی انہوں نے ایک کمرہ ہمیں دے دیا۔ اسی لیے میں نے جانب تلاش کرنا شروع کر دی تھی تاکہ ہم ماں مٹی ماموں پر بوجھ نہ بنیں۔ ماموں جنرل اسٹور چلاتے ہیں ان کا بیٹا دہلی میں ہے پر وہ گھر والوں کو بھول چکا ہے۔"

"اور آپ اپنے ماموں کا بیٹا بننے کی کوشش کر رہی ہیں اس کے حصے کی ذمہ داری بھانکے ہے نا۔" احسن نے اس بات کی سن کر کہا۔

"شاید اصل میں ہمارا کوئی اور سنگار شیتہ وار نہیں ہے سوائے ماموں کے ہونا بھی تو اپنے گھر کوں رکھتا ہمیں؟ ماموں کے گھر کی چھت کا تحفظ تو مل گیا ہے لیکن اماں نہیں ملی جب سے جانب ملی ہے تب سے کچھ امینان ہوا ہے کہ میں

"مجھے جانے دیں سر پلیز۔" عروہ نے شپٹائے لہجے میں کہا۔

"کہاں جاؤ گی؟" احسن نے اس کے بالوں کو چھوا۔
"گھر....."

"تو میرے گھر چلو جو نہ جائے تب سے تمہارا منتظر ہے۔" احسن نے اختیار ہوتے ہوئے بولا۔

"سر کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" وہ متوجش ہو کر بولی۔

"مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔" احسن نے اس کا ہاتھ تھاما جسے عروہ نے فوراً چھڑا لیا۔

"پلیز سر! مجھ پر یوں مہربان مت ہوں۔" عروہ نے کہا۔

"محبت مہربان نہ ہو ایسا ممکن ہے کیا؟"

"عروہ جو ماں اور مانی چاہتی ہیں وہی ہو رہا ہے تم کیوں گھبرارہی ہو احسن تو خود بخود تمہارے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے قلم بردار تھا اس منہ پر سے۔" عروہ نے کہہ دیا۔
نے اسے جگاتے ہوئے کہا مگر زبان نہ سمجھ سکی کہہ دیتی تھی۔

"سر! کسی نے دیکھ لیا تو وہ کیا سوچے گا؟ آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ آپ مرد ہیں اور مالک ہیں اس کنبھنی کے مگر میں بدنام ہو جاؤں گی میری عزت دو کوڑی کی ہو جائے گی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا عروہ! میرا یقین کرو میں تمہیں عزت دینا کے رکھوں گا بہت عزت کرتا ہوں میں تمہاری۔ مجھے تو شاید برسوں سے تمہارا ہی انتظار تھا میں تمہاری عزت پر آج بھی نہیں آنے دوں میں تمہیں اپنی دلیں دینا کرانے گھر لے جاؤ چاہتا ہوں۔" احسن نے اس کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دلیں دینا کر.....؟" عروہ کو اس سے اتنی جلدی اس بات کی توقع نہیں تھی۔ تو قلع تو خود احسن کو بھی نہیں تھی کہ وہ ایک دم سے اسے اپنے دل کی بات بتا دے گا شاید وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا اس کے اطراف خوشیوں کا حصار کھینچا چاہتا تھا اور اس کے چہرے اور آنکھوں سے اس کی پائنتی محسوس ہو رہی تھی مگر دماغ کہہ رہا تھا کہ ہونا ہو وہ ان پیار

بھری باتوں سے اسے اپنے دامن میں پھنسانا چاہتا ہے۔
مراعات دے کر اپنے مفادات پورے کرنا چاہتا ہے۔

"ہاں عروہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" احسن نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے گھر جانا ہے سر!" عروہ کا نچی آواز میں بولی۔
"گھر..... میرے گھر چلو گی نا میں تمہیں تحفظ کی چھت

دوں گا تمہاری اپنی چھت جہاں سے کوئی تمہیں جانے کے لیے نہیں کہے گا۔" احسن نے تیزی سے کہا۔

"فی الحال تو آپ مجھے میرے ماموں کے گھر جانے دیں۔"

"فی الحال..... مطلب کہ مستقبل میں تم میرے ساتھ میرے گھر جاؤ وہاں رہنا پسند کرو گی۔" وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"مستقبل کا کسے پتا ہے سر! یہاں کل کیا ہو کس نے جانا اللہ حافظ۔" عروہ اپنی بات ختم کر کے وہاں سے اسکی دوڑی کہ گھر پہنچ کر رہی وہ لیا۔

"کبھی میں نے جلدی تو نہیں کر دی عروہ! مجھے غلط سمجھ رہی ہے اس میں اس کا تصور بھی نہیں ہے میں نے جس طرح اسے جے ایس خان کے گھر بھیجا تھا وہ تو ایسا سوچے گی تھا لیکن یہ سچ ہے کہ میں اس سے بہت پیار کرتے لگا ہوں لہجوں کی بات بھی ساری محبت شاید اسی طرح ہوا کرتی ہے اچانک سے بنا بتائے بنا سوچے سمجھے بے اختیار میں ہو جانے والی اور مجھے عروہ سے محبت ہو گئی ہے۔ بس اسے یقین ہو جائے۔" احسن نے خود کلامی کی تھی۔



احسن رات کو سوئے کے لیے بیڈ پر آیا تو عروہ کے بارے میں نئی سوچ رہا تھا۔ ادھر عروہ اپنے ہاتھوں میں اب تک احسن کے ہاتھوں کا لمس ان کی حرارت محسوس کر رہی تھی۔ دل اس کی باتوں پر یقین کر رہا تھا بڑے سہانے خوب دکھلا رہا تھا جب کہ دماغ اور حالات ان سب باتوں کی نفی کر رہے تھے۔

"عروہ جمشید! احسن ریاض سے تمہیں صرف اپنا



ہم دو تین دن میں اس گھر میں شفقت ہو جائیں گے اور ماموں مامی کے احسان کی اس چھت سے بھی ہمیں نجات مل جائے گی۔" عروہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہ بھئی میں تو یہاں سے نہیں جانے کی۔"
"لیکن کیوں امی۔"

"وہ اس لیے میری بھولی بیٹی کے وہ گھر تو کہیں کا ہے تو ایک سال بعد جب تمہاری نوکری ختم ہو جائے گی تو کہیں تم سے اپنا وہ گھر بھی واپس لے لے گی پھر کیا ہوگا؟ پھر ہم لوٹ کے بدحوہ گھر کرائے کی مانند ہی گھر میں واپس آئیں گے نا اور طبی انگ لڑائیں گی بھائی بیگم ہماری کہ بڑی لڑکی تھیں اپنے گھر رہنے کے لیے۔" اسماء نے سختی سے جواب دیا۔

"اے اب تک ہم کوئی اور بندوبست کر لیں گے تم لازم ہم پر ماموں کا احسان تو نہیں رہے گا۔"

"ارے احسان کیسا؟ ڈیڑھ لاکھ کے مقروض ہیں وہ ہمارے یہ کوئی معمولی رقم نہیں ہے احسان تو ہمارا ہے اب ان پر تم نے دیکھا نہیں کیسے تمہاری مامی اور کزنز تمہارے بچے جیتھے پھرتی ہیں اب یہ سب پیسے کا کمال ہے میری بچی! ہاں اگر اچھا گھر ہوتا احسن ریاض نے کوئی گھر نہ کر دیا ہوتا تب تو بات تھی۔" اسماء کی باتوں نے اسے مزید مشترب کر دیا۔

"امی! اللہ نے ہمیں ہماری اوقات سے بڑھ کر دیا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں چار دن کی نوکری میں میرا پاس مجھے ایک گھر خرید کے میرے نام کر دے کیوں..... ایسا کیا کیا ہے میں نے اس کے لیے؟" عروہ نے سپاٹ اور اکھڑے لہجے میں کہا۔

"یہ تو تم ہی جانو کے ایسا کیا کیا ہے تم نے اس کے لیے کہ وہ تمہیں گھر آفر کر رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ جلد ہی وہ تمہیں شادی کے لیے بھی کہہ دے گا۔" اسماء نے شکی لہجے میں کہا اور ہنسنے لگیں عروہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

"وہ مجھے پر پوز کر چکا ہے۔"

"ہا نہیں..... سچی....." اسماء نے وید سے منکاسے۔

"جی۔" اس نے منہ مسود کر کہا۔

"لو پھر کہتی ہو کہ میں نے کچھ نہیں کیا اب دن دن میں

مطلب پورا کرنا ہے اتنی جلدی اگر احسن کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ تمہارے گھر کے مسائل حل کرنے میں تمہاری مدد نہیں کرے گا اسے تو صرف تم سے غرض ہے اور تم نے اس کے بزنس سے اپنے گھر والوں کی غرض اور ضروریات پوری کرنی ہے اور ایسا اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم احسن ریاض کو لٹکائے رکھو اگر تم نے تو اس کی محبت قبول کر لی یا خود اس سے اظہار محبت کر دیا تو وہ فوراً شادی کرنے کا کہے گا اور اگر شادی محض ڈرامہ ہے تو بھی جب تک تم اس سے کچھ بھی نہیں رہو گی وہ تمہارے قریب آنے کی کوشش کرے گا اور جب تک اس کی مطلب پوری نہیں ہوگی وہ تمہارے لیے سب کچھ کرتا رہے گا لیکن اگر اس کی مطلب پوری ہو گئی اس کی بھوک پیاس منٹ گئی تو وہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ تمہیں سمجھ داری سے احسن کو چندل کرنا ہے خود کو تر نوال نہیں بنانا۔" عروہ کے دماغ نے اسے سمجھایا۔

"عروہ جی! فینڈ نہیں آ رہی کیا؟" اسماء نے کروٹ بدلی تو اسے جاگتے دیکھ کر پوچھا تو وہ چھت کو تکتے ہوئے بولی۔
"نہیں امی..... امی مجھے کہنی نے فرشتہ گھر کی آفر کی ہے۔"

"کہنی نے یا احسن نے؟" اسماء بارے خوشی کے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"کہنی نے....."

"ایک نئی بات ہے بیٹا! مجھے یقین تھا کہ تم اس امیر نادے کو جلد ہی اپنے قابو میں کر لو گی۔" اسماء نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"امی! میں نے کچھ غلط نہیں کیا کہنی کے دوسرے طراز میں بھی کہنی کی طرف سے پیسے گئے گھروں میں رہتے ہیں میں کوئی پکائی نہیں ہوں۔" عروہ نے تیز لہجے میں کہا اسے بہت برا لگا تھا کہ اسماء نے اس کے کردار کو کیا سمجھ لیا تھا یہ تو قدرت کا کرشمہ تھا کہ احسن ریاض اس پر مہربان ہو گیا تھا۔

"لو ہو..... اچھا چھوڑو اس بات کو گھر دیکھا تم نے کیا ہے؟" اسماء نے اسے ناراض دیکھ کر پیار سے پوچھا۔

"نہیں دیکھا لیکن آپ سامان پیک کرنا شروع کر دیں

دولت مندا دنی دھاری منھی میں ہے اور.....

"پلیز امی بس کیجیے شرم آ رہی ہے مجھے آپ اپنی بیٹی کو ایک بازاری عورت سمجھ رہی ہیں جو او میں دکھا کر اپنا جسم بیچ کر دولت جمع کرتی ہے۔"

"ارے تم تو جذباتی ہو رہی ہو میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔" اسماء نے عروہ کے غصے میں بولنے پر ہلکا کر کہا۔

"آپ کا جو بھی مطلب تھا میں خوب سمجھتی ہوں۔" وہ اٹھ کر پانی پینے لگی۔

"تو پھر وہ گھر اپنے نام کروالو نا۔" اسماء نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پانی پی کر بولی۔

"نام بھی ہو جائے گا لی الحال تو وہاں جانے کی تیاری کریں آپ۔"

"میں نے کبھی پاٹا میں وہاں نہیں جاؤں گی تم تو صبح سے شام تک فیس میں بیٹھی ہو گئی میں گھر میں سارا دن اکیلی کیا کروں گی؟" اسماء نے اٹھ مار لہجے میں کہا۔

"وہی جو آپ کی زندگی میں کیا کرتی تھیں پہلے بھی تو آپ صبح سے شام تک گھر میں اکیلی ہی رہتی تھیں۔" عروہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اسماء کھسپائی سی ہو گئی۔

"میں نے تمہیں وجہ بتادی ہے کل کو تمہاری نوکری چھوٹ جاتی ہے تو گھر بھی چھوٹ جائے گا اور اگر تمہاری شادی ہوگئی تو میں کہاں جاؤں گی؟"

"اگر..... یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ میری شادی ہوگی یا میری شادی کرنے کی خواہش نہیں ہے آپ کو بلکہ آپ کو یہ ذرے کہ اگر میری شادی ہوگئی تو آپ کہاں رہیں گی آپ کا گزارہ کیسے ہوگا؟" عروہ نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

"ظاہر ہے اسی لیے میں یہاں سے نہیں جانا چاہتی کل کو بھائی بھائی بھی کہیں گے کہ اپنے مطلب کو جب دل چاہا ہو یا بستر سمیٹ کر چلی آتی بنے بھائی کا گھر ہے یہاں سو باتیں بھی سن کے رہ لوں گی مگر یہاں سے بار بار جانے آنے کے کھیل میں اپنی عزت نہیں ٹوٹانی مجھ کو۔ تمہیں تو بس وہ نظر آ رہا ہے جو سامنے ہے اور میں دور تک دیکھ رہی ہوں۔ ہم اکیلی عورتوں کو یہ معاشرہ جین سے نہیں جینے دے گا مرد کا

ساتھ ہر عمر میں ہر حال میں عورت کے لیے ضروری ہوتا ہے خواہ وہ مرد بھائی ہو یا پاپ ہو یا بیٹا۔" اسماء نے سنجیدگی سے جواب دیا تو گھر اسانس لہوں سے خارج کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" "کو شش کرو کہ یہ جاب پکی ہو جائے۔" اسماء نے کہا۔

"ہاں ظاہر ہے ناموں کی بیٹیوں کی شادی کے اخراجات اب مجھے ہی تو پورے کرنے ہیں۔ اپنی ایک ضرورت کی خاطر مجھے ان کی ہزار ضرورتیں پوری کرنا ہوں گی۔" عروہ نے تلخی سے کہا اور بستر میں لیٹ گئی۔

"عروہ میری جان! غصہ نہیں کرتے تم ہی تو مجھے کتاب میں سے پڑھ کر اقوالِ زریں سنایا کرتی تھیں کہ اگر کوئی تم کو صرف اپنی ضرورت کے وقت یاد کرتا ہے تو پریشان مت ہونا بلکہ غور کرنا کہ اس کو اندھیروں میں روشنی کی ضرورت ہے اور وہ روشنی تم ہو۔" اسماء نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"ہاں بہت اچھے لوگ ہیں آپ کو اپنے مطلب کے لیے قرآنی آیات احادیث اور خلفاء راشدین کے فرمودات اور اقوالِ زریں یاد آنے لگتے ہیں یہ رشتے جیک سے کرنے کے لیے ہی ہوتے ہیں کیا؟" عروہ نے اسماء کو کوئی جواب نہیں دیا لیکن دل ہی دل میں وہ خود سے ضرور سوال کر رہی تھی وہ اس وقت سونا چاہتی تھی مگر غنیمت اس سے آج پھر روٹھ گئی تھی۔



آفس کے ضروری کام نٹانے کے بعد عروہ نے جوں منگوا کر اپنے کیمین میں بیٹھ کر جوں پیتے ہوئے اس نے اخبار کھولا تو اخبار کی تہہ میں ایک پمفلٹ رکھا تھا۔ عروہ نے اٹھا کر پڑھا "براعت اسٹوڈنٹ اکیڈمی" کا اشتہار تھا یہ اکیڈمی کمپنی آفس سے زیادہ دور نہیں تھی اور اکیڈمی کو میچھ اور انگلش پڑھانے کے لیے اساتذہ کی ضرورت تھی۔ ایک خیال بجلی کی طرح عروہ کے ذہن میں کودا اس نے اسی وقت دئے گئے فون نمبر پر کال کر کے اکیڈمی کے پرنسپل سے بات کی ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ پمفلٹ اپنے بیگ میں

"تم نے گھر میں شفٹ ہونے سے متعلق کچھ سوچا؟"
کھپنی کا پروڈکشن سینٹر کارڈوٹھ لے کر واپس آتے ہوئے
احسن نے عروہ سے دریافت کیا۔

"بھیس کھپنی ہوم میں شفٹ نہیں ہونا سزا"
"کیوں؟" احسن نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے
پوچھا تو اس نے اسامہ کی کچی گئی بات اس کے گوش گزار کر دی۔
"ہوں تو یہ بات ہے۔" احسن نے سوچ انداز میں بولا۔
"ٹھیک ہے میں وہ فرائڈ گھر قانونی طور پر تمہارے نام
کر دیتا ہوں اور کھپنی تمہیں کبھی فارغ نہیں کرے گی یہ میرا حق
سے بھلا ہے۔"

"نو ٹھیک ہو میرا میں اتنا بوجھ اٹھانے کی متحمل نہیں
ہو سکتی۔" وہ اس کے ساتھ اس کے روم میں داخل ہوتے
ہوئے بولی تو وہ بے گلی سے بولا۔

"بوجھ.....؟ تم میری محبت کو بوجھ کہہ رہی ہو۔"
"آج کل محبت بھی مفاد کا دوسرا نام ہے سراسر اپ تو
ایک بزنس مین ہیں ناں پھر یہ نوڈشیں کیوں کر رہے ہیں مجھ
پر؟ اپنے کسی قائدے کے بغیر آپ میرا قائدہ کیوں کر
چاہتے ہیں؟" عروہ نے نہایت سنجیدگی سے سوال کیا احسن کو
دکھ نور ہاتھ اور اس کے خلوص و محبت پر شک کر رہی تھی۔ احسن
نے عروہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے دھیمے پن سے کہا۔
"عروہ ڈائیرا خلوص کوئی کاروبار نہیں ہے جہاں لین دین
ہوتا ہے یہ ایک پُر خلوص جذبہ ہے جس میں کسی صلے کی
توقع کے بغیر آپ اپنا آپ وقف کرتے ہیں۔"

"ٹھیک یووری ریج سراسر میں آپ کے جذبات کی قدر
کرتی ہوں لیکن میں سر جھکا کر جینا نہیں چاہتی۔"

"کس نے کہا کہ مجھ سے یہ مراعات لینے سے تمہارا سر
جھک جائے گا۔" احسن نے قدرے دھیمے لہجے میں استفسار
کیا۔ "جانتی ہو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟"

"آپ جانتے ہیں نا میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔"
عروہ نے نوراً کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو کیا جو محبت میں انسان بدلے کی محبت کی خواہش
اور توقع تھوڑی رکھتا ہے جس سے عشق ہو جائے نا بس پھر

رکھ لیا۔ اس نے ٹیبل کی دروازہ کا ایک کھول کر اپنی قفل نکالی
جس میں اس کا سی دی موجود تھا آفس سے واپسی پر وہ
برائٹ اسٹوڈنٹ اکیڈمی گئی پرنسپل نے سی دی دیکھنے اور
انٹرویو کے بعد جانب دے دی۔ اکیڈمی میں اسے شام چھ
بجے سے رات آٹھ بجے تک اسٹوڈنٹس کو میٹھ اور انگلش
پڑھانا تھا اور ماہانہ چند روپے ہزار تنخواہ ملے پائی تھی۔

"امی آج واپسی پر مجھے دیر ہو جائے گی۔" صبح اس نے
تیار ہوتے وقت اسامہ سے کہا۔

"کتنی دیر ہو جائے گی؟"
"نوں بج سکتے ہیں۔"

"لگتا ہے آج باس کے ساتھ ڈنر پر جانا ہے۔" اسامہ نے
شوخی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو ان کی مسکراہٹ اور لہجہ
پر عروہ کا دل بہت نرم ہوا۔

"جی نہیں میں آج سے آفس کے بعد اکیڈمی میں
پڑھانے جایا کروں گی تاکہ کھپنی کا لون میری تنخواہ سے کتنا
رہے اور اکیڈمی کی کمائی ہماری ضرورت پوری کرتی رہے۔"
عروہ نے ناشتے کی ٹرے سرکاتے ہوئے بتایا۔

"افوہ..... کیا ضرورت ہے اتنی مغز ماری کرنے کی؟
کہا بھی تھا کہ وہ ڈیڑھ لاکھ قرض مت سمجھو اسے اپنی محبت
کا ٹانک کر کے احسن ریاض سے معاف کرو انکو مگر تمہیں تو
ایمان داری اور پارسائی کا خبط ہو گیا ہے۔" اسامہ نے
اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا تو سلیم نے آواز سن کر چلی
آئیں اور کہنے لگیں۔

"عروہ بیٹی! تم اتنی گنگا میں ہاتھ دھونے کی بجائے سب
کچھ اپنے ہاتھ سے ڈبو دو گی اتنی محنت کر کے اپنی محنت اور یہ
رنگ روپ برباد کر لو گی۔ گولی مارو اکیڈمی کی نوکری کو اور احسن
ریاض جو دیتا ہے رکھ لو اور جو ہمیں چاہیے وہ اس سے نکلوا لو
چہارے محبت سے سمجھو ارنی سے کیا سمجھیں۔"

"سمجھ گئی اللہ حافظ۔" عروہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا
باہر کھپنی کی گاڑی پارک پر بارن دسے رہی تھی وہ چادر اوڑھتی
ہوئی باہر نکل آئی۔



کی مالک بنادیا تھا۔ عروہ مکان کے کافذات کی فائل گھر لے آئی اور بہت احتیاط سے سب سے چھپا کر اپنے سوٹ کیس میں رکھ دی تھی اس کا دل احسن کی یہ مراعات لینے پر آمادہ نہ ہوتا مگر اسے گھر والوں کی خاطر اپنے دل اور ضمیر دونوں کی توازن پر کان بند کرنا پڑتے۔

سفینہ کی شادی دھوم دھام سے ہو گئی ساتھ ہی انگینہ اور عروہ کے دو تین رشتے آ گئے۔ عروہ کے رشتوں کو تو صاف منع کر دیا گیا جب کہ سفینہ کے رشتے کے سلسلے میں بات چیت جاری تھی۔ یہ دو غلا پن رشتوں اور محبتوں میں یہ تضاد و منافقت عروہ کو بہت زیادہ دکھ سے دوچار کر رہا تھا۔ کئی ہفتوں سے ملنے والی اس ٹینشن نے عروہ کو تیار کر دیا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی رنگ بھٹ جائے گی یا اس کا منہ پر یک ڈاؤن ہو جائے گا اس نے آفس سے آج چھٹی کر لی تھی اور چھٹی کی درخواست بھجوا دی تھی اپنا سیل فون بھی آف کر دیا تھا۔ اما اور سلیم اس کی خوب تار داری کر رہی تھیں اور وہ جانتی تھی کہ یہ تار داری صرف اس لیے کی جارہی ہے تاکہ وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائے اور پھر سے ان کے لیے نوٹس کا کر لائے۔ سلیم سے جب عروہ نے پوچھی کی طرف سے ملنے والے گھر میں شفٹ ہونے کا ذکر کیا تو سلیم نے فوراً بڑے پیار دلا ر سے منع کر دیا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ نوٹس چھاپتے والی مشین ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اسامہ اور عروہ کا ان کے گھر سے چلے جانے کا مطلب تھا کہ گھر آتی دولت بھی چلی جائے گی اور سلیم کو ابھی سفینہ اور مونا کی شادیاں بھی کرنی تھیں وہ مفت کی دولت نادانی میں تنویر نہیں چاہتی تھیں۔



احسن آج سارا دن آفس میں زور ہوتا رہا اور عروہ کے لیے فکر مند بھی۔ اس کی صورت دیکھے بھابھ اس کو چھین نہیں آتے تھا اور عروہ کا سیل فون آف ہونے کی وجہ سے وہ اس سے بات بھی نہیں کر سکا تھا گھر جاتے ہوئے اچانک احسن کی نظر اکیڈمی سے باہر نکلتی عروہ پر پڑی وہ وہی نظر آ رہی تھی جیسی پہلے دن اس کے آفس میں آئی تھی۔ عبا یا اور اسکا روف میں بالنگل سا دودھ یہاں کیوں آئی تھی وہ دیکھنے سے قاصر تھا۔

اس کی خوشی ہر شے سے مقدم ہو جاتی ہے۔ آپ کا محبوب کیا چاہتا ہے کیوں ہنستا ہے کیوں روتا ہے اس کے ہر انداز سے عشق ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ہمارا پیارا محبوب کبھی دیکھی نہ ہو کبھی روئے نہ ہو کبھی پریشان نہ ہو۔ اس کا ہر دکھ ہم اپنے دل پر لے لیں اس کا ہر لاشک اپنی آنکھوں میں بھر لیں اس کی ہر پریشانی خود پر جھیل لیں تمہارے لیے میری محبت بھی ایسی ہی ہے۔“

”آپ....“ وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم مجھے کچھ نہ دو عروہ مگر میرا سب کچھ لے لو میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں تم میرے لیے ایسی ہو جیسے بہت تیز باز ش کے بعد دھوپ کی پہلی کرن اور بہت دونے کے بعد ہلکی سی ہلکی بہت شور کے بعد سکون کا اک پل بہت دکھ کے بعد خوشی کا اک لمحہ جو انسان کی زندگی کے لیے اہمیت رکھتا ہے ویسے ہی میرے لیے تم ہو۔“ احسن کا عاشقانہ لہجہ عروہ کے دروم دروم میں جلتا رہا۔ حیا د گھبراہٹ اور بے چینی کی ان دیکھی آگ اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔ اس کی پلکوں سے آنسو نوٹ کر گرنے لگے تھے۔

”اپنے سارے آنسو مجھے دے دو عروہ!“ وہ بہت محبت سے کہہ رہا تھا اور عروہ اپنے آنسو پونچھتی تیزی سے اندر آ گئی تھی۔



عروہ ذہنی اور قلبی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب تھی کبھی اسامہ سلیم اور انیس بیک کی باتیں اسے دیکھی اور آذرہ کر دیتی تو کبھی احسن ریاض کی وارنٹیں اور مہربانیاں اور اس کی محبتیں اسے باطل کرنے لگتیں۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا کہ کون اس کے ساتھ متعلق ہے اس سے محبت کرتا ہے اور کون غلط ہے؟ اسامہ سمیت سب گھر والے احسن ریاض کی عروہ پر نوازشوں کو اس کی اوٹوں اور قائل احسن کی کارستانی سمجھتے تھے اور یہ بات اسے بہت تکلیف دیتی تھی اور احسن ریاض الگ ایک امتحان کی طرح اس پر مسلط تھا ہر پل اس پر اپنی محبتوں اور مہربانیوں کے دروازے کھلے رکھتا اور اس نے دوسرے دن ہی ایک فرشتہ گھر عروہ کے نام کر دیا تھا اور عروہ کو قانونی طور پر اس گھر

”نیا زحسین! وہ سامنے عروہ جمشید ہی ہیں یاں؟“
احسن نے اپنے ڈرائیور سے پوچھا تو نیا زحسین نے
سامنے لگا اٹھائی تو وہ تو عروہ کو اس روپ میں پہنے دیکھ
چکا تھا فوراً پہچان گیا۔

”جی صاحب! سیدم جی ہی ہیں۔“

”یہ اس اکیڈمی میں کیا کر رہی تھیں؟“ احسن نے کہا۔

”معلوم نہیں صاحب۔“

”تو معلوم کریں اور مجھے بتائیں؟“

”جو حکم صاحب۔“

”گازی روک دیں۔“ احسن نے عروہ کے قریب گاڑی
بچھتے ہی اسے حکم دیا اور نیا زحسین نے فوراً قیام کی۔ عروہ
گاڑی کے کتے ہی نیا زحسین اور احسن کو دیکھ کر شہنشاہ گئی۔

”بیٹھے مس جمشید!“ احسن نے پچھلی نشست کا دروازہ
کھولتے ہوئے اسے حکم دیا۔

”جینٹل پیر! میں چلی جاؤں گی۔“

”مس جمشید بیٹھیے!“ احسن کا حکمانہ لہجہ اسے بیٹھنے پر
مجبور کر گیا اس کے بیٹھنے گاڑی پھر سے سڑک پر دوڑنے
لگی۔

”آپ کی تو طبیعت خراب تھی نا پھر اس وقت یہاں کیا
کر رہی ہیں؟“ احسن کا سوال اور لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

”میں ایک دوست سے ملنے آئی تھی سارا دن گھر میں
لیٹے لیٹے تھیک گئی اس لیے دوست سے ملنے چلی آئی۔“
عروہ نے نظریں جراتے ہوئے بہانہ بنایا۔

”عجیب لڑکی ہیں آپ دوست سے ملنے اس وقت گھر
سے نکل پڑیں! شہر کے حالات کا اندازہ ہے آپ کو۔“ احسن
باتا تھا اسے سڈاٹ رہا تھا۔

”اپنے گھر کے حالات کا اندازہ ہے مجھے جیسے حالات
گھر کے ویسے ہی حالات شہر کے ہیں۔“ عروہ نے سنجیدگی
سے جواب دیا احسن پہلو بدل کر رہ گیا اس سے مزید کوئی
بات نہ کی۔

”نیا زحسین! مجھے گھر ڈراپ کرنے کے بعد مس
جمشید کو بھی ان کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔“ احسن نے ڈرائیور

کو ہدایت کی۔

”بہتر صاحب۔“ ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔

لنگے دن دو بخار کے باوجود آفس میں موجود تھی احسن
کے سامنے محرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”تم اکیڈمی کیوں گئی تھیں؟“

”جی تو تھا آپ کو۔“

”جھوٹ بولا تھا تم نے مجھ سے میں سچ جانتا چاہتا
ہوں۔“ احسن کی نظریں اس کے چاند چہرے پر جمی تھیں وہ
سبز کاغذی جار جٹ کے قمیص شلوار دوپٹے میں جکے میک اپ
کے ساتھ بہت حسین لگ رہی تھی مگر اس کا چہرہ بخار کی شدت
سے دھبہ رہا تھا آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”آپ کو اچھا لگتا ہے کہ میں ہر روز آپ کے سامنے اپنی
مجبوری اور بے بسی کا روٹا روٹا گڑگڑاؤں یا آپ کے
سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔“ عروہ لیتے بولتے رہا ہنس رہی تھی۔

”عروہ.....“ احسن نے ٹپ کر پکارا۔

”جواب کرتی ہوں میں اس اکیڈمی میں کوئی اعتراض؟“
”تم میری کہانی میں جواب کے ساتھ ساتھ کسی اور جگہ کام
کیسے کر سکتی ہو؟“ وہ تیراگی سے بولا۔

”آپ کی کہانی میں جواب ایگرمنٹ سائن کرتے
ہوئے اس کی کوئی شرط عائد نہیں کی گئی تھی کہ میں آپ کے ہاں
جواب کے دوران کسی دوسری جگہ جواب نہیں کر سکتی اور ویسے
بھی وہ کوئی کہانی نہیں ہے ایک ایجوکیشنل اکیڈمی ہے۔“ عروہ
نے نہایت سپاٹ نیچے میں جواب دیا۔

”جو بھی ہے تم کل سے اکیڈمی نہیں جاؤ گی جتنے پیسے
چاہئیں تمہیں مل جائیں گے۔“

”آپ کے ڈیڑھ لاکھ کا قرض اہلکار نے کے لیے میں یہ
جواب کر رہی ہوں! میں ماہ کی سٹوری تو آپ نے کاٹ لی ہے نا
ایک ماہ کی رہ گئی تب چھوڑ دوں گی یہ جواب۔“ عروہ نے
کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور جانے لگی تو احسن نے تیزی
سے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”عروہ تم وہ ڈیڑھ لاکھ بھول جاؤ یوں سمجھو کہ تم نے مجھ
سے کبھی کوئی رقم مانگی ہی نہیں اور میں نے تمہیں کوئی لون دیا

ہی نہیں۔"

"شکر۔" عروہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

"سر کیوں کہتی ہو؟ کیسے میں تو میرا نام لیا کرو۔"

"سر! یا نہیں ہے اور یہاں آپ میرے پاس ہیں۔"

"اوکاڑا عروہ تمہیں تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے تم اتنی کیئر

لیس کیوں ہو اپنے بارے میں تم گھر والوں کو کما کے دیتی ہو

ان کے غم میں گھلتی رہتی ہو اور اپنی صحت کا ذرا بھی خیال نہیں

رکھتیں۔" احسن کو اس کے ہاتھ میں غیر معمولی پیش محسوس

ہوئی تو اس نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے ہالے

میں لے کر فکر مندی سے کہا تو وہ بے صبر ہوئی سے بولی۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہر"

"ہوں۔۔۔ ضرورت نہیں ہے؟" احسن نے

تڑپ کر کہا۔

"تم میری محبت ہو اور میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ

سکتا۔ میری کچھ میں نہیں تو کہ تمہیں اپنی کمزوری کی اتنی فکر

کیوں ہے تمہارے ماموں کو ان کی فکر ہوئی چاہیے وہ ان کی

ذمہ داری ہیں۔"

"مجھے میری ذمہ داری کا احساس دلانے کا شکریہ سزا

ڈونٹ دہی میں جاب چھوڑ دوں گی۔" عروہ نے بہت ضبط

سے کہا اور اس کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا دیے۔

"چلو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

"میں خود چلی جاؤں گی سزا آپ پٹیز زحمت نہ

کریں۔" عروہ نے نہایت سنجیدگی سے انہی لہجے میں کہا

تو وہ بے قرار ہو گیا۔

"تم ابھی تک مجھے اجنبی سمجھتی ہو صرف اپنا پاس سمجھتی

ہو۔" احسن نے آزر دہی سے کہا۔

"میں آپ کو کیا سمجھتی ہوں یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے

احسن صاحب مگر میں کچھ کہہ نہیں سکتی کیونکہ آپ کے

احسانات تلے دہی ہوئی ہوں۔" عروہ نے دل میں کہا مگر

بقا عروہ اس کی بات کا جواب دیئے اپنے کہیں میں آ گئی۔

احسن ریاض کب کیسے اس کے دل میں دھڑکنے لگا

اسے خبر ہی نہ ہو سکی وہ لاکھ اس حقیقت کو جھٹلاتا چاہتی مگر جھٹلا

نہ پاتی وہ خود سے اپنے حالات سے اپنوں کے خیالات اور

مطالبات سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔ رشتوں کی خود غرضی

نے اسے تھکا دیا تھا اور نہ اپنوں کے کام کرنا اس کے نزدیک

غلط نہیں تھا اس نے کمپنی کے ڈاکٹر سے ہی اپنا چیک اپ

کروایا دو دہائی اور اپنی دو دہائی کی چھٹی کی درخواست لکھ کر شیجر کو

دے کر سیدھی گھر آ گئی۔ اکیڈمی میں پہلے ہی دورن کی چھٹی

کی درخواست دے کر آئی تھی تیسرے دن منڈے تھا گھر پہنچی

تو اسے معمول سے زیادہ خاموشی محسوس ہوئی۔ سونا اس کے

لیے کچن اور فروٹ چاٹ لے کر آئی کچن پی کر اسے بہت

سکون ملا۔

"سونا! سب گھر والے کہاں ہیں؟"

"عروہ آپ اب تو اسٹور پر ہیں اور امی انجینئر اور پھوپھو

مٹا چنگ کے پیٹنگ ہیں۔"

"تم کیوں نہیں گئیں؟" عروہ نے مسترا کر پوچھا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا کہ جس بے مدنی سے آپ کی محنت کی

کھائی خرچ کر رہی ہیں پھوپھو کو بھی احساس نہیں ہوتا وہ تو آپ

کی ماں ہیں۔ آپ کے ذریعے سب اپنے کام کر رہا ہے

ہیں۔" سونا کا موڑ خراب تھا بوقت چلی گئی۔

"تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

"کیوں کیا ایسا نہیں ہے یہ لوگ آپ کی خوب صورتی کو

کیش نہیں کر رہا ہے کیا؟" سونا نے غمی سے کہا۔

"سونا تمہیں کیا لگتا ہے میں کچھ غلط کر رہی ہوں۔"

"نہیں عروہ آپ اپنی غلط تو آپ کے ساتھ امی ابو اور پھوپھو

کر رہے ہیں آپ احسن صاحب سے شادی کر کے اس

عذاب سے اپنی جان چھڑالیں آپ! وہ تیزی سے بولی۔

"میں احسن سے شادی کیوں کروں؟"

"کیونکہ وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"اچھا..... تمہیں یہ کیسے پتا چلا؟" وہ مسکرا دی۔

"ہم پر جو انہوں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے آپ کو

قیمتی تحائف دیئے ہیں وہ محبت نہیں ہے تو اور کیا بتائی؟"

"پتا نہیں۔"

"اچھا آپ یہ چاٹ کھائیں پھر وہ کھا کر آرام کریں۔"

پڑھنے کے بعد وہ روئے جارہی تھیں۔ سلیمہ اور الیاس بیگ الگ شرمندہ سے بیٹھے تھے اسما کے خط میں اس نے لکھا تھا کہ

”ای! میں یہاں سے جارہی ہوں جہاں بھی جاؤں گی آپ کے لیے پیسے بھیجتی رہوں گی بس اتنا یاد رکھیے گا کہ بیٹی بکاؤ مال نہیں ہونی۔ میں نے کبھی اور اکیڈمی کی جاب چھوڑ دی ہماروں آپ کو اپنے گھر سے تو نہیں نکال سکتے ہیں آخر کو آپ ان کی بہن ہیں۔ میری فکر مت کیجیے گا اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ اب کی بخشش آپ کے لیے کافی ہوگی۔ جب تک مجھے جاب نہیں مل جاتی تب تک اس میں ہی گزارہ کیجیے گا ہماروں ماما اور سب گھر والوں سے محبت اور سلام آپ کی بیٹی عروہ جمید۔“

”کیا چاہیں ریاض سے زیادہ امیر آدمی مل گیا ہو اور اس کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔“ سلیمہ نے کہا۔

”بھابی۔۔۔ میری عروہ ایسی نہیں ہے۔“ اسما نے ہلک کر کہا۔

”سلیمہ! ہوش کرو وہ تمہاری وجہ سے گھر چھوڑ کے گئی ہے تم لوگوں نے اسے نوٹ چھاپنے کی مشین بنادیا تھا۔“ الیاس بیگ غصے سے بولے تو سلیمہ نے کہا۔

”ہاں تو فائدہ تو آپ کا ہو رہا ہے آپ کے گھر کا بوجھ وہ اٹھا رہی تھی ہم سب برابر کے قصور دار ہیں۔“

”شکر ہے کہ آپ لوگوں نے اپنا جرم تو مانا۔“ احسن ریاض نے بیگ ہاؤس کے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو سب حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

”آپ احسن بھائی ہیں ناں۔“ موبہ نے اسے دیکھتے ہوئے تصدیق چاہی۔

”جی میں احسن ریاض ہوں عروہ کی والدہ آپ دونوں میں سے کون ہیں؟“ احسن ریاض نے سلیمہ اور اسما کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو اسما نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”میں ہوں بیٹا۔“

”بیٹا! ہونہ۔۔۔ آپ اپنی بیٹی کو تو بیٹی سمجھ نہ سکیں! مجھے کیا بیٹا مانیں گی۔“ احسن نے انہیں دیکھتے ہوئے حشر یہ نیچے میں

بھی لوٹا رہی ہوں جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ پر بہت غصہ رہا ہوگا اور بہت دکھ بھی ہو رہا ہوگا پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ مجھے معلوم ہے آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور مجھ سے شادی کر کے مجھے خوش رکھ سکتے ہیں لیکن میں احساسِ جرم و ندامت کے ساتھ آپ کے سامنے بھی سر نہ اٹھا پاتی۔ آپ سے نظریں نہ ملا پاتی میں اس احساس کے ساتھ آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی کہ میرے گھر والوں نے اپنے فائدے کے لیے مجھے سجا سنوار کے آپ کے کتے فٹس بھیجا میں تو تب سے خود سے نظریں نہیں ملا پاتی آپ سے کیسے نظریں ملاؤں گی۔ میں نے ہمیشہ آپ کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی ہے اس لیے مجھ میں ان آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ میرے لیے آپ نے جو کچھ بھی کیا مجھ سے چھپ کر اور مجھے بتا کر اس سب کے لیے بہت بہت شکر ہے۔ کوشش کروں گی کہ آپ کے پیسے جلد لوٹا دوں ہاں جاتے جاتے ایک سچ آپ کو بتانا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ میں آپ سے بے حد پیار کرتی ہوں دل میں آپ کی محبت بس بے روج میں آپ کے عشق کی روشنی چھلک کر رہی ہے۔ بس یہ وہ سچ ہے جس میں کوئی کھوٹ نہیں! مجھے ڈھونڈنے کی کوشش بہت کیجیے گا کیونکہ میں ایسی جگہ پر جاتا چاہتی ہوں جہاں میں کھل کر ہنس سکوں اتنی بھر کے رو سکوں ورنہ شاید گھٹ گھٹ کے مرجاؤں گی اللہ حافظ۔ عروہ جمید۔“

”عروہ تم ایسا نہیں کر سکتیں میرے ساتھ۔“ احسن نے بھینکی آواز میں کہا اس کی آنکھیں برکھارست کا سماں پیش کر رہی تھیں عروہ کا دکھ اور بے بسی اسے ڈلا گیا تھا۔ اس نے شا چنگ بیگز کھول کر دیکھے تمام شخصیات بیگ تھے اس نے کھولے تک نہیں تھے۔

”احسن! روتے ہی رہو گے کہ عروہ کو تلاش بھی کرو گے اگر وہ چلی گئی تو عمر بھر رو گے۔“ اس کے اندر سے آواز آئی تو وہ بے قرار ہو کر اٹھا اور تیزی سے باہر بھاگا۔ ملازم کو آواز دی نیاز حسین کو ریلوے اسٹیشن اور ملازم اکبر کو بس اسٹاپ پر عروہ کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی گاڑی لے کر نکل گیا۔

عروہ نے ایسا ہی ایک خط اسما کے نام چھوڑا تھا جسے

پر حرف نہیں آنے دینا چاہتی تھی اور یہ بات احسن بھی جان گیا تھا۔

"مجھے بھی یقین ہے کہ تم میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتیں چنواپ۔۔۔۔۔" احسن نے پر یقین لہجے میں کہا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا ناچار عروہ کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ احسن نے دوسرے ہاتھ میں اس کا سفری بیگ اٹھا لیا۔ ٹرین کے ڈبے میں موجود کچھ شکی اور کچھ سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے ایسی شکل نظروں سے مت دیکھیں میں ایک شریف آدمی ہوں اور یہ میری بیوی ہے مجھ سے ناراض ہو کر میرے جارہی تھی وہ تو شکر ہے کہ میں نے اس کا خط پڑھ لیا اور میں ٹرین چھوٹنے سے پہلے پہنچ گیا۔ آپ سب کا سفر اچھا گزرے۔" احسن نے ڈبے میں موجود ان خواتین و حضرات کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بڑی خوب صورتی سے بات بنائی۔ عروہ شرم سے بے حال ہو گئی تھی۔

"شکریہ اور آپ دونوں کی بھی زندگی کا سفر اچھا گزرے۔" ایک صاحب نے زلمہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں دعا دی احسن نے زور سے آمین کہا۔

"چلے پیگم صاحب" وہ عروہ کا ہاتھ پکڑے ٹرین سے نیچے اتر آیا۔

احسن تمام راستے خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور عروہ بے آواز روٹی رہی وہ اب اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر وہ اسے ڈھونڈ لایا تھا شاید یہی اس کا نصیب تھا۔ احسن نے اپنی گاڑی "احسن والا" میں لا کر روکی تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا وہ گاڑی سے اتر کر اس کی جانب آیا اور دروازہ کھولا تو وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر آئی اور اس کے ساتھ ایک شاندار بیڈروم میں چلی آئی۔ عروہ نے اپنا اسکرٹ اتار دیا احسن نے دیکھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا پسینے اور آنسوؤں میں بھیگا ہوا۔

"آج رات تم اس کمرے میں گزارو صبح بات کریں گے۔" احسن نے بمشکل اچھی حالت کو سنبھالتے ہوئے اس سے کہا اور جانے کے لیے مڑا تو اس نے فوراً پوچھا۔

الحسن

کہا وہ شرمندہ ہو گئیں۔

"خدا نے بہت خوب صورت قیمتی اور اہموں تحفہ دیا تھا آپ کو بیٹی کی صورت میں ایک با حیا اور با کردار بیٹی کا تحفہ پاکیزہ سوچ اور حساس دل کی مالک ایسی بیٹی کا تحفہ جس پر آپ کو فخر ہونا چاہیے وہ بیٹی آپ کا غرور ہے لیکن آپ نے اسے۔۔۔۔۔" احسن کی بات اچھوری رہ گئی اس کے سہل نوان پر نیاز حسین کی کال تھی۔

"احسن بھائی پلیز عروہ آپنی کو ڈھونڈ لائیں وہ بہت اچھی ہیں۔" مونا نے بھینکتی آواز میں کہا۔

"ہاں آپ لوگوں کے اطمینان سے تو ظاہر ہے کہ آپ کو عروہ کو واپس لانے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے چلتا ہوں۔" احسن نے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔



عروہ لاہور سے رحیم یار خان جانے والی ٹرین میں سوار ہو گئی تھی ٹرین چلنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ وہ اپنا چہرہ نقاب میں چھپائے کھڑکی سے باہر بھینکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگا تھا عروہ جیسید کہ تم اپنا چہرہ چھپا لو گی تو میں تمہیں ڈھونڈ نہیں پاؤں گا تمہیں پہچاننے میں ناکام رہوں گا بھول ہے تمہاری۔" احسن کی دلکش آواز اسے اپنے اتنے قریب سنائی دی کہ وہ ہڑبڑا کر اپنے بائیں جانب دیکھنے لگی احسن اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔

"آپ۔۔۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"جی میں اتنی آسانی سے تو میں تمہیں فراموش نہیں ہونے دوں گا چلو میرے ساتھ۔۔۔۔۔" احسن نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"نہیں آپ جائیں یہاں سے دیر میں شور مچا دوں گی۔"

"اچھا تو میاؤ شور مچاؤ لوگوں کو کہ میں تمہیں تنگ کر رہا ہوں۔" وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"مگر سکتی ہو ایسا؟"

"نہیں۔" وہ ایمان داری سے بولی وہ اس کی عزت

جولانی

زبردستی تو کچھ نہیں چاہتا تھا میں تمہیں تمہاری مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگی تھیں تو بتایا کیوں نہیں؟ اپنی محبت کو چھوڑ کر جانے کا حوصلہ کہاں سے آ گیا تم میں؟

"محبت احسان اور بوجھ محسوس ہونے لگے تو انسان کیا کرے میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آپ کا اصل رویہ کون سا ہے وہ جو مجھے حجاب میں دیکھ کر رو کر دیتا ہے یا وہ جس نے مجھے ایک ماڈل گرل کے روپ میں دیکھ کر اپنے بزنس کلائنٹ کے گھر تنہا بھیج دیا تھا۔ یہ میرا دنیا محبت و عشق کے سبب ہیں یا مجھے اپنی مرضی پر چلانے کے لیے نوازشوں کا بوجھ بڑھایا جا رہا ہے میں کبھی ڈسٹرب نہیں کسی قدر قلبی اور ذہنی الجھنوں کا شکار تھی آپ اندازہ نہیں لگا سکتے بہر حال میں آپ کی قصور وار ہوں اس لیے معافی کی طلب گار ہوں۔" عروہ نے بھیکتی آواز میں نظریں جوکاتے ہوئے کہا۔

"تم نے کوئی قصور کیا ہوتا تب بھی میں اس کے پیچھے چھپی مجبوری کو محسوس کر سکتا تھا عروہ! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے کبھی مجھے اپنے دام محبت میں پھنسانے کی کوشش نہیں کی ہوگی اس خیال سے ہی تمہارا ضمیر بے کل ہو جاتا ہوگا پھر بھی اگر تم گریز کے ذریعے مجھے اپنی جانب مائل کر رہی تھیں تو بھی تمہارا اعتراف تمہاری سچائی کی سعادت یا مفردت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتی مجھے سب یاد ہے تمہارے کانپتے ہاتھ "مرزئی آواز جھلکی ہوئی نظریں تمہارا بے بسی سے ٹپ ٹپ کر رہا یہ سب ظاہر کرتا تھا کہ تم اپنی خوشی سے مجھ سے قرض نہیں مانگ رہی تھیں تمہاری انا خود داری اور عزت نفس بھروسہ ہو رہی تھی مگر تم انہوں کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار نہ تھیں۔ تم اپنی پارسائی اور سچائی کی خودی گواہ ہو اور مجھے تم سے عشق نہ ہوتا تم پر یقین نہ ہوتا تو تمہاری تلاش میں گاڑیاں بندھوڑا تا اور ہاں..... جے ایس خان نے اس روز تمہارے ساتھ جو بھی بکواس کی وہ طے شدہ تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے پہلے سے طے شدہ تھی؟" عروہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔"

"آپ مجھے یہاں کیوں بلائے ہیں؟"

"کیونکہ میں اس وقت بہت ڈسٹرب اور تھکا ہوا ہوں صبح تمہیں پولیس اسٹیشن لے کر جاؤں گا۔"

"پولیس اسٹیشن..... نہیں پلیز ایسا مت کیجیے میں نے ایسا تو کچھ نہیں کیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں کیا تم نے؟" احسن نے اس کی طرف رخ موڑا۔ "میرا کتنا نقصان کیا ہے تم نے؟ کچھ اندازہ ہے تمہیں؟ اور تم میرا نقصان کر کے ایسے کیسے جا سکتی ہو؟" احسن کا لہجہ معنی خیز تھا مگر وہ اس وقت ذہنی طور پر اس کی بات کی گہرائی تک پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں تھی وہ تو کمپنی کے کانٹریکٹ کی خلاف ورزی اور جو رقم وہ اسے دے چکا تھا اسی کو نقصان سمجھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ خود جو چاہیں مجھے سزا دے دیں لیکن پولیس کے حوالے مت کریں پلیز۔"

"میری دلی ہوئی سزا قبول کر لو گی۔" احسن نے بے قراری سے اس کے چہرے کے نقش کو دیکھا۔

"ہاں میں آپ کی دی ہوئی ہر سزا قبول کر لوں گی پلیز مجھے پولیس اسٹیشن مت لے جائیے گا۔" اس نے روتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا....."

"احسن پلیز....." عروہ نے روتے روتے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے گویا احسن کے دل پر بجلی گرا دی وہ تڑپ کر اٹھا اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس حال میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہوگی وہ تو خود اس کے دربار میں کھڑا ہاتھ پھیلائے اب تک محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔ "تمہارے یہ ہاتھ تمہارے کی تمنا بہت کی ہے میں نے لیکن کبھی اس طرح سے ان ہاتھوں کو اپنے سامنے بندھے دیکھنے کی آرزو کبھی نہیں کی۔" احسن نے اس کے ہاتھ پکڑ کر الگ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کون سی زیادتی کی تھی تمہارے ساتھ جو تم مجھے چھوڑ کے جا رہی تھیں؟ میں نے جو کچھ تمہارے یا تمہارے گھر والوں کے لیے کیا وہ میرا تم سے عشق کا تقاضا تھا۔ تم سے

”مگر کیوں؟“

”کیوں کہ تم مجھے پہلی ملاقات میں ہی متاثر کر گئی تھیں پھر تم دوسری بار اترو دیو کے لیے جس اعتماد اور تیاری کے ساتھ آئی تھیں اس نے مجھے چونکا دیا تھا میں نے جان بوجھ کر تمہیں اکیلے بے اس خان کے گھر بھیجا تھا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنی مجبوری کے لیے کس حد تک جا سکتی ہو۔ خان کو میں نے سمجھا دیا کہ تم سے کس طرح بات کرنی ہے پھر تم جس ہوٹل میں رہا کرتے تھے اسے الوداعی طور پر چھوڑ کر اس کی روداد تمہارے وہاں سے نکلتے ہی میں نے مجھے فون کر کے سنا دی تھی اور تمہارے آفس تک پہنچنے سے پہلے ڈرائیور نواز حسین نے بھی تمہارے خیالات اس سفر کے مجھ تک پہنچا دیے تھے اور پھر تمہارا آکر مجھ پر غصہ میں بد سنا مجھے بہت خوشی بخش رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرا انتخاب درست ہے میرا دل کسی معمولی لڑکی کے لیے بے چین نہیں ہو رہا جس پھر دھیرے دھیرے تمہاری خوبیاں اور مجبوریاں سامنے آتی چلی گئیں۔ میں نے تو اپنے والدین کو بھی تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے وہ بھی تم سے ملنے کے لیے بے تاب ہیں۔“ احسن نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے انکشاف کیا۔

”تو آپ میرے گردلو کو پرکھ رہے تھے میری مجبوری تو ایڈوانس پر بنایا آپ نے۔“

”جے ایس خان! میرا بہت اچھا دوست ہے وہ کبھی تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں کرتا اور نہ ہی میں اتنا بے غیرت ہوں کہ ایک لڑکی کی عزت کے عوض اپنا پنک بٹلس اور بزنس بڑھاؤں۔ بہت پیار کرتا ہوں تم سے عشق ہے مجھے تمہاری ذات، روح، سوچ اور تمہارے دل سے بہت عشق ہے مجھے۔ تمہارے حسن سے بہت متاثر ہوں ذات سے پیار ہے مجھے۔“ احسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دل سے کہا تو عروہ دل و جان سے اس کی باتوں پر ایمان لے آئی۔

”احسن..... عروہ نے دل سے اس کا نام اپنے لبوں پر سجا دیا۔

”کتنا ترسا ہوں میں اپنا نام تمہارے ان گلابی ہونٹوں

سے منہ کے لیے میری ساعنوں کو کتنا انتظار تھا اس لمحے کا کہ کبھی تم مجھے پیار سے پکارو گی۔ ہلا آخر آج وہ مبارک ساعت آئی گئی۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا اس کا وجدان اسے سہان کی دوسھٹوں میں اڑنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ اس کے یقین کی پرواز بلند تر کر رہا تھا اسے تحفظ، اعتبار اور غلو میں گامیوں دے رہا تھا۔

”احسن.....“ اب ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے وہ بے اختیار ہی اس کے سینے میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رہنے لگی۔ آج وہ اپنے سارے دکھ ساری پریشانیوں آنسوؤں کی شکل میں بہا دینا چاہتی تھی اور احسن بھی اس کے سارے آنسو اپنے دامن میں سمولینا چاہتا تھا۔ خود احسن کی آنکھیں بھی چھٹک پڑی تھیں اس کے سامنے دکھوں اور اہمیتوں کے خیال سے۔

”احسن آپ بہت اچھے ہیں۔“ جب وہ دل کھول کر رو پڑی تو گویا ہوئی احسن نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے شہادت سے کہا۔

”اچھا تو میں ہوں لیکن اتنا بھی نہیں کہ اس حسن، معصومیت اور محبت کے زیست افروز اور دل رہا یافتہ خیر کی کے سامنے خود کو قابو میں کیے کٹزار رہا ہوں۔ آپ کی یہ بے اختیاری تو ہمیں ہر سی ڈالے گی عروہ دجی!“

”اوہ..... سو رہی!“ وہ ایک دم سے شرمندہ ہو چلی ہو کر اس کے حصار محبت سے باہر نکلی۔ وہ اس کی اس حرکت پر ہنس دیا دونوں ایک دوسرے کے وجود کی حدتوں میں دھبہ رہے تھے ٹھیک رہے تھے۔

”کوئی بات نہیں سوئٹ ہارٹ! ان شاء اللہ کل شام کو ہمارا نکاح اسی گھر میں ہوگا پھر جیسے چاہے مجھے سے ملنا جیسے چاہے میرے پاس! میرے قریب آنا۔“

”کل شام..... نکاح؟“ عروہ کی خیریت دیدنی تھی۔

”ہوں..... تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟“

”نہیں تو.....“ اس نے فوراً ہی بے اختیاری میں جواب دیا اور پھر خود ہی شرمائے عی احسن بہت پیار سے اسے دیکھتا رہا۔

سے سب کا منہ مٹھا کر آیا گیا۔ شاندار کھانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ جے ایس خان بھی اس نکاح میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ سلیمہ اور الیاس بیگ کو اسی دوران وہی سے فون کے ذریعے اپنے اکلوتے بیٹے کی واپسی کی خبر ملی تھی وہ ان سے معافی مانگ رہا تھا واپس گھر آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ ماں باپ نے فوراً آنے کی اجازت دے دی کہ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ رہا تھا ان کے لیے یہی کافی تھا اور وہ سب اسے عروہ کے نکاح کا تحفہ سمجھ رہے تھے۔ عروہ اور احسن کی خوشی غفلتوں سے بیان سے ماوراء تھی، بہتر عروہ لباس میں وہ حور لنگ رہی تھی تو احسن سفید براق کلف والے گرتا شلوار میں شہزادوں کی سی آن پالن دکھا رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تو اب آپ کس ٹرین میں سوار ہوں گی سسر عروہ احسن؟" احسن نے موقع ملتے ہی اس کا کول سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا نام لے کر عشق کی ترین میں سوار تو ہوئی ہوں اب ان شاء اللہ زندگی کی شام اسی ترین میں ہوگی۔"

"تھینک یو عروہ! تم نے مجھے عمل کر دیا، میرے عشق کو معجز کر دیا۔" احسن نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اور آپ نے مجھے معجز بنا دیا، شکر یہ احسن! عروہ نے محبت اور عقیدت بھری نظروں سے احسن کے چہرے کو دیکھتے دل سے کہا۔

یہ جو عشق ہے

یہ عجیب ہے

کہاں ہر کسی کا نصیب ہے؟

یہ ای کے در کا غلام ہے

جہاں صدق ہے پیارا ہے

جہاں درد بھی اک بہار ہے

یہ جو عشق ہے!

یہ جو عشق ہے!



"آں ہاں تو پرنس کو کوئی اعتراض نہیں ہے بہت اچھے۔۔۔ شکر یہ میری جان!"

"نیکان آپ کے والدین کو تو اعتراض ہو سکتا ہے نا۔" عروہ کے دل میں خدشے نے سر اٹھایا تو فوراً زبان سے ظاہر بھی کر دیا۔

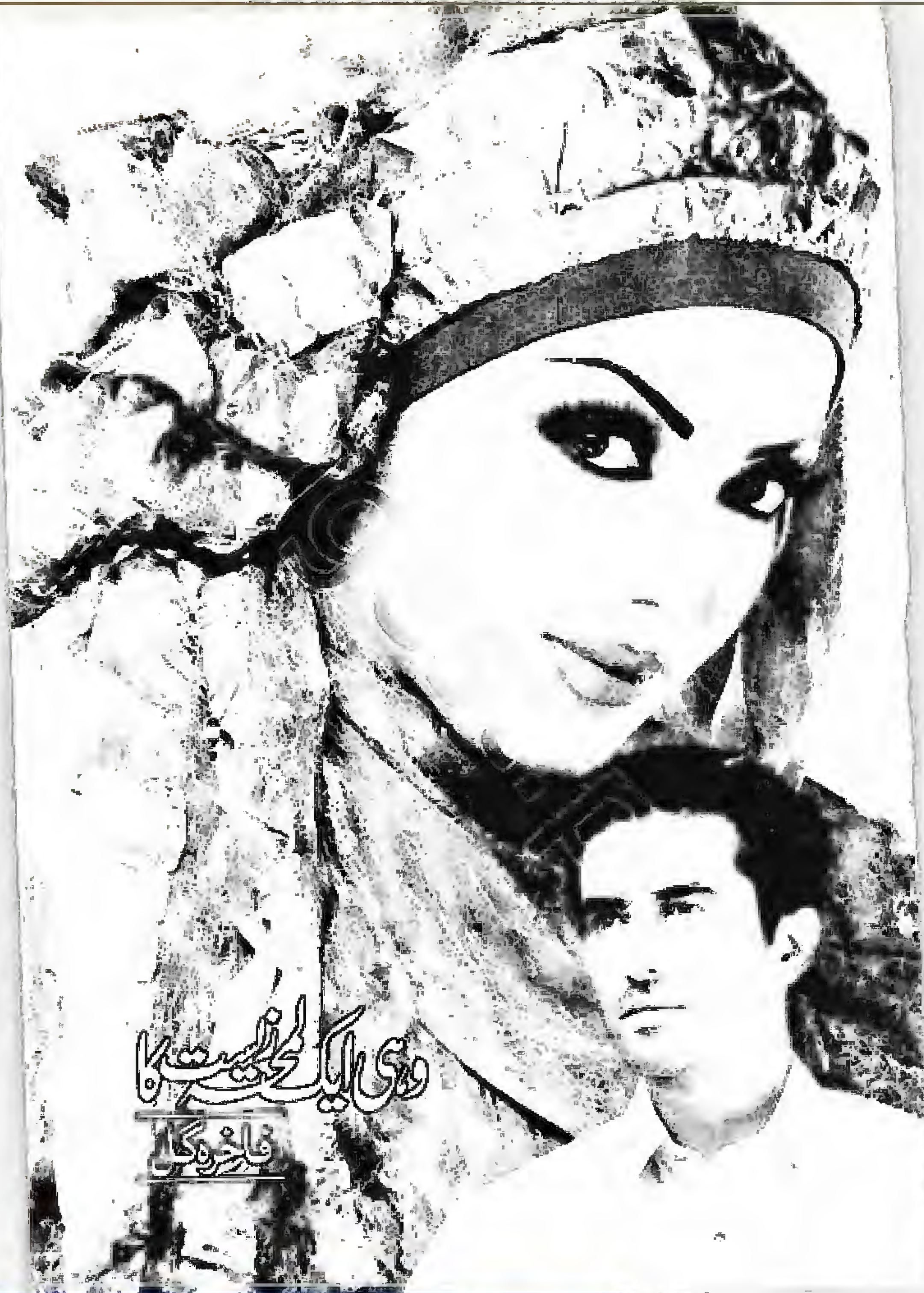
"کس بات پر؟"

"میں سفید پوش گھرانے کی لڑکی ہوں اور آپ یقیناً ہمیشہ سے ہی اس پوش امیرا کے پاس رہے ہیں عمارت کا فرق ان کے اعتراض کی بہت بڑی وجہ ہو سکتی ہے آپ نے انہیں بتایا کہ میرا گھر اور کیا ہے؟"

"ہاں میں نے انہیں بتایا ہے کہ عروہ کا گھر دار بہت ہالی ہے میرے دل ہنظر میں۔" احسن نے مسکرتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فرط مسرت و حیرت سے اس کو دیکھنے لگی۔ وہ اس سے اس کی سوچ سے بڑھ کر پیدا کرتا تھا اس نے دل ہی دل میں بجد و شکر ادا کیا۔

"چلو اب منہ ہاتھ دھو لو ہم ذرا کھٹے کریں گے اور ہاں تمہارے میکے والے کل ہمارے نکاح میں شرکت کے لیے یہاں موجود ہوں گے اور میری بہن بہنوئی اور والدین اگلے ہفتے پاکستان پہنچ رہے ہیں ان شاء اللہ ان کی آنے پر میں تمہیں بڑی شان سے تمہارے میکے سے رخصت کروں گے یہاں ملاؤں گا شادی کے اخراجات سب میرے ذمہ، تمہیں کسی قسم کی کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان شاء اللہ ہماری شادی اور ولیمہ بہت شاندار ہوگا اور وہ جو نفیس قم نے مجھے واپس کیے ہیں ان اب رونمائی میں تمہیں میں وہی سارے نفیس دوں گا پھر وہ مجھوں گا کیسے واپس کر لی ہو۔" احسن نے اسے شوق و شہریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے شوق و دلکش لہجے میں کہا تو وہ خوشی دل سے اٹھ کھڑا کر پرنس پڑی۔ احسن اس کی دلکش آنکھیں پر فدا ہو گیا۔

اگلی شام احسن دوکان میں خوشیوں کی بارش آئی تھی۔ اسماء سلیمہ الیاس بیگ، جمیلہ، مونا، سفینہ اور اس کا شوہر بھی ایسی خوشی عروہ اور احسن کے نکاح میں شریک تھے۔ لیکن نئی عروہ احسن کے دل میں ساری تھی قبول و ایجاب کی رسم ادا ہوئی، منہائی



زوشٹا تو شہر خواب کو غارت بھی کر گیا
پھر مسکرا کے تازہ شرارت بھی کر گیا
مسن یہ دل کہ جس سے پھڑتا نہ تھا کبھی
آج اس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا

دعا ہے۔

”ہاں ہوا آئین۔“ ڈاکٹر فروا کی خدا ترس فطرت کے باعث نبیلہ کے بھی دل سے ان کے لیے دعا نکلی تھی۔

”اچھا نبیلہ تم ایسا کرو میں سبزی لے آؤں تب تک تم چاول وغیرہ صاف کر لو پھر مل کر کھانے پکالیں گے۔“ نبیلہ اور بوا میں کافی دوستی ہوئی تھی سو وہ دونوں سارا دن اکتھے باتیں بھی کرتیں اور کام بھی ہنساتی جاتیں جبکہ نہ شب کا کام صرف روٹی کو سنبھالنا تھا سو وہ خوشی خوشی روٹی کے ساتھ ہی مصروف رہتی۔

اس روز بھی ڈاکٹر فروا ہسپتال جا چکی تھی اور فراز اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا جبکہ نہ شب اسی روم کے ساتھ ماحقہ کمرے میں کھیل ہی کھیل میں روٹی کو پڑھا بھی رہی تھی۔

”نہ شب۔۔۔“ وہ روٹی کو گود میں لیے اسٹوری سنار ہی تھی جب بٹاؤ وار کے دروازہ کھلا۔

”بیچ۔۔۔ جی صاحب جی۔“ اپنا تک فراز کو سامنے دیکھ کر وہ ٹڑبڑائی تھی کیونکہ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح روٹی کے کمرے میں آیا تھا۔

”مجھے اسپتال جانا ہے میرے کپڑے، ستری کرو مگر ذرا جلدی۔“ روٹی کو حسر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے حکم صادر کیا۔

”وہ۔۔۔ لیکن۔۔۔“ وہ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی ذمہ داری تو صرف روٹی اور اس سے متعلق سب کاموں کی ہے لیکن چونکہ اپنے اور اس کے درمیان خانگی منسوب کی

بوا کی زبانی نبیلہ اور نہ شب کو معلوم ہوا کہ تھا کہ فراز اور فروا کی دوسری شادی ہے انٹرنیٹ پر ہونے والی اس دوستی نے ڈاکٹر فروا کو مجید صاحب سے طلاق لینے پر اکسایا تھا وہ ایک امیر شخص ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی نیک دل انسان بھی تھے۔ انہوں نے ہی فراز کو ہسپتال میں ایک انتظامی امور کی کیشی میں تعینات کیا تھا اور وہ خود تو ڈاکٹر فروا کی خواہش پر ایک جدید طرز کے ہسپتال کی تعمیر میں اس قدر مصروف ہوئے کہ پھر ان کے پاس فروا کے لیے ٹائم ہی نہ بچتا۔ اسی بے توجہی نے فروا کو ان سے دور اور فراز سے قریب کر دیا۔ اسپتال میں نظروں میں آنے کے خوف سے وہ دونوں موبائل فون یا انٹرنیٹ کا سہارا لیا کرتے تھے اور پھر آخر کار ایک دن دونوں نے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد طلاق لینے کے لیے عدالت سے رجوع کر لیا لیکن مجید صاحب نے عدالتوں کے پکڑا لگانے کے برعکس خاموشی سے خود انہیں طلاق دے کر نہ صرف بچے بلکہ ہر اس چیز سے دستبردار ہو گئے جو اس دن تک ڈاکٹر فروا کے تصرف میں تھی۔

”اور فراز صاحب کے گھر والے؟“ دانتوں تلے انگلی دبا کر سب کچھ سننے کے دوران نبیلہ نے پوچھا۔

”وہ متوسط طبقے کے لوگ تھے مگر اب انہیں گاڑیوں میں جھومتے ہیں نئے گھر میں رہ رہے ہیں اور بھلا انہیں کیا چاہیے؟“ بوا نے فراز کے گھر والوں کا ذکر کرتے ہی نخوت سے کہا اور پھر موضوع بدل کر بولیں۔

”انہ فروا بی بی کو سدا سدا رکھے بس میری تو یہی

ہوتی آنکھوں کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھی مگر فرار نہ
تو گھبرایا اور نہ ہی بوکھلایا۔

”آؤ آؤ تم بھی شامل ہو جاؤ اس بولی میں بولو کتنے
لوگ اس کے؟“ فرار نے زینب کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے نیلہ سے پوچھا۔ زینب کی کلائی بدستور اس کے
ہاتھ میں تھی۔

”شرم آئی چاہیے تمہیں اپنی حیثیت دیکھو اور اپنے
کام.....“ نیلہ کی بات پر فرار کا تو جیسے تہمتا ہل پڑا۔

”میں کہتی ہوں چھوڑ دو میری بیٹی کو ورثہ مجھ سے
بڑا کوئی نہیں ہوگا۔“ نیلہ کی دباڑ سے خود زینب نے
سہم گریاں کو دیکھا کہ یہ روپ اس کے لیے مکمل طور
پر نیا ہی تو تھا۔

”بس بس ٹھیک ہے واپس بیٹھ جانے کے لیے زیادہ
ڈرامہ بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے سیدھی طرح بول
کتے میں معاملہ طے کرے گی؟“ فرار بڑی بے خوفی سے
بات کر رہا تھا۔

”میں کہتی ہوں چھوڑ دے اسے ورنہ.....“ ہدیائی
کمیٹیت میں چیخنی نیلہ کی آواز کمرے کی تمام دیواروں
سے ٹکرائی تو طنزیہ انداز میں فرار نے زینب کو ایک جھٹکے
سے خود سے نزدیک کر لیا۔

”ورنہ کیا..... کیا کرے گی تو..... ہاں کیا کرے
گی؟“ مگر نیلہ نے اس وقت آؤ دیکھا نہ آؤ ہاتھ میں
پکڑی چھری لے کر اس پر پل پڑی مگر فرار ان سے زیادہ
پھر تیرا اور یقیناً اس حملے کے لیے تیار تھا جیسی چھری والا
ہاتھ بڑی چابکدستی سے یوں موڑا کہ وہ خود نیلہ کے پیٹ
کو لہو لہان کر گیا جبکہ دوسرا فرار نے دانستہ سینے پر کیا
جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔

اس تمام واقعے کے بعد وہ رکا نہیں اور آؤ دیکھا کرتی
زینب کو کمر نظر انداز کرتے ہوئے فوراً سے چوشتہ پولیس
اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگا اور خلاف توقع پولیس چند ہی
منٹوں میں ان کے گھر پر موجود تھی۔

حواس باخت بوا نیلہ کے پاس ہی تھیں جبکہ زینب ڈر

اوپرچی دیوار کا اندازہ اسے بہت اچھی طرح سے تھا جیسی
چاہنے کے باوجود کچھ بھی کہہ نہ پائی تھی۔

”لیکن لیکن کیا؟ جو میں نے کہہ دیا وہ تمہیں کرنا ہے
سمجھیں۔“ سخت نظروں سے گھورتے اس نے جملہ مکمل
کیا اور زوردار آواز سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں
چاہتھا۔ آواز کی شہرت سے زینب کا تو دل دھلا ہی خود
نیلہ بڑی طرح یوں چونکیں کہ پیاز کا تھی چھری ان کی انگلی
بھی کاٹ گئی۔

”رومی آپ ایسا کرو میرے آنے تک یہ بلا کس ہناؤ
میں ابھی آئی ہوں۔“ زینب نے بلا کس کا ذہن روئی کو تھمایا
اور خود ڈرتی جھجکتی فرار کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

”ادھر آؤ“ دیکھو میرے پاس۔“ اس سے پہلے کہ وہ
کپڑوں کا پونچھتی فرار نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا چاہا
لیکن زینب ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

”میں تو..... آپ..... آپ کے کپڑے استری
کرنے آئی تھی۔“ تمام تر ہمت جمع کر کے زینب
نے کہا۔

”لیکن میں نے تو تمہیں کسی اور کام سے بلایا ہے۔“
فرار کی آنکھوں میں ہلکے سے لیتا شمار زینب کو خوفزدہ
کرنے کے لیے کافی تھا لیکن وہ ہمت نہیں ہار دی تھی۔

”صاحب جی! ہم غریب ضرور ہیں مگر عزت اور
خودداری ابھی ہم میں زندہ ہے آپ نے جیسا مجھے سمجھا
میں ویسی ہرگز نہیں ہوں۔“ اپنے تئیں بہت ختم کر کے وہ
جانے کے لیے مڑی لیکن فرار نے آگے بڑھ کر اس کی
کلائی جو تھامی تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔

”خدا کا واسطہ ہے مجھ پر رحم کریں میں.....“
بے بسی اور تذلیل کے احساس سے اس کے رخسار
بھینٹنے لگے تھے۔

”تم جتنے روپے یہاں ایک ماہ کام کر کے لوگ اتنے تو
میں تمہیں ایک دن کے ادا کر سکتا ہوں پھر تم.....“ اچانک
دروازہ کھلنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کہ ہاتھ میں
پیاز کاٹنے کی چھری لیے کسی خدشے کے تحت نیلہ ڈال

دم حیران رہ گئی تھی چو نے ماں کو پہلی جان کر مختصر اتمام بات سے آگاہ کر دیا۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی ناجی کے ہاتھ میں پکڑا رسک زیادہ بھیگ جانے کے باعث ایک دم چائے میں چھپا پک سے گراتو چائے کے چھینٹوں سے ان دونوں کے کپڑوں کے مزید داں بڑھ گئے۔

ناجی کے سیاہی مائل چہرے پر اس کی سفید آنکھیں پھیلیں تو اس حد تک پھیلتی جتنی کہ چو کو اس سے خوف آنے لگا۔ اس نے چند ثانیے ارد گرد بھری چائے ساتھ رکھے روپوں اور سامنے بیٹھی چو کو دیکھا جس کا وجود نہ جانے کب اتنے بھر پور اور سڈول سراپے میں تبدیل ہوا کہ اس کی سارے بدن کی خواری تھنریوں اور گالیوں کے بدلے حاصل دہنے والی رقم سے زیادہ وہ ان چند گھنٹوں میں لئے آئی تھی۔ ایک عجیب طرح کی میٹھی سی سنسنی کا احساس تھا جو بڑھ کی بڑی سے ہوتا ہوا اس کے جسم میں سرایت کر گیا اور بس زینت کا وہی ایک لمحہ تھا جب ناجی کو اس بات کا احساس ہوا کہ اس کے بیٹھ کر کھانے کے دن آگئے ہیں۔ کچھ دیر سوچ کر ایک نکتے پر پہنچنے کے بعد خروبو بولی۔

”کیا دوبارہ بھی بلایا ہے؟“

”ہاں آج..... اسی وقت۔“ چو نے مختصر سا جواب دیا۔

”تمہیک سے اور سن یہ لے پیسے ساتھ والے کھوکھے سے کاہل اور سرخی لے کر لگے لیں۔“ ناجی نے اسے جس روپے کا ایک نوٹ دیا تو وہ خوش ہو گئی۔

اور ہاں جو پیسے بچیں ان سے بے شک کوئی سولف سپاری لے لیتا اور جاتے ہوئے الایچی ضرور پھانکتا۔“ ناجی نے گہری نظروں سے کچھ سوچتے ہوئے اس کے گال پر پیاد سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس نے خوش ہو کر ماں کے ہاتھ کو ہی چوم ڈالا۔ وہ ناجی جو جوان ہوئی جتنی کے ساتھ گھر میں رات گزارتے ہوئے گھبراہٹی تھی آج پیسے ہاتھ میں آئے تو خور و خور گھر بھی بتانے لگی اس بات سے بے خبر کہ چٹائی پر سویا جانی دھوپ پڑنے کی وجہ

خوف، صدمے اور فرار کی دھمکیوں کے باعث وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ مقصد وہاں سے فرار کے بجائے موقع پر باہر کو لے کر آنا تھا تاکہ ماں کی سیت کو گھر لے جایا جاسکے جو بروقت ٹھیں امداد نہ ملنے اور خون کے نہ زیادہ بہہ جانے کے باعث موقع پر ہلاک ہو گئی تھیں۔

جنتی کی عزت بچاتے بچاتے وہ خود مٹی کی چاواؤز سے سو گئی تھیں۔ فرار نے موقف یہ اختیار کیا تھا کہ ان دونوں ماں بجٹی نے چاقو کے زور پر اسے چیک سائٹ کرنے کو کہا لیکن ہونے والی تکرار کے نتیجے میں جب نبیلہ نے چاقو سے اس پر وار کرنا چاہا تو اس نے نہ شخص اپنے فاقے کے لیے یہ قدم اٹھایا کیونکہ نبیلہ اور اس کی بیٹی کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے جو عورتوں کی مدد سے مختلف طریقے اختیار کر کے گھروں میں اس طرح کی وارداتیں اکثر کیا کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر پولیس کے آنے سے چند ہی لمحے پہلے مشتعل باہر کا گھر میں موجود ہوتا تھا اور پھر یہ کہانی تو رتی طور پر اختیار کی گئی تھی ورنہ وہ یہ قصہ نہ بھی گھڑتا تو بھی وکیل کے تعاون سے اس کی حیثیت انہیں ہر طرح کی سزا دلوانے کو کافی تھی۔ جیسی پولیس ان دونوں کو تو گرفتار کر کے ساتھ لے گئی جبکہ نبیلہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی گئی۔



جانی رات کو دیر سے گھر لوٹنے کی وجہ سے ابھی تک سو رہا تھا۔ رات کو شش کے باوجود چو ناجی سے بات نہیں کر پائی تھی سو اب اس کے لائے گئے دووہ سے چائے بنانے کے بعد ناجی کو متوجہ کیا۔

”اماں! یہ دیکھ تو ذرا۔“ چو لہجہ سے چائے کی دیکھی اتار کر چو نے جھڑے ہوئے کنڈروں کی بہ رنگ پیالیوں میں چائے ڈالی ساتھ اپنے رکھے اور ناجی کو حیران کرنے کی غرض سے دوپٹے کے کونے سے کل کے بندھے ہوئی نوٹ نکال کر بتیلی اس کے سامنے پھینکا دی۔

”یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟“ چائے کی پیالی میں پاپے بھجوتے ہوئے ناجی ایک

پائے گی۔" اس تمام عرصے میں وہ پہلی مرتبہ پنو سے مخاطب ہوا تھا جو اس باختہ دلوں کے درمیان ہونے والا یہ مکالمہ سن رہی تھی۔

"بکواس بند کرا پی....." ناجی نے گالی دیتے ہوئے روبرو کا جوتا پوری قوت سے جانی کی طرف اچھالا تھا۔
"تو جو بھی کرے میں اپنے جیتے جی کچھ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" جانی نے کھا جانے والی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"چل دفع ہو چو! پچھیک یہ پیسے اور کسر بیٹہ نا تمہیں تو زروں کا تیری اگر ایک قدم بھی باہر نکالا تو۔" جانی کی غراہٹ اس کی عمر سے کہیں بڑھ کر تھی جو تہی کو چوکھٹے پر مجبور کر گئی۔ چو کو بھی اس بات کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا کہ یقیناً کچھ غلط ہو گیا ہے اور آئندہ بھی ہونے والا ہے۔

"دفع ہو جا یہاں سے نکل جا اور آج کے بعد مجھے شکل نہ دکھانا اپنی ورنہ..... ورنہ نا تمہیں تو تیری میں تو زروں گی۔" مسلسل گالیوں سے نوازتے ہوئے ناجی نے کہا تو اس نے ہمدردی کی نظر سے پنو کو دیکھا جس کا رنگ ان دونوں کی بات چیت کے دوران زرد ہوا اور آنکھوں میں بھی پانی بھرنے لگا تھا۔

"مر گیا آج سے میں تم سب کے لیے اور بس....." ہونے والا مکروہ انکشاف اور پھر بجائے شرمندگی ناجی کی ہٹ دھرمی سے جانی کا خون کھول اٹھا تھا سو اس نے فوراً باہر کی طرف قدم بڑھا دیے شاید کبھی واپس نہ آنے کے لیے.....!



"اچھا چل تو نے نہیں بتانا تو نہ بتا پر یوں افسردہ نہ بیٹھ یاں" ہونے لگا کر اسے دیکھا۔

صبح سے رات ہو چکی تھی آفتاب تو اس نے کچھ چرانے کی کوشش کی تھی اور تھکی کھانے کی طلب ہوئی۔ دین بھر کٹر کے دھککن پر بیٹھا اپنے جیسے نولی کے دوسرے لڑکوں کی زندگی پر غور کر رہا تھا جنہیں بہر حال اپنی ماں سے محبت

سے چند لمحے پہلے جانے کے بعد محض کسمندی سے لینا ہے اور ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو بڑے ضبط سے بدخوبی میں رہا تھا جب کی ان دونوں کے سر پر آ پہنچا۔
"شرمائی ہے کچھ ماں کہتے ہوئے ماں نہیں تو اپنے انڈے خود پینے والا سانپ ہے سانپ....." نفیسے سے جانی کے منہ سے کف بجے لگا اور یوں بھی اب وہ پہلے والا جانی تو تھا نہیں دھندے کے ساتھ اس کی ذات میں بھی واضح تبدیلی آئی تھی۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تیرا۔" ناجی نے تھائل عام فائدہ سے کام لیا۔

"ارے ماں تو مر جاتی ہیں اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے اور تو..... تو خود اسے سکھار ہی ہے کہ زیادہ دوام لینے کے لیے اپنے آپ کو کس طرح بچا جاتا ہے کیوں حرام کاموں میں ڈال رہی ہے اسے۔ پہلے کیا کلمہ حرام ہو رہا ہے یہاں؟" ناجی کے اس لالچ نے جانی کو برہم کر دیا تھا۔

"ایسا کیا ہو گیا ہے جو جانی اس قدر غصے میں ہے۔" پنو کھٹک تو ضرور تھی مگر پھر بھی اچانک صورت حال کی تبدیلی پر ابھی وہ مکمل طور پر سمجھ نہیں پا رہی تھی البتہ ناجی اچھی طرح جان لگتی تھی کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔
"ہونہا یا بڑا غیرت والا اندرے حرام اور حلال کی تمیز نہ سکھاتے ہیں جن کے ہاتھ میں حرام سے پیٹ بھرنے والوں کے لیے حلال کا نوالہ ہو اور پھر تو بڑا حلال کا کھانا ہے جو مجھے سبق دے رہا ہے۔ بولی کس بات پر بڑھکیں مار رہا ہے؟" اب کے ناجی نے بات ختم کرتے ہوئے اسے چار پالی کی جانب دھکا دیا۔

"یہ چو ہوگی نا سمجھ مگر میں کوئی بچہ نہیں ہوں سب چاہتا ہوں کہ کیا کروا رہی ہے تو اس سے۔" بات نگلی تو جو ذرا سا لحاظ تھا وہ بھی جاتا رہا۔

"پنو میری بہن! یہ عورت تیری زندگی ایسے تباہ کر دے گی کہ تو کسی کو منہ دھکانے کے لائق نہیں رہے گی تو جیتے ہی مر جائے گی اور اپنی زندہ لاش کا بوجھ نہیں اٹھا

ضرورت تھی لیکن اس کے دل میں معاملہ ذرا متعلق تھا جہاں فی الوقت ماں کے لیے ایک الاؤ دیکر رہا تھا۔ دل تھا کہ کسی خیم بچے کی طرح ہلک ہلک کر بس روئے ہی چلا جا رہا تھا۔

باپ کا رشتہ اگر دنیا سے منہ موڑ بھی جائے تو اولاد کے لیے ماں کی آغوش سدا واتی رہتی ہے لیکن حیرت انگیز بات تھی کہ اس کے لیے پہلے بھی ماں کی محبت و مہاڑی سے مشروط تھی اور اب بھی اسے اچھی طرح یاد تھا جب وہ ناجی اور فیکے کے ساتھ بھیک مانگتے جاتا تھا۔ وہ دونوں اسے ہاتھ میں کٹورا پکڑا کر جس بھی علاقے میں بھیجتے وہ بھانے اس کے کہ صدائیں لگا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا بس یونہی گھومتا گھومتا شام کو پھر ان کے پاس جا پہنچتا جہاں ہمیشہ کی طرح ماں باپ کی طرف سے گالیاں اور جھڑکیاں اس کی راہ روکھ رہی ہوتیں۔

دونوں بچوں نے بھائی البتہ اس ہنر میں طاق تھے چہرے پر مسکینی طاری کرتے ہوئے اس وقت تک راگیر کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے جب تک کہ وہ کچھ سے تھکا تھکا نہ جھٹکا ناجی اور فیکے کے پیار اور ستائش کا حق دار ٹھہرے۔ ناجی کا ان کے ساتھ پیار بھرا انداز ہمیشہ اس کے دل میں حسرت بن کر ابھرتا۔

رات کو سوتے ہوئے یہ خواب بھی وہ جانتی آنکھوں سے بڑی باتاندگی سے دیکھتا کرتا جس میں ناجی اس کے لاڈ کرتے ہوئے کبھی اس کی پیشانی چومتی اور کبھی ممتا بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے نرم آواز میں باتیں کرتی۔ یہ اس کا ایسا پسندیدہ خواب تھا جسے تصور کی آنکھ سے دیکھتا اکثر وہ سو جاپا کرتا مگر پھر بھی نہ تو اسے کبھی سونے میں ایسا کوئی خواب نظر آیا اور نہ ہی کبھی خواب نے حقیقت کا روپ دھارنا ظاہر ہے خواب تو خواب ہوتے ہیں ماں اور پھر جاگی آنکھوں سے سوئے کچھ گئے خواب جن کی حیثیت اور جن کا وجود قطرہ قطرہ چھلکتی برف سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہوتا۔

یوں ہی بیٹھے بیٹھے اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے

جانی کو دیکھا جو ہاتھ میں صبر بوٹھ کی پکلی ٹیوب پکڑے چلا آ رہا تھا انہیں دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا تو جانی کے ساتھ بیٹھے لڑکے اس کے پیچھے سونے سونے سے پانچوں کے سروں پر جا پہنچے ہوئے جانے سے پہلے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا پانچوں کے سرے پر پہنچتے ہی سب نے جیسوں سے ایک ڈیڑھ فٹ لمبی کپڑے کی پٹیاں نکالیں جو انہوں نے کچرے سے اٹھائی تھیں اور قریبی لگے بلند یہ کے تن سے ان پر پالی بھا کر اپنے تئیں صاف بھی کر لیا تھا۔

"لے جگر آج میری طرف سے..." جانی نے جیب سے کپڑے کی دو پٹیاں نکال کر ایک جانی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن... لیکن یہ ہے کیا؟" وہ حیران تھا۔

یہ درست تھا کہ دن کے وقت وہ اکثر ان سے ملتا رہتا تھا کیونکہ وہ پہلے انہی کے ساتھ ہی کر پھر چنا کرتا تھا لیکن ان صبح کے ساتھ رات گزارنے کا یہ تجربہ پہلا تھا اور یہ ٹیوب تو وہ استاد کے کباڑ خانے میں اس کے کارڈیروں کو مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے استعمال کرتا دیکھتا تھا جب ہی کچھ نہ کچھ میں آنے والی کیفیت میں دیکھنے لگا۔

"بس تو یہ کچھ لے پیارے کہ سناٹھ لوگ اپنا غم غلط کرنے کو جام کا چسکا لیتے ہیں تو آپنا جیسے لوگ دکھ مٹانے کو یہ طریقہ اپناتے ہیں۔ بس ہمیں دیکھ کر کرتا جا سارے غم دکھ نکلیں تو بس دیکھ فزاک سے دور۔" غموں کو خیالی طور پر چٹکی بجا کر دور بھیجتے ہوئے اس نے کپڑا جانی کی منگی میں دبایا اور دائیں آنکھ بند کر کے ایک دفعہ پھر تلقین کی۔

"لیکن یار یہ چیزیں وغیرہ جوڑنے کے لیے..." وہ بولے بنارہ نہیں پایا تھا۔

"زیادہ سوال کرنے کا نہیں اے کیا ہے الو دوسرا مال مہنگا بھی مانتا ہے اور پولیس کا بھی زبرد ہوتا ہے پھر یہ بچا اس روپے کی ٹیوب خریدنے پر کسی کو شک بھی نہیں ہوتا ویسے بھی آپن کا دل بھی تو ایک ٹوٹی ہوئی چیز ہی ہے ناں۔"

رہی تھی مگر پھر بھی تاکید اس نے چو کو یہی کی تھی کہ حقیقت کے سامنے یہی کہے کہ اس کے آنے کا گھر میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہے نہ صرف یہ بلکہ اس سے پیسے لینے کے بعد ناچی نے اسے دکان سے ایک دو چیزیں بھی لے گئے کو کہا تھا۔ اسی طرح دو دن تک اس کے پاس جانے پر حقیقت آتے ہوئے اس کی منگی میں چند نوٹ تھم کر خاموش رہنے اور گھر میں ذکر نہ کرنے کا کہتا۔ پہلے دن چو کی مادہ نشانی سے شروع ہونے والا عمل ان دو ہی دنوں میں اسے ذہنی طور پر اپنی عمر سے کئی گنا بڑا کر گیا تھا۔

ناچی اور جانی کے درمیان ہونے والی بحث اور جانی کے رد عمل سے اب اسے خود اپنے آپ پر شرمندگی ہوا کرتی تھی۔ جانی کا فریاد جذبات سے گھوٹا لہجہ اور اس کی خاطر چلی مرتبہ ماں کے سامنے زبان درازی کرنا اور سب سے بڑھ کر ان کو چھوڑ کر جانا چو کو یہ رہ کر دکھ دے رہا تھا۔ ناچی کا خیال تھا کہ وہ واپس آ جائے گا مگر چو کو یقین تھا کہ اب ایسا نہیں ہوگا وہ نہیں جانتی تھی کہ کب اور کن حالات میں اب دوبارہ وہ اپنے بھائی سے مل پائے گی اور مل پائے گی بھی کہ نہیں..... ابھی بھی دکان سے واپسی پر یہی کچھ سوچتے سوچتے ابھی گھر کے اندر آئی تھی کہ گڈی کو اٹھائے ناچی دردناک آواز میں بین کرتی اندر داخل ہوئی۔

”ارے پتو! ہم لٹ گئے رہے برباد ہو گئے۔ ہمارا تو کچھ نہیں بچا۔“ بائے ہم تو لاوارث ہو گئے آرت۔“ ہاں نوپتے ہوئے ناچی نے روتے یمن کرتے ہوئے چلا تے ہوئے کہا تو دوبارہ کھلا گئی۔

”کہاں کیا ہوا خیر تو ہے ناں؟ کچھ تو بول تو سہی.....؟“ دھڑپھڑ کرتے دل میں فوراً جانی کے نام کی بازگشت شروع ہوئی تھی۔

”بائے میرے اللہ میں تو جیتے جی مر گئی اپنے سر کے سائیں کے ساتھ بائے میرے معصوم بچے اور میرے رہا..... او میں کیا کروں.....؟“ کمر کے گرد دوپٹہ باندھ کر وہ صحن کی یمن پتوں نیچ کھڑی سینہ کو پی کرنے لگی تھی۔ بالوں کی بھری ہوئی نہیں کندھوں سے ہوتی ہوئی آگے

کیا بولتا ہے؟“ سب ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیٹنے لگے تھے مگر جانی کے لیے نضا ایک دم بوجھل سی ہو گئی تھی کاش ایسا ہوتا کہ ہم اپنے دکھ درد تکالیف اور احموری بین کرتی حسرتیں دھوئیں کی طرح نضا میں اڑا سکتے لیکن باوجود اس کے کہ زندگی سلتے سگربت کی طرح لحد پہ لحد ختم ہو رہی ہے پھر بھی ہم اپنے وجود کے اندر راکھ ہوتی حسرتوں کو کاش کے ہڈوان میں لپیٹے دل کے اعلیٰ ترین مقام پر سجائے رکھتے ہیں۔

رات کا اندھیرا اپنی تمام تر بڑا سراسیمہ سمیت ان سب پر حاوی ہو رہا تھا پھر ان سب کے اصرار پر ہی جانی نے بھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے کے بوسیدہ سے نکڑے کو الف کی شکل دے کر ایک سرے پر صبر بونڈ لگائی اور پھر روئی کے لیے بنائے گئے بیڑے کی طرح گول کر کے منہ کے سامنے رکھا اور اندر کی طرف سانس کھینچنے لگا۔ شروع کے دنوں میں گو کہ جانی کو کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا مگر حاصل ہونے والا سرور اس سے کہیں زیادہ تھا جب ہی ان سب کی محبت کا اثر قبول کرتے ہوئے اس خواہناک سرزمین پر قدم رکھتا ہی چلا گیا۔



فیکے کوٹا تو اور نوٹھے کے ساتھ عرس پر گئے تیسرا روز تھا اور پروگرام کے مطابق کل دوپہر کو انہیں واپس آ جانا تھا۔ دو دن تک چو خود ناچی کے سمجھائے بجھائے اور اس کے بعد ہر دوستی سمجھنے پر دکان پر جانی رہی تھی۔ اس دن جانی اور ماں کے درمیان ہونے والی بحث اسے بہت کچھ سمجھا گئی تھی اسی لیے دوسرے روز جب ناچی نے جان بوجھ کر کام سے چھٹی لی اور وقت مقررہ پر اسے جانے کا یاد دلایا تو اس نے صاف منع کر دیا جس پر ناچی نے اسے اپنے گلے چمڑے انداز میں سمجھانے بجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس کے نہ ماننے پر دھکیوں پر اتر آئی تو ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں جیسے رستے کو اپنی پکٹی ہوئی سیاہ ایریوں تلے روندتی اس عورت کو دیکھتے ہوئے آخروہ گھر سے نکل آئی۔ اس دن عرصہ بعد ناچی بڑے آرام اور سکون سے گھر

دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کر کے ٹاک رگڑتے ہوئے نصیبیوں نے کہا۔

”بڑا چار تھا دونوں میں ایک دو بجے کو دیکھ دیکھ کے جیتے تھے۔“ سکھاں نے بے تاسف سے گلوگیر لہجے میں بات کرتے ہوئے تمام آمیز منظروں سے سامنے بے ہوش بڑی ناجی کو دیکھتے ہوئے کہا تو سسکیاں لیتی باقی عورتیں بھی ہاں میں ہاں ملائے لگیں حقیقتاً سبھی کو اس سانحہ کا ولی طور پر رنج تھا۔ وقفے وقفے سے وہ چوہ اور دوسری دونوں کو بھی دلاسا دیتے جاتیں گوکہ ان کی مدد کرنا ہے حد مشکل تھا کیونکہ وہ سب اسی طرح کے کاسوں سے منسوب تھے جس میں روٹی کا تعلق دیہاتریوں کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر پھر بھی اخلاقی طور وہ جتنی حد کر سکتی تھیں وہ کر رہی تھیں۔

اچانک ناجی ہوش میں آگئی تو باوجود اس کے کہ اس کی آواز بیٹھ چکی تھی مگر پھر بھی روتے ہوئے دوبارہ بال نوچنے اور سینہ کو پانی کرنے لگتی۔ ماں کے ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کرتے ہوئے چوہ بھی تو اس کے ہاتھ چوم کر اپنی تمام نکھوں پر لگاتی اور کبھی خشک ہونٹوں پر۔

لیکن کچھ ہی دیر میں برداشت ختم ہو گئی تو ناجی ایک بار پھر عورتوں کے بازوؤں میں جھول گئی۔ کئی چمکتی چاندنی راتوں پر گہن گھٹنے کے بعد اب گھٹا نوپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ چوہ دونوں چھوٹی بہنوں کو سینے سے لگانے لگی باواز بلند روٹی تو کبھی خود ہی چپ ہو کر انہیں حوصلہ دینے لگتی جو ان تمام مناظر سے ہراساں ہو کر تکی چٹختی تھیں۔

دونوں کو گزرتے دیر ہی کتنی تھی ہے گوکہ مشکل وقت مردیوں کی خشک راتوں کی طرح غویل ضرور گلنے لگتا ہے لیکن بہر حال رکتا وہ بھی نہیں اور درحقیقت وقت کا گزر جانا بھی رب کریم کی کروڑہا نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ سو جیسے جیسے بچی بستی کے اس چھپر نما مکان میں بھی دن گزر رہا ہے تھے لاشعوری طور پر ناجی اور چوہ دونوں کو ہی جانی کا بڑی شدت سے انتظار تھا جو ان دونوں کی توقع کے برعکس ٹوٹ کر ہی نہ آیا تھا اور نہ ہی بستی کے کسی فرد نے

آ رہی تھیں اور چوہ جو بتائی سناکت و ساکن کھڑی تھی یہ خبر سنتے ہی اپنے حواس کھوئے گئے۔

”ہائے بد بختو..... دوزخ جلو جاکے ہائے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ میرے معصوم بچے راکھ ہو گئے۔ میرا خیر کا۔ میرے سر کا تاج۔“ ناجی کے رونے اور سینہ کو پانی کی آواز سن کر اس پر دس کی عورتیں بھی آن کے آن میں اپنی گھر جمع ہو کر اس کی تقلید کرتے ہوئے ماتم کناں ہوئیں۔

تکی کی جوان اور طاقتور نوشتے کی مخصوصانہ موت پر ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل غمناک تھا۔ مانی اور گڈی اس اچانک پیدا ہونے والی صورتحال سے خوفزدہ چپ چاپ بے ہوش چوہ کے پاس بیٹھی تھیں۔ چند عورتوں نے گھڑو پٹی سے پانی نکال کر اس کے چہرے پر چھینٹے مارنا شروع کیے تو وہ ہوش میں تو آگئی لیکن اب بھی اس کا دل پر گزریہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ ابھی چند لمحوں پہلے ناجی کی کئی نئی باتیں واقعی حقیقت ہیں۔

”کیوں..... کب اور کیسے۔“ یہ سب کچھ پوچھنے کا تو ہوش بھی نہیں رہا تھا۔

سینہ کو پانی کرنی ناجی بھی غش کے دوروں میں بھی مین ہی کر رہی تھی ایسے میں وہاں موجود عورتوں نے انہیں بڑا سہارا دیا۔

”ارہی ہوا کیا نہیں۔ کچھ پوری خبر لی کہیں سے؟“

ایک ادھیڑ عمر عورت نے بے ہوش بڑی ناجی کا سراپے چھٹنے پر رکھتے ہوئے آرام سے سہلاتے ہوئے پوچھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ناجی کو کچھ دیر کے لیے ہوش میں نہ ہی لایا جائے تو بہتر ہے اس لیے کہ شوہر اور دو بیٹوں کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے اس کے دل اور دماغ کو یقیناً کچھ مہلت دے گا ہوگی۔

”بس چاچی! بے چاروں کی قسمت..... کا لو بتا رہا تھا کہ مزار پر عمر کی وجہ سے لگائی جانے والی جیوں میں کرنٹ سے ایک دم آگ لگ گئی تھی سب بھاگے تو بھگڈر میں کئی لوگ مار گئے کچھ تو وہیں چل بھی گئے۔“

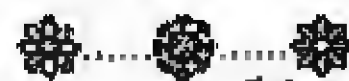
اسے کہیں دیکھا تھا۔

صوبائی حکومت کی طرف سے حادثے میں جاں بحق شدگان کے ورثین کے لیے جتنی رقم کا اعلان کیا تھا اس سے نصف سے زیادہ کمی ہوئی تھی۔

کالو نے ناجی کو روپے ملنے کی بابت آگاہ کیا تو وہ بھی اپنا حصہ لینے دفتر جا پہنچی جہاں اس کی حیثیت کا اندازہ کرتے ہوئے کئی طرح کی کٹوتیاں کرنے کے بعد مختصر سی رقم اس کے حوالے کی گئی جس روز ناجی وہ رقم لے کر گھر پہنچی رانی اتنے سارے روپے اکٹھے اس کے ہاتھ میں دیکھ کر فوراً اپنی اگلیوں پر حساب کرنے لگی۔

"ابا... نوشا اور طاقتو... تین لوگوں کے مرنے پر اتنے روپے ملے ہیں اللہ کرے اگلے عرس میں گندی بھی مر جائے تو کچھ اور پیسے بیٹھے بٹھائے مل جائیں گے۔"

رانی نے میل بھرے ناخن سے سر کھجاتے ہوئے کہا تو ناجی سے اور تو کچھ بن نہ پڑائیں کی خالی بوتل اسے دے ماری اور وہ روٹی ہوئی چو کے گئے چائلی کہہ اپنے تئیں تو اس نے گھر کے فائدے ہی کی بات کی تھی یوں بھی نہ تو اتنے روز سے ناجی کام پر گئی تھی اور نہ ہی چو کھانے والے اب چار تھے تو کھانے والا ایک بھی نہیں بچا تھا سوزندگی ربڑ کے جوتے کی مانند آہستہ آہستہ گھسنے لگی۔



جالی کے لیے زندگی مکمل طور پر بے معنی ہو کر رہ گئی تھی پہلے تو پیٹ بھرنے اور گھروالوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا تھا لیکن اب تو سارا دن شہر کے تقریباً آخری خانے میں موجود ہوٹل کے آگے بس گم صم سا بیٹھا رہتا جس سے کم از کم اتنی رقم تو ضرور اکٹھی ہو جاتی کہ وہ نشے میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ ہوٹل بند کرتے وقت مالکان کچھ بچا کھچا بھی اسے دے جاتے جس سے وہ پیٹ کا اندھن بھرتا اور اکثر اسی سوچتا۔

"حیرت سے جب میں بازار پر چھوٹے تو لیے اور ہاتھ میں کٹھنہ پڑ کر ٹینک سنگرز پر بیٹھا کرتا تھا تو میرے ہاتھ خالی جبکہ فقیروں کے کشتیوں بھر جایا کرتے تھے اگر

گاڑیوں کو چمکانے لگتا تو ان کے مالک چند روپے دیے کے بجائے گاڑی گندی کرنے کا الزام لگا کر گالیاں دیتے ہوئے گاڑی بھگا کر لے جاتے اور میں ان گاڑیوں کی تیز رفتاری کے باعث پھوپھوں سے اڑتی دھول منی میں اپنی ذات کو مزید گرد آلود ہوتا دیکھتا رہتا اور آج جب کہ میں ایک نشنی کی حیثیت سے چپ چاپ بس بیٹھا رہتا ہوں تو لوگ دامن بھر جاتے ہیں۔ "دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں ان سب باتوں سے جانی کو قطعاً کوئی غرض نہ تھی اس کی دنیا صرف اور صرف کھرے کے ڈھیر سے شروع ہو کر بڑے بڑے پانچوں پر ختم ہوتی تھی۔

اس دن بھی وہ نشہ کرنے کے بعد پائپ کے اندر ہی آڑا تر چھالینا ہوا تھا کہ ایک بڑی سی گاڑی عین اس کے سامنے کمر کی تھوڑی دیر تک اس سے چند باتیں کرنے کے باوجود خاطر خواہ جواب نہ پا کر سفید کوٹ پر کلپ کی مدد سے اپنے نام اور پیشے سے مشفق کارڈ لگائے آدمیوں نے اسے پکڑا اور بغیر کچھ کہے سے گاڑی میں بٹھا دیا جس میں اس جیسے چند دوسرے لڑکے بھی موجود تھے اس وقت تو زہن باؤف تھا سو یوں ہی خوابیدہ کیفیت میں ان کے ساتھ چل دیے لیکن نشے کا چھایا ہوا نثار ختم ہوا تو ارد گرد کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ چند نو جوان ڈاکٹر ز نے نشے کے خلاف ایک بڑی مستند اور فعال این جی او بنائی ہے جو نشہ کرنے والے افراد کو اس سے نجات دلانا کر زندگی کی ساد پر گامزن کرنے میں ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا کہ اس فلاحی تنظیم کو ایک نیک دلی اور سینئر ڈاکٹر فروا کی مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل ہے اور انہی کے بھرپور تعاون سے یہ نو جوان اپنے ملک کے مستقبل کے معماروں کو درست سمت کی روشنیاں کھوجنے کی تربیت دینا چاہتے تھے۔

کئی اخبار نویسوں نے ان کی تصویریں چھاپیں اور کئی لوگ ان کے پاس وارڈ میں آکر نشے کے نقصانات بھی گنواتے رہے لیکن جالی کو ان سب سے کوئی غرض نہیں تھی وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس نشے نے ہی اسے بہت سے

کر قرار ہو گیا یہ جانے اور سوچے بغیر کہ اسپتال میں تو اس کو رہنے کی جگہ اور کھانا سب مفت میسر تھا لیکن پھر بھی اسے اپنا آپ وہاں قید معلوم ہوتا باہر جا کر تو ہر کام کے لیے روپے درکار ہوں گے۔



”اوتے ہیرو کیا گل کھلا کے آیا ہے؟“ لمبے چوڑے سپاہی نے جانی کولات رسید کرتے ہوئے حوالات کے اندر پھینکنے کے انداز میں داخل کیا تو پہلے سے موجود قیدی نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔ حواس باختہ جانی محض جاسوسی سے اسے دیکھنے لگا جو شاید اسی کا منتظر بیٹھا تھا۔

”بتاناں کہاں سے اور کیا کرتا پکڑا گیا ہے؟“ وہ یقیناً تہائی سے ٹھک چکا تھا جسکی اس کے اتے ہی بات چیت کر کے وقت گزارنا چاہتا تھا مگر اس کی خاموشی سے جڑ گیا۔

”اے بوسے کا نہیں تو تیرا داغ پھٹ جائے گا اچھا ہے کچھ کہہ سن کر دل ہلکا کر لے۔“ جواب میں جانی نے ٹخنوں پر سر رکھ دیا بالکل اسی طرح جیسے وہ دیہاڑی نہ لانے پر رولی کے وقت کرتا تھا بے بسی کے آنسو تب بھی تھھاوتا ج بھی۔

”شکل سے اتنا چالو لگتا تو نہیں ہے میرا خیال ہے ابھی اس سمندر میں نیا ہے اور تیرا بھی ٹھیک سے نہیں آتا ہے ناں؟“ وہ جو کوئی بھی تھا مگر تہائی باتوں کا سوا جانی کا کندھا ہلاتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ جانی کا یہ انداز دیکھ کر دوسرے قیدی نے کندھے پر اچکا ہے اور وقت گزارنے کے لیے حوالات کی سیاہ آہنی سلاخوں کے پار زندگی کے آثار دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر چند ہی لمحوں بعد اکٹرا کر ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”چل چھوڑ اپنے اٹنی راز اپنے پاس رکھ اور میری سن میں آج تیسری مرتبہ چیل آیا ہوں اب تو عملہ بھی واقف ہو گیا ہے سب جانتے ہیں کہ بس چند دنوں کا مہمان

دکھوں سے ہنسا رکھا تھا کہ تہائی ملتے ہی اس کے دل میں گھر والوں کی یاد اور خصوصیات کا ہونق چہرہ جس طرح بے چینی کا باعث بنتا تب اس کے پاس اپنا سر پٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا البتہ کس طرح اسے اندرونی طور پر کھوکھلا کر کے ناکارہ بنادیا تھا اس بات کا تو نہ ہی اس سمیت کسی کو بھی شعور تھا اور نہ ہی سوچنے کی فرصت۔

مطلب کے اوقات میں وارڈ میں شور مچا پے کا جولیک عجیب سا ماحول ہوتا اسے تمام ڈاکٹر بڑے ہی تھکے اور بردباری سے سنبھالتے۔ جانی کو چونکہ اس دلدل میں پھنسے ابھی قلیل مدت ہی گزری تھی اس لیے وہ بہت جلد ہی بہتری کی منازل طے کرنے لگا تھا لیکن ابھی ان سب کے علاج کا کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس تنظیم کی روح رواں ڈاکٹر فروا کے متعلق یہ سننے میں آیا کہ شوہر سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث انہوں نے جس طرح اپنے پہلے شوہر سے طلاق لینے کے لیے عدالت کا رخ کیا تھا اسی طرح اب بھی دوسرے شوہر سے طلاق لینے کے باعث انہوں نے کورٹ میں خلع کی درخواست دائر کر رکھی تھی جو کہ منظور ہونے اور خلع حاصل کرنے پر وہ اپنے اپنے کے ساتھ گھر یا رہنچ کر مستقل کینیڈا شفٹ ہو رہی ہیں۔

اسپتال میں ان کو وہی ٹکی اور اسی پارٹی کے دن وہ فرما جلد بات سے بار بار روکنے لگتی تھیں وارڈ میں متعین نرسز کا خیال تھا کہ انہیں ایک بار پھر مجید صاحب سے ان نکاح کر لینا چاہیے جو پہلے ہی کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔

جانے سے پہلے ڈاکٹر فروا ان کے وارڈ میں آئیں اور بات کرنے کے دوران آبدیدہ ہوتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھانے کو کہا لیکن وہ سب نہ ہوسکا جس کا خواب ڈاکٹر فروا نے دیکھا تھا۔ تمام ڈاکٹر ڈاکوسیت کر تھیںج کے دانوں کی طرح اپنے اخلاق کے دھانگے میں پروئے والی ڈاکٹر فروا کے جانتے ہی سب اس طرح انفرادی اختلافات میں لپکتے کہ وہ دھانگے ہی نوٹ گیا تشبیح کے تمام موٹی بوٹی بس ادھر ادھر بکھر کر رہ گئے اور یوں ایک دن موقع پا کر ہی جانی اسپتال کی کھڑکی سے کور

آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا تھا وہ اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف پیشی کے انتظار میں ہی ان سیکن زدہ دیواروں کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ "جانے کیوں اسے جانی سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔"

"اچھا سن میرا نام بوبی ہے اور بس آج سے میں تیرا دوست بھی ہوں اور بھائی بھی سمجھا؟" جانی کی شکل میں بوبی کو اپنے اوائل روز نظر آئے تھے جب وہ بھی اس کی طرح حالات سے فرار ہونے کی کوشش میں یوں گھبرایا کہ اب اپنے ضمیر سے بھی فرار پانا ممکن نہ رہا تھا چند لمحات خاموشی نے نگل لیں۔ جانی کا کندھا تھپتھپانے کے بعد بوبی نے اسے مزید کرینے کا ارادہ ترک کر کے بازو کا تکیہ بنایا اور لیٹ کر اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔

آکندہ آنے والے دنوں میں پولیس کا خوف جانی کے چہرے کی پیلاہٹ کو مزید گہرا کر رہے تھے خشک لبوں پر بار بار زبان کا گھیرنے کے باوجود ان پر چڑی جم چکی تھی اور پھر اس کی تو کوئی امید یا کوئی ایسا سہارا بھی نہ تھا جو اسے یہاں سے نکال کر لے جاتا۔ یہی سوچ کر اس کی آنکھوں میں پانی بھرا پانے سے اس نے اپنی آستین سے رٹ کر اپنے سے روک تو دیا مگر پھر بھی یہ نہیں سیال بوبی کو بھی بے چین کر گیا۔ اسی لیے اپنی دانست میں اس کا دم دور کرنے کو وہ جانی کے نزدیک ہی کھسک آیا یوں بھی وہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہو رہا تھا۔

"ماں یا آ رہی ہے؟"

"ہاں بہت....." ناجی جیسی بھی تھی آخر کو اس کی اپنی سگی ماں بھی جیسی بوبی کے سوال پر جواب میں آ یا کہہ ڈالا۔ ہزار اختلاف کے باوجود اس کا دل اب بھی ماں کی گود کے لیے تڑپا تھا لیکن بوبی کے اگلے ہی سوال نے جانی کے ہونٹوں کی جنبش پر مبنی لگا دیا۔

"ماں بہت پیار کر لے ہے تجھ سے؟" بوبی کا پوچھا گیا سیدھا سوال جانی کو ان کی طرح محسوس ہوا تھا جو اس کے جسم کو چھیدتا آ رہا ہو گیا۔ آنسو تھے کہ گالوں پر لڑھکنے کے بجائے حلق میں جمع ہوتے جا رہے تھے

ہوں۔ "چوٹا کھڑکی کوئلے کی تحریروں سے مزین دیوار کے سہارے ٹانگیں پیارتے ہوئے وہ بولا تو جانی نے سابقہ کیفیت میں محض آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"چل اب تو کچھ سادے پارا جیل کی رات بڑی لمبی لگتی ہے نہیں مارتے ہوئے گزار لیں گے۔" جانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک سا جھنجوڑتے ہوئے وہ بولا تو جانی جو رات بھر تانے پونے والوں کو یہاں سے وہاں جاتا دیکھ کر سب سے خوفزدہ ہو چکا تھا اسے اپنا ہمدرد خیال کرنے لگا۔

"جیل کی ایک رات..... میری تو جانے کتنی ہی راتیں اب جیل میں ہی گزریں گی مجھے تو کوئی چھڑانے بھی نہیں آئے گا۔"

"کیوں..... کوئی باپ بھائی کوئی والی وارث نہیں ہے تیرا؟" گفتگو میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے وہ بولا تو جانی نے بس یوں ہی ٹٹٹی میں دائیں بائیں گردن ہلا دی یہ جانے بغیر کہ وہ تو حقیقتاً اب ان رشتوں سے محروم ہو چکا ہے۔

"کوئی یار دوست.....؟"

"نہیں..... کوئی نہیں۔"

"تو کیا اب تک یوں ہی اکیلا..... رہے کوئی کچھ پر پھینک گیا تھا تجھے کیا کرتا رہا بساب تک؟" وہ جانی کی اذیتورنی باتوں سے اٹھنے لگا تھا۔

"میں....." جانی نے کچھ سوچ کر اپنی مختصر سی جتنا اس کہہ سائی البتہ ماں کے متعلق اپنے جذبات اور پوچھو سے نسبت رکھنے والی ہر بات وہ مکمل طور پر چھپا گیا تھا۔

"ہوں..... تو یہ بات ہے۔" اس نے جانی کی کہانی سن کر کسی سوچ میں گم ہونے ہوئے نظریں جانی کے چہرے پر جمادیں دل بہت آگے کی حکمت عملی ترتیب دے رہا تھا۔

"پھر تو تیری قسمت واقعی بڑی خراب ہے تجھ جیسے کتنے جیلوں میں پہلے سے سڑھ رہے ہیں بے گناہ بھی اور معمولی سے جرم کے مرتکب بھی اور چاہے جن کے

جب ہی بولنا نہ ممکن ٹھہرا تو محض جڑے پھینچے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"یاد رہے اس معاملے میں تو شو بڑا خوش قسمت ہے کہ اپنا دکھ کہنے کو تیرے پاس ماں ہے مجھ سے دیکھ جس کا کوئی نہیں ایک ماں تھی جو ہمارے پیٹ کا ایندھن بھرتے بھرتے بے چاری خود ہی اس ایندھن کی اندر ہو گئی۔" آتی پاتی مار کر بیٹھے بولی نے انگوٹھے کا ناخن مسلتے ہوئے کہا تو جانی اپنا غم بھول کرنا بھی سے اسے دیکھنے لگا۔

بولی یادوں کے بے جاں گھوڑے پر سوار ماضی کے لپٹے ودق صحرا کی خاک چھانے نکل کھڑا ہوا تھا دونوں کی کہانی میں ہزار اختلاف سہی لیکن آج کے آئینے میں دونوں ہی کی ماں کا ٹکس بڑا واضح نظر آ رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہے تیرے لیے..... کما کر لا اور کھا..... یہاں بٹا ہے ہر حرام!" بولی کی کہانی سننے کے بعد جانی بے اختیار اپنی اور اس کی ماں کا موازنہ کرنے لگا تو ناچی کی آواز باقی تمام محسوسات پر حاوی ہو کر اس کی سماعتوں پر ضربیں لگانے لگی۔

محبت بھرا کوئی جملہ دعا یا ممتا سے لبریز کوئی لمس ایسا کچھ بھی تو جانی کی یادداشت کی کوٹھڑی میں محفوظ نہ تھا ہاں تھا تو بس اندھیرا اور بس.....

"ہونہ! میری ماں کے دل میں تو دعائیں بھی محض ان لوگوں کے لیے تھیں جو اس کے تشکول میں جھنکار پیدا کرنے کا باعث بنتے۔ کز وابت بھرے ذہن کے ساتھ جانی نے بدولی سے سوچا۔

لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ بولی سے اپنا حال کہہ سن لینے کے بعد اسے واقعی اپنے اندر تبدیلی محسوس ہو رہی تھی یوں لگتا جیسے بولی سے اس کی برسوں پرانی شناسائی ہو۔ غینہ تو دونوں ہی کی آنکھوں میں نہیں تھی اس لیے آواز بلند باتیں کرنے پر سپاہی کی طرف سے سرزنش کا سامنا کرنا پڑا تو تمام رات سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے کس طرح رات نزر گئی انہیں پتا ہی نہ چلا اور بولی کے دعوئی کے عین مطابق صبح نو بجے سپاہی اسے بلائے آن پہنچا۔

"جانی تو فکر نہ کر میں تجھے ضرور پھڑالوں گا لیکن شاید ایک دو دن لگ جائیں اور ہاں دیکھ....." جانتے ہوئے گلے ملنے کے دوران بولی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کسی بھی چیز یا جرم کا اعتراف نہ کر لینا چاہے کچھ بھی ہو جائے ورنہ بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔" اس نے جانتے ہوئے جانی کی بڑی استہدائی تھی لیکن اول تو اس کا جیل آنے کا پہلا تجربہ تھا سو خوفزدہ ہوا ایک فطری عمل تھا اور دوسری بات یہ کہ اسے معلوم تھا کہ اب اس کا جیل کی اس جلی کوٹھڑی سے لکھنا شاید ناممکنات سے ہے۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر کے سامنے اس کا بیان لیا گیا اور جانی کی اس وقت حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب سترہ موبائل فونز سامنے ہزار روپے اور خلائی زیورات چوری کرنے جیسے کتنے ہی اسٹریٹ گراںٹراس کے پلے ڈال کر اعتراف جرم کے لیے اکسایا جانے لگا۔

"صاحب جی! میں نے کچھ نہیں کیا میں بے گناہ ہوں۔ اللہ اور رسول کا واسطہ ہے مجھے چھوڑ دیں۔"

"بس بس اب چھوڑ دے یہ رونا دھونا اور سیدھی طرح بتا کس جماعت یا گروپ کے لیے کام کرتے ہو؟" ایس ایچ نے روز نامہ پھول کر جرم کی نوعیت کے خاتمے پر نظر دوڑائی لیکن اسے خالی پا کر جانی کی ایسا نظر انداز کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی اسٹک سے ٹیبل کی شفاف سطح پر آواز پیدا کرتے ہوئے بولا تو پاکستان کی حقیقی پولیس آہستہ آہستہ کرسکاس کے سامنے آئے گی۔

"میرا کسی جماعت یا گروپ سے کوئی تعلق نہیں ہے صاحب! مجھے چھوڑ دو صاحب میں ساری عمر آپ کو دعاؤں دوں گا۔"

"آج تک کسی مجرم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ جرم اس نے کیا ہے۔" سب انسپکٹر نے یونہی ایس ایچ او کے سامنے کارکردگی بڑھانے کو اسے کان سے پکڑا اور جھنجھوڑ ڈالا۔

"یہ ایسے نہیں بولے گا بند کر دو اسے ہونہ! یا بڑا

مولوی! حلوے کھا کر دعائیں دینے والا۔" ایسی ہیچ او کے کہنے کی دیر تھی کہ کاشمیل نے اس کی کلائی پکچھی اور ایک بار پھر بند کر دیا۔



بہار آئے کوئی ایسا موسم جس میں نڈ متھ کھڑے درختوں پر بھی ٹھنڈے پھوٹے نکلتے۔

مگر ناجی کے آنگن میں اس دفعہ بہار آتے ہوئے گریزاں اس لیے تھی کہ گھر کے تمام در و دیوار پر تو جیسے خزاں ہی آ کر ٹھہری گئی تھی۔ گھر ایک دم ہی سروان آوازوں سے خالی ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ شوہر بیچا تھا اور نہ بی بی نے حادثے کے کتنے ہی دن بعد تک تو وہ کام پر جانے کے قابل بھی نہیں ہوئی تھی حقیقت کے دیے روپوں سے اب تک گھر کا وال دلیا چل رہا تھا۔ عرصے بعد آخروہ جی کڑا کے نگلی بھی تو بہت ہار کر وہیں بیٹھ گئی بھلا اسے چلنے کی عادت ہی کہاں تھی کیا اسے سارا سارا دن ریڑھی میں بٹھائے رکھتا ہر جا۔ اور وہی جانے والی صدا میں اسے لیسے کی ہی آواز سنائی دیا کرتی اور وہ یونہی بس خواہ مخواہ مز مڑ کے پیچھے دیکھنے لگتی کہ جیسے لوگوں کے اس دھوم میں فیر کا بھی اسے پکارا چلا آ رہا ہے۔

اکثر تو سڑک پر چلتے چلتے ناجی کو یاد ہی نہ رہتا کہ اس کے اطراف ٹریفک رواں دواں ہے وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ گاڑیاں باران پر مارن دیتے تھیں ورنہ تو اچھا خاصا دیکھ بھال کے چلنے والوں کو بھی ڈبا یور حضرات کسی خاصہ میں نہ لایا کرتے۔

آنکھوں میں آنسو لیے بس وہ ہوتی ہی کبھی ایک جگہ کھڑی ہوتی تو کبھی دوسری جگہ نہ صرف شوہر بلکہ دو بیٹے آن کی آن میں راکھ بن گئے تھے۔ یہ بات اس کے ذہن سے نکالے نہ نکلتی اور پھر وہ عینوں تو چلور دنیا میں بند ہے مگر جانی..... جو جیتے جی انہیں جدائی کا روگ لگا گیا تھا آتے جاتے لوگوں میں جانی کے چہرے کو کھوجتی ناجی کی سفید بے رونق آنکھیں ہر وقت حرکت میں رہتیں لیکن حقیقتاً اب وہ وہ ناجی نہیں رہی تھی نہایت کمزور دل اور بڑی کم

ہمت ہوئی تھی اب وہ.....

گڈی تو یوں بھی پیدائی کمزور تھی لیکن ان دنوں بھوک نے تو اس کی حالت مزید ابتر کر دی تھی۔ تکی پکی کمزور ہڈیاں اور اندر کی طرف بتدریج دھنستی آنکھیں سارا سارا دن بھوک پوری نہ ہونے پر روتی رہتی تھ تو گود میں اٹھانے پر چپ ہوتی اور نہ ہی بہلانے پر اور بھلا چپ ہوتی بھی تو کیسے؟

اگر دروولی کی بھوک پر محض رو تھے کھانے کے نام پر ملیں تو بڑے تو جیسے تیسے صبر کر لیں مگر بچوں کو کون سمجھائے؟ اس دن ناجی کام پر گئی تو ضرور لیکن گڈی کی چڑچڑاہٹ اور رونے سے شب آ کر وقت سے پہلے ہی ٹوٹ آئی اور آتے ہی اسے گھر کے کچے فرش پر گیند کی طرح پٹخ دیا۔

"چپ کر..... اب آواز نکالی تو گلا ٹھونٹ دوں گی تیرا۔ ارئی تم دونوں بھی مر جاتیں تو اچھا تھا جان خدا اب میں ڈالی ہوئی ہے میری۔" ناجی نے جھنجھلاہٹ میں گڈی کو اس کے نحیف کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجھڑا تو وہ ڈر کر چپ ہونے کے بجائے ہلک ہلک کر مزید رونے لگی۔

"اماں..... اماں اس میں گڈی بے چاری کا بھلا کیا تصور ہے؟" پیو بولٹھا کر باہر نکلی اور گڈی کو اٹھا کر آغوش میں لیتے ہوئے گلے سے لگا لیا اب کہ رانی وہیں کمرے ہی سے تھپا نکلتے ہوئے ماں کو آج پھر غیظ و غضب کے عالم میں دیکھتی رہی۔ ناجی نے گڈی کو پیار کرتی پیو کو گھورتے ہوئے دیکھا۔

جب سے ناجی نے دوبارہ سے دھندلے پر جانا شروع کیا تھا جان بوجھ کر پیو کو گھر چھوڑ جایا کرتی۔ گورنمنٹ کی طرف سے اوائش کو دی گئی امداد کے روپے کچھ تو دوسری بہتی کے استاد کا ادھار لوٹانے اور گھر میں ہی کھڑی رہنے کی کوکراسے سمیت واپس کرنے میں خرچ ہو گئے اور کچھ گھر میں کھانے پینے پر۔ اب اس کا خیال تھا کہ پیو کو خود اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ گھر کو اس کی ضرورت ہے اور

سے میری ریڑھی پکڑے سارا دن مجھے بٹھائے رکھتا کیا کروں اب نہیں رہی مجھے عادت سارا سارا دن چلنے کی اور ایک وہ جانی..... جانی کا نام زبان تک آتے ہی آواز میں غراہٹ شامل ہوتی محسوس ہوتی۔

"ناس مارا جانے کیا سہتی بڑھا گیا ہے تجھے اچھے خاصے تے رزق کولات مارے چٹکی ہے۔"

"لوں....." پیو نے زخمی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"خود تو جانے کہاں دفع ہو گیا اور ہم سے منہ کی توالا تک چھین لے گیا۔"

"اس لیے کہ ابھی وہ اتنا بے غیرت اور بے شرم نہیں ہوا تھا کہ اپنی آنکھوں سے بہن کو عزت پہنچا دیکھتا۔" پیو نے آج پہلی مرتبہ اس موضوع پر یوں دھجک انداز میں بات کی تھی جس پر باجی کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"اور میں تو خوش ہوں کہ خدا نے ماں نہیں تو بھائی تو اتنا غیرت والا دیا اورتہ..... ورنہ میں تو شاید اب تک مر چکی ہوتی۔"

"اچھا تو....." ٹو مجھے بے غیرت کہہ رہی ہے؟" ناگنی کو پیو کے سانولے چہرے پر شدت جذبات سے دوڑتی سرخی ذرا نہ بھائی تھی۔

"ہونہ....." ماں نے تو اپنی منیوں کی عزت بھاتے بھاتے مرجاتی ہیں مگر ان پر ذرا سی بھی آج آنے نہیں دیتیں پھر کیسی ماں سے تو کہ خود اپنے ہاتھ سے مجھے اس میدان میں اتارنے پر تکی ہے جہاں یہ بھوکے کتے چند روپوں کے بدلے تیری پیو کو نوچ ڈالیں گے جھنجھوڑ کر رکھ دیں گے یہ وحشی جانور....." غرٹو....." پیو نے دیکھ پیو کو یوں ماں کے سامنے بونٹا دیکھ کر رانی بھی سہم گئی تھی اس لیے بھاگتے ہوئے آکر اس کے ساتھ آچلی تھی۔ روٹی ہوئی پیو نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر گلے لگایا تھا اور پھر ان کے ہاؤں میں منہ چھپ کر روئے تھی۔

پیو کے لہجے میں اس قدر زخمی آواز کی تیزی اور باں کے سامنے زبان درازی اس سے پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی تھی مگر اس سب کے باوجود ناگنی کے ذہن میں یہ فکور تھا

اسے اپنی ماں اور چھوٹی بہنوں کے لیے کچھ کا کر لانا چاہیے مگر پیو کو لیس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر اسے مزید غش آ جاتا لیکن جس طرح چوٹ تازہ ہو تو اس کے درد اور اس کے نتیجے میں جسم میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو یا تا بالکل اسی طرح انسان کو بھی اپنے ساتھ ہونے والی کسی کی بددی بندگئی یا اپنے ہی کیے گئے کسی فعل کے مسطر اثرات کا اندازہ بھی فوری طور پر نہیں ہوتا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیو کی پرتوں کی طرح جب سارے خسارے ایک ایک کر کے جلتے ہیں حقیقت کا اور اک تب ہی ہوتا ہے مگر آئندہ ایسا نہ ہونے کی حکمت عملی تو ترتیب دی جاسکتی ہے لیکن ہاتھ آئے خسارے سے جان چھڑانا بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا اور پیو بھی ضمیر پر خسارے کا منوں بوجھ لیے آئندہ آنے والے وقتوں میں کوئی غلط قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے ناگنی کی چڑچڑاہٹ بات بے بات گالی گھوج اور دھندلہ ہونے کے باعث بھوک کا رویہ سن کر بھی ان سنی کر دیتی۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب وہائیاں وہ اس کے سامنے دے کر آخر کہا کیا چاہتی ہے۔

"چپ کر اسے ورنہ....." ناگنی نے اپنی آنکھوں سے پیو اور پھر گڈنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماں! اس سارے معاملے میں گڈنی بے چاری کا کیا قصور؟ کیوں اسے بلکان کر رہی ہو؟"

"ہاں ماں تم سب تو بے چاریاں ہی ہو ماں! ظالم تو ہوں میں! قصور وار تو میں ہوں کہ کیوں تم تینوں امیج کی دشمنوں کو پیدا کیا؟ اب ہا کہیں سے کھلاؤں تم سب کو؟ اپنے تین کے ٹکڑے کات کر بیج آؤں! بول؟" چلاتے چلاتے ایک دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس نے پیو کی کمر پر دھموکا جڑ دیا تھا۔ دیکھتی تھی پیو اس اچانک افتاد پر محض ہونٹ کانت کر رہی تھی۔

"وہ فیر کا....." نیکیے کا نام آتے ہی لہجہ زور دھیرا بھی ہوا اور آواز میں بھی خیر اور اثر محسوس ہوا۔ "ابھی اس نے مجھے سارا سارا دن زمین پر پاؤں نہیں رکھنے دیا تھا ایک ہاتھ

کہ تم ہونے کا نام ہی لینے کو تیار نہ تھا بلکہ شرمندہ ہونے کے برعکس اس کا غصہ مزید بھڑک اٹھا تھا۔ دن بھر چلتے رہنے کی وجہ سے ٹانگوں کا درد بھی اب اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا اور گڈی کو اٹھائے رکھنے کی وجہ سے دائیں بازو میں بڑی آٹھنٹھن.....

”اگرے میں کوئی اکیلی نہیں ہوں اس دنیا میں بہت سی عورتیں ہیں جو اپنی مرضی سے یہ کام کرتی ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتی ہیں کتنوں کو تو میں خود بھی جانتی ہوں۔“ چنگ لگے تے پھنگری رنگ بھی چوکھا آئے اور ایک ٹو نواب زادی ہے کہ ہونہ.....“ مانی نے اندر کا غبار نکالنے کے لیے اٹھ کر رانی اور گڈی کو پینا شروع کر دیا۔

”بڑی بہنیں تو ماؤں کی جگہ ہوتی ہیں اپنی چھوٹی بہنوں کی زندگی سنوارنے کا سوچ چو! ایک تیری قربانی سے ان دونوں کی زندگی بن جائے گی انہیں بھی اسکول بھیجا کریں گے مس جی بنا میں گئے انہیں۔ اری میری تو گزر گئی ان دونوں کا سوچ اور نہ یہ دونوں عزت والی زندگی کیسے جیتیں گی؟“ ان دونوں کو مارنا چھوڑ کر دوپٹو کو نرم لہجے میں سمجھا رہی تھی مگر اس کا کوئی بھی رد عمل محسوس نہ ہونے پر ایک بار پھر آواز کی لئے بھی بدلی اور لہجے کی نال بھی۔

”مرچاؤ کہیں جا کر دے ہو جاؤ اور مجھے سکون سے سو رہی جانے دو۔ کہاں سے بھروں تم سب کے پیٹ کا وزن؟“ سر پر ہاتھ رکھے اب وہ بین کیے جارہی تھی پٹھنی پٹھنی آنکھوں اور چڑی بنے ہوؤں سے ہشت زدہ ہو کر یہ سب دیکھتی رانی اور گڈی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی پھو کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے تھے ایک دم جانے اس کے من میں کیا سمائی کہ ایک نظر اس نے پڑیانی کیفیت میں جین کر لی ماں کو دیکھا اور پھر دونوں چھوٹی بہنوں کو جو اب خود روٹا چھوڑ کر آنکھیں پھاڑے بیڑی نا بھی سے ماں کو دیکھے جا رہے تھیں۔

آنسو لہجہ بھر میں خشک ہو کر گرد آلود چہرے پر عجیب میڑھی میڑھی سی سطریں بنا گئے تھے۔ پٹو کو اپنی جانب متوجہ پایا تو فوراً دونوں اس کی طرف پھکیں اور اس کی بے

جان ٹانگوں سے لپٹ گئیں۔ پٹو نے لہجہ بھر کے لیے دونوں کو پیار کیا، پٹھنی کی پشت چہرے پر گزرتے ہوئے آنسو صاف کیے کن اکھیوں سے ہلکان ہو کر پٹھنی مانی کو دیکھا اور پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ٹھن کے صندوقچے میں رکھے خاکے رنگ کے لٹائے میں موجود اٹا بھیاں نکالنے چل دی۔ اپنی چھوٹی اور محسوس بہنوں کا مستقبل اور عزت اسے ہر حال میں محفوظ رکھنا تھی اور انہی کی خاطر اس نے ایک بار پھر درخت کی مانند خود کو کڑی دھوپ کا عذاب جھیلنے ہوئے ان ننھی کلیوں کو چھاؤں دینے کا سوچا تھا۔



جانی کو حوالات میں بند ایک ہفتہ ہو گیا تھا لیکن پولیس والوں کی طرف سے اس کے کس میں کوئی بھی پیش رفت نہیں کی گئی تھی دن سے رات کا ہونا ایک مشکل ترین امر لگا کرتا۔

”اوسے.....“ ایک فربہ سے سپاہی نے حوالات کی سلاخوں کے اس پار سے آواز لگائی تو وہ بیٹھا بیٹھا ہڑ بڑا گیا۔

”چل بھئی تیری ضمانت آئی ہے۔“ آزادی کا پروانہ سناتے ہوئے اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور مقفل سلاخوں پر موجود سیاد جالا کھولنے لگا۔

جانی نے چونک کر بے یقینی کے عالم میں جیل میں موجود دوسرے قیدیوں کو دیکھا کہ شاید وہ سپاہی کسی اور سے مخاطب ہے اور وہ محض خوش گمانی کے زیر اثر اس آواز کو اپنے لیے سمجھ رہا ہے۔

”اے ٹو..... ٹو بڑا مشرکلا! ہمیں جھوٹی کہانیاں سناتا رہا کہ تجھے چھڑانے والا کوئی نہیں ہے پھر یہ ضمانت کس نے بھیجی ہے؟“ ڈکیتی کے الزام میں کل ہی لاک اپ میں قید ہونے والے نئے قیدی نے سو پٹھنوں کو تہہ دیتے ہوئے استغناء کیا۔

”تو کیوں..... یہ دو دن کا چھوٹرا بھی اب ہمیں آوہا گیا۔“ سٹھکی نے بھی تائید کی تو وہ اس سے پہلے کہ

وضاحت دیتا سہاٹی نے اکتاہٹ بھرے انداز میں گھوما۔
 ”اوائے چل جلدی بھی کڑیہ پر لیس کا نفرنس بعد میں
 کر لیں۔“ سیانی نے خود اندازاً کراسے بازو سے پکڑا اور
 باہر کی طرف دھکیل دیا۔ حیران پریشان جانی ایس ایچ او
 کے دفتر پہنچا تو ان کے عین کرسی پر موجود شلو اور قمیص میں
 ملبوس ایک انجان شخص کود کچھ کر مزید الجھ گیا۔

”سلام صاحب۔“ دایاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر
 اس نے دونوں کو سلام کیا۔

”ہاں ہاں بس ٹھیک ہے لیکن زیدی صاحب کی
 وجہ سے چھوڑ رہا ہوں اگر آئندہ کوئی ایسی حرکت کی تو
 امید نہ رکھنا“ کڑی سے کڑی سزا دوں گا“ سمجھے“ ایس
 ایچ او نے اپنے پیشہ دارانہ انداز میں اسے تنبیہ کرنا
 لازمی خیال کیا تھا۔

”ویسے آپ صرف خون گرد ستے تب بھی کام ہو جاتا
 اتنے چھوٹے سے کام کے لیے آپ کا خونا نا کچھ مناسب
 معلوم نہیں ہوا۔“ زیدی صاحب نے چائے کا آخری
 گھونٹ صحتی میں ہمارے کے بعد کپڑے میں رکھا اور
 سامنے رکھی بسکٹوں سے بھری پلیٹ کو پرے کھسکا تے
 ہوئے آپکٹر کے الوداعی کلمات کو شان بے نیازی سے
 حوالہ دے کر گیا۔

”بس یہاں سے گزر رہا تھا سو چاہا بلا تاجت کا بھاٹا لے
 لیں۔“ کڑی بنا کر اٹھتے ہوئے انہوں نے فے مصافحہ کرتے
 ہوئے کہا اور پھر ایک ہشتی کی نظر جانی پر ڈال کر اسے
 اپنے پیچھے آنے کا کہا۔

”سلام صاحب۔“ دونوں کے الوداعی مصافحے کے
 بعد جاتے جاتے ایک بار پھر مڑ کر جانی نے ایس ایچ او
 صاحب کو سلام کیا اور زیدی صاحب کی تقلید میں تھانے کی
 حدود سے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے جہاں سیاہ چٹکتی
 کروٹا سے چار گز کے فاصلے پر کھڑی موٹر سائیکل پر بیٹھے
 بونی کود کچھ کر جانی کے جسم پر جاں میں خوشی اور اطمینان خون
 بن کر یوں دوڑنے لگا گویا میلے میں پھنجر جانے والا بچہ
 اپنے کسی قریبی عزیز کو سامنے پا کر خوشی سے نہال اس کی

طرف دوڑا چلا آ رہا ہو۔

بونی کود کچھ کر ذہن میں بننے والا سحر گویا ایک دم ہی
 جانی کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچنے پر زیدی
 صاحب نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے موٹر سائیکل کی
 طرف اشارہ کیا اور خود سیاہ کروٹا کا دروازہ کھلتے پر اس میں
 بیٹھ گئے۔



”یہ حقیقت آخر خود کو سمجھتا کیا ہے تو دیکھنا چاہو اب آئندہ
 اگر اس نے بلایا بھی ناں تو نہیں جانے دوں گی اور لوگ
 بہت ہیں ہونہ۔“ آخر کا تاہن چو حقیقت کے پاس گئی تھی
 مگر اس نے اسے پاؤں دلائی تھیں۔ ”ایچ او“ دیا تھا بغیر کسی کام اور
 دام کے۔ جس پر ماتی کا چراغ پا ہونا چو کی امید کے عین
 مطابق تھا۔

”بیوی جب روٹھ کر میسے گئی ہوئی تھی تب تو بڑی
 چاچوسی کہتا تھا اور اب جب آپس ضرورت پڑی تو کیسا
 مت پھیر لیا۔“ بواب میں چو خاوشی سے کپڑے بدل کر
 دیوار کے سہارے ٹھٹھے پر چوٹے کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
 چہرے پر عجیب ویرانی اور گرمیوں کی دو پہروں کی
 سنسانیت کا راج تھا۔ رانی اور گڈی بھی ایک کونے میں
 بیٹھتی خیالی چیزوں کے ساتھ دنیا آواز کیے کھیل میں
 مصروف تھیں۔

باہر سے دوسرے بچوں کے شور و غل کی آوازیں آئیں
 تو وہ دونوں بھی لہجہ بھر کے لیے رکت کر حسرت سے دیوار کو
 دیکھا کرتیں جس کے اس پار کھیلنے بچے ان کے لیے بہت
 بڑی اور واحد کشش تھی مگر ناجی جس طرح چو کو پہلے باہر
 نکلنے نہیں دیا کرتی تھی اسی طرح اب ان دونوں پر بھی باہر
 جانے پر پابندی تھی۔ یوں بھی اب جبکہ ناجی ان دونوں کو
 مس جی کے روپ میں دیکھنے لگی تھی اب تو وہ کسی بھی
 قیمت پر دوسرے بچوں کے ساتھ بھیج کر ان کا ذہن خراب
 نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”ہیں چو میں کتنی ہوں متناہد معاش ہے ناں یہ حقیقت!
 پہلے تو دیکھ بیوی کا جوڑا بھی دے دیا کہ بساف ستھری ہو کر

سب سے بڑا حیر ہے۔ اسی کی خاطر تو نے ہماری عزت کے رکھوالے کو گھر سے باہر نکال دیا، صرف اس لیے کہ تیرے رستے میں کوئی سنگڑ پتھر باقی نہ رہے۔" لہجے کا ارتعاش اپنی جگہ لیکن جب ضبط کا پارہ نہ رہا تو چوہے نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔ چوک باتوں نے چند لمحوں پہلے گر جتی برستی ناچی کو چونکا دیا تھا۔

"پہو....." گھٹنوں پر جھکے سر کو ہاتھ سے لاپر اٹھاتے ہوئے اس نے پکارا مگر پہو نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پر سے کر دیا۔

"ہاں جس طرح چکے گھرے پر پانی کی بوند نہیں ٹھہرتی یا بھر بھری دیوار میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ کیل کو مضبوطی سے جکڑے اسی طرح فطرنا بد نیت اور لاپٹی لوگوں پر بھی نہ تو کوئی بات اثر کرتی ہے اور نہ ہی انہیں وقت اپنی کچڑ میں لیتا ہے اور تو انہی لوگوں میں سے ایک ہے۔" بات ختم کر کے وہ ہیں رکنے بجائے وہ اندر جا کر دیوار سے ٹیک لگا کر جا بیٹھی تھی۔ رانی اور چوہ بھی ناچی کے سامنے رکنے کے بجائے دوڑتے ہوئے پیو کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ ناچی کو لگا تھا جسے وہ دہری شخصیت کے ساتھ جیتی جا رہی ہے اور شاید اس کے اندر ایک اور انسان بھی موجود ہے جو بڑی زور و زور سے اس کے دل کا دروازہ دھڑ دھڑ بجائے ہی چلا جا رہا تھا لیکن پانی پیٹ کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں ایک بار پھر پیو کے لیے غصہ ابھرنے لگا تھا۔

اوپر اپنی قسمت اور پھر مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے چوہ کی آنکھوں سے جاری آنسوؤں کی لڑیاں اس کی قمیص کا دامن بھگو نے لگی تھیں وہ درمیان جو بھی میٹا ہونے کے باوجود بھی بے حد اجلا اور بے دارن تھا لیکن اب معاملہ قدرے مختلف تھا۔



فلٹ کیا تھا جانی کے لیے تو وہ ٹھل سے کم ہرگز نہ تھا جکی زمین کے فرش پر جا بجا چریں لگی چٹائی اور پانچوں اور فٹ پاتھ پر سونے والا جانی تو اس طرح کی زندگی کی

آیا کر اور اب....." ناچی چوہے کو گھورتی چوہے سے باتیں کر رہی تھی لیکن وہ ہنوز لاپتہ ہی رہی تھی۔ ذہن کی پرواز شاید سوچ کے کسی اور ہی آسمان پر تھی۔

"کہیں واپس تو نہیں مانگ لیا ناں اس نے کپڑوں کا جوڑا۔" ناچی نے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے اسے شہو کا دیا جس کے چہرے پر اتنی شام میں شہر خموشاں کی دیرانی بڑی اداسی سے درقصال تھی۔ ناچی کے بار بار مخاطب کرنے پر خرا سے لب کھولتے ہی بنی۔

"کپڑوں کا جوڑا تو نہیں مانگا پر کہتا ہے اب کبھی نظر نہ آنا اور بڑی مشکل سے رخسانہ پائیں آئی ہے اگر اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو اس کا گھر اجڑ جائے گا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر تو رخسانہ کو بتا دینے کی دھمکی دے کر آخری دفعہ کچھ روپے تو لے لاتی ناں کم عقل! ابھی اپنا دماغ بھی چلا لیا کر جتنا سکھاؤں بس اتنا ہی کرتی ہے۔" پہو نے تڑپ کر ناچی کو دیکھا جس کے ماں ہونے پر اب اسے قطعاً یقین نہ رہا تھا۔ "گھر میں کچھ بھی نہیں ہے کھانے کو یہ دونوں بھی تیری آس میں بھوکی کھیل رہی ہیں اس وقت سے اب کیا کروں کہاں سے لالوں ان کے کھانے کو؟" ناچی نے سیاہ چہرہ لیے بیٹھی چوہ کو بے زاریت سے دیکھا۔

"حق کا بھی کمانے والے ہر زوں کو تو ساتھ لے کر مر گیا اور ان سو غاتوں کو میری جان کا عذاب بنا کر چھوڑ دیا۔" منہ کے زاویے دکھاتے ہوئے ناچی نے آخری جملہ ادا کیا۔ "ویسے ماں ٹوٹنے لگی سوچا نہیں کہ کبھی ماں ہے تو جو اپنے ہاتھوں سے بیٹی کی چادر اتار کر اسے بھرے بازار میں کھڑا کر دی ہے اور اپنے منہ سے لوگوں کو متوجہ کر رہی ہے کہ ہے کوئی جو میری بیٹی کے ساتھ چند گھنٹے گزار کر ہمیں کچھ روپے دے۔" وہ باتیں جوائی دیر سے خاموش بیٹھے اس کے ذہن میں لاوے کی مانند چپ رہی تھیں پلا خزانہ پتا ہی گئیں۔

"تو جانتی ہے ناں کہ پیغمبروں کے بعد سب سے بڑا رتبہ ماں باپ کا ہے پر تجھے کیا پروا تیرے لیے تو پیسہ ہی

"میں تجھے اپنی رہائی کے دوسرے ہی روز چھڑوا لیتا لیکن....." سگریٹ کو بوتلوں میں دبانے کے بعد لائٹر سے سنگا کر ایک لمبا کش لیتے ہوئے بولی نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا جہاں صرف اور صرف سچائی رقم تھی۔

"چل چھوڑ جانے دے۔" دتوئیں کا مرغولہ ہوا میں پھوڑتے ہوئے بولی نے کہا۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ جانی کے سامنے اپنے دل کا بوجھ بگاڑیں کر پایا تھا۔

"کیا مجھ سے کبھی چھپائے گا دوست! اپنے بھائی جانی سے بھی؟" جانی کے لہجے میں بے پناہ مان اور آنکھوں میں ذخیرہ سارا غلوں تھا۔

"جس طرح میرا دکھ کسی اپنے کی طرح سن کر ٹوٹنے میرے دل کو ہٹا کر دیا تھا کیا میں تجھے اس قابل بھی نہیں لگتا کہ تو اپنے دل کی بات کہنے کے لیے مجھ پر اعتبار کر سکے؟" جانی کی بات پر بولی نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

یوں بھی اس وقت وہ کسی ہمدرد غمگسار اور کسی بے حد اپنے کی کئی بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا جس کے سامنے وہ اپنے تمام دکھوں کے ساتھ آئینے کی طرح عیاں ہو جائے۔

"اچھا رک میں پہلے چائے بنا لاؤں۔" بولی نے سوچا شاید چائے بنانے کے دوران وہ اپنی اس کیفیت سے باہر نکل پائے۔ جیسی انھنے کی کوشش کی مگر جانی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

"نہیں چاہیے کچھ بھی تو بول کیا کہہ رہا تھا۔" بولی نے گہری سانس لے کر دوبارہ ذہن چھانے کے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے جانی کو دیکھا۔

"اعتبار کر مجھ پر میں اتنا بُرا نہیں ہوں۔" اور پھر جانی کے بے حد اصرار پر اسے باپ کی وفات بھٹے پر ہونے والی اپنی لڑائی اور پھر زینب کی عزت بچانے میں کاٹل ہونا سب ہی کچھ بتا چلا گیا۔

اس کی تمام کہانی سننے کے دوران جانی اپنی اور اس کی

خواہش تو دور تک تصور نہ کر سکتا تھا۔ صاف ستھرا کچن خوب صورت کمرے چمکتے ہاتھ رہز بھی اس کی دسترس میں تھے۔ لمبی نیند سے جاگا تو نرم میٹریں پر بیٹھے بیٹھے کمرے کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"ارے تو کب سے جاگا ہوا ہے؟" بولی کسی کام سے کمرے میں آیا تو اسے یوں ادھر ادھر دیکھتے چوتے گیا۔

"ہاں ابھی ابھی چکا ہوں کوئی پانچ سات منٹ پہلے۔" بائیس انچ کے رفلین ٹی وی کی فلیٹ اسکرین سے نظریں بناتے ہوئے وہ بولا۔

"اچھا چل ٹھیک ہے یہ کپڑے ادھر تیرے لیے رکھے ہوئے ہیں میں بھی ادھر ہی ہوں تو اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر آ جا۔" بولی نے کمرے میں موجود الماری سے بیگلر میں لٹکے استری شدہ کپڑے نکال کر کرسی کی پشت گاہ پر رکھنے اور جاتے جاتے مڑا۔

"جلدی آ جانا میں چائے بنانے لگا ہوں مل کر پیتے ہیں۔" جانی نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے جاتے ہی اٹھ بیٹھا سامنے لگے وال کھانک پر نظر پڑی تو اس وقت حیرت کی انتہاء ہی جب اسے یہ پتا چھا کہ چیل سے آئے کے بعد جو وہ سویا ہے تو اب رات کے آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد نہادھو کر صاف ستھرے استری شدہ کپڑوں میں خود اپنے آپ کو وہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ شیو کیا ہوا چہرہ آئینے کے سامنے دھیان سے بنائے گئے بال بھی کچھ تو اس کے سابقہ حلیے کے برعکس تھا اور اب وہ کہیں سے بھی اٹھائی گیر اور چور معلوم نہیں ہو رہا تھا اب تو وہ بالکل اسی فلیٹ کارپاشی معلوم ہو رہا تھا۔

"کیوں بھئی ایسی لگی یہ تبدیلی؟" بولی نے سامنے صوفے پر بیٹھتے جانی سے دریافت کیا۔

"بہت اچھی لیکن میری اصل اوقات تو تم جانتے ہی ہو ناں۔" ایک جھجک بہر حال جانی کے رویے میں ضرور موجود تھی مگر بولی نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جیب سے ادھر نکالتے ہوئے بولا۔

سہا نے ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر مارا۔
 ”کاش کہ اس دن فراز کی ماں میرے سامنے نہ آئی
 ہوتی، اس کی گڑ گڑاہٹ اور آنسوؤں میں مجھائی ماں نظر
 نہ آتی ہوتی تو آج صورت حال بہت مختلف ہوتی۔“ جانی
 نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے دلا سادے ہوئے تہا
 نہ ہونے کا احساس دلایا تھا۔

”آج کل کے دور میں فراز جیسے انسانوں کی وحشت
 ظالم اور کیننگی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذہن
 سے موت کا تصور نکل گیا ہے میرے دوست ابد کردار اور
 بدنیت لوگوں کے ہاتھوں شریف اور با کردار لوگوں کا وجود
 ایسا ہی ہے جیسے درختوں کی چوٹی سے پھل گرانے کے
 لیے بچے ان پر کبھی لمبی ہانس نما لکڑیوں سے خرچیں لگاتے
 ہیں انہیں جھاڑتے اور ہلاتے ہیں مگر بعض اوقات اس
 ساری تنگ و دو کے بعد بھی پھل ہاتھ نہ آنے پر غصے سے
 جھنجھلا کر ان کی ٹہنیاں تک توڑ دیتے ہیں اور پتوں تک کو
 تو چٹا نہیں چھوڑتے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ماں..... کیا دنیا میں کوئی
 ایسا شخص بھی ہوگا جس پر ماں کے رونے پلکنے کا اثر نہ ہو۔“
 بات کرتے کرتے بولی کا اپنا گلہ نہ بھگیا تھا۔

”وہیے ایک بات بتا یاد رہے ساری مائیں اتنی عظیم
 کیوں ہوتی ہیں؟ کیوں اولاد کی خوشی پر اپنی ہر حسرت
 قربان کر دیتی ہیں؟ خود بچو کا درد کہ اولاد کے منہ میں ٹوالہ
 ڈالنا یہ بھلا ماں کے علاوہ کوئی کر سکتا ہے کیا؟“ بولی کی
 بات پر جانی ایک دم یوں چوڑکا جیسے بہت گہری خند سے
 بیدار ہوا ہو۔

لفظ ماں گویا اس ایک لمحے میں کرنٹ بن کر اس کے
 جسم میں دوڑا تھا جسکی چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور ہاتھ
 پاؤں ساکت ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

(تیسرا حصہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



ماں کا موازنہ کرتا رہا تھا اس کی ماں اپنی بیٹی کی عزت
 بچاتے بچاتے قربان ہو گئی جبکہ خود جانی کی ماں خوش خوش
 اپنی بیٹی کو دام بڑھوانے کے گر سکھا رہی تھی۔ اس کے اپنے
 دل پر رفتہ رفتہ بوجھ بڑھ رہا تھا۔

”اچھا پھر کیا ہو؟“ اپنی اندرونی کیفیات کو چھپائے
 وہ بڑے سکوت سے بولی کی تمام بات چیت سن رہا تھا۔

”ہونا کیا تھا ڈاکٹر فریڈا خدا ترس خاتون تھیں اور
 انہیں بوا برا اعتماد بھی بہت تھا کہ وہ ایک عرصے سے ان
 کے ساتھ تھیں اور جس وقت اماں فراز کے سامنے گڑ گڑا
 رہی تھیں وہ سب باتیں بوانے سن لی تھیں اور ساری بات
 سن سن ڈاکٹر صاحب کو بتادی تو انہوں نے ہی میری اور
 زینب کی ضمانت کروائی۔ ہوا میں جاتے سگریٹ کے
 دھوئیں کو بخور دیکھتا بولی شاید اس وقت کسی اور ہی دنیا میں
 تھا سو جانی نے بھی مداحیت کرنا مناسب نہیں سمجھا کچھ
 دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

”تب سے اب تک زینب بول کے ہی پاس ہے۔“
 ”اور فراز.....؟“ اپنے تئیں بات ختم کر کے جانی
 کی طرف دیکھنے پر اس کی طرف سے ایک اور سوال
 سامنے آیا تھا۔

”میں انتقام کی آگ میں جلا فراز کو ختم کرنے کے
 لیے اس کے گھر تک پہنچا تو ضرور لیکن یارا اس کی ماں کے
 جوڑے گئے بوڑھے ہاتھوں نے میرے ہاتھ باندھ
 دیئے۔ تب سے لے کر اب تک مختلف قسم کی ڈکیتیاں کرتا
 اور زندگی چلاتا آ رہا ہوں۔ ماں کے بغیر جین ہی نہیں آتا
 بس ایسا ہی سمجھ لے کہ ایک پاس ہے جو کسی بھی طرح
 بجھتی ہی نہیں۔“ سگریٹ الیش ٹرے میں سسل کر اس نے
 انگلیاں بالوں میں پھنسا لی تھیں۔ اضطراب اس کی ایک
 ایک حرکت سے مختلف رہا تھا۔

”آگر فریڈا کو مار ڈالتا تو شاید آج دل کی بے چینی اس
 قدرت ہوتی لیکن یہ خیال کہ میری بہن پر نرمی نظر ڈالنے
 والا اور میری ماں کے خون سے رنگے ہاتھوں والا فراز اس
 شہر میں زندہ مہوم پھر رہا ہے مجھے جیتے نہیں دیتا۔“ بے بس



www.paksociety.com

www.paksociety.com

وہ آگیا تو فاصلے گھٹتے چلے گئے
پتھرے تو سارے راستے سنسان کر گئے
پتھر اچھڑا کچھ ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

”تمہیں لگتا ہے تمہیں محبت ہوگئی ہے؟“ عدنان نے اس سے منہ ہٹا کر اس سے دور ہوا تھا۔ تو صیف آنکھیں کھولے اسے دیکھنے لگا۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہیں کس سے محبت ہوگئی؟“ عدنان نے تنبیہ کی سے سوال کیا۔

”وہ میری کزن ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”تمہیں اچھی لگتی ہے؟“

”صرف اچھی..... بہت اچھی لگتی ہے۔“

”ہر وقت میرا دھیان اسی کی طرف لگا رہتا ہے“ نجانے کیا چہرے ہے وہ جو ہر وقت میرے حواسوں پر چھائی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے میں میں نہیں رہا وہ ہو گیا ہوں۔ ”اتھالی جذب کے عالم میں وہ اعتراف کر گیا تھا۔

”اللہ وانا الیہ راجعون۔“ دعا کے سے انداز میں منہ پر ہاتھ پھیرتا وہ کافی عرصے تک دکھائی دینے لگا تھا تو صیف حد درجہ حیران ہوتا بولا تھا۔

”اب تمہیں کیا ہوا؟“

”تم تم نہیں وہ ہو گئے بس اسی لیے.....“ اس نے وضاحت کی تو تو صیف نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

عدنان کی فطرت سے وہ بڑی اچھی طرح واقف تھا اگر وہ کسی بات کا مذاق اڑانے پر آجائے تو دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے مذاق بنانے سے نہیں روک سکتی اور یہاں تو محبت ٹاپک ہی ایسا تھا جس کا مذاق وہ ہمیشہ ہی اڑایا کرتا تھا تو پھر اب یہ کیسے ممکن تھا وہ اس کی بات کو سمجھ جاتا۔

بے بسی کے شدید احساس تلے وہ جب وہ اور کچھ

”محبت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ آج کے دپے پیر کو ڈسکس کرتے کرتے تو صیف نے اچانک ہی اسٹائمٹ بنانے میں مگن عدنان کو دیکھ کے بڑی سنجیدگی سے یہ سوال کیا تھا۔

وہ جو پوری طرح سر جھکائے پیر میں گم تھا سواپنے اس انداز میں پوچھنے لگا۔

”کیا یہ کوئی نیا مضمون ہے؟“

”ویسے نام بڑا درمیشک سا ہے۔“ اس نے اپنی رائے اس تک پہنچائی تھی وہ بڑی طرح بھٹا گیا۔

”تو اب کوئی حال نہیں تمہارا عدنان۔“

”آج سائیکوجی کا اتالیف پیر دینے کے بعد تم پر اچانک محبت کا ذکر کیوں لیے بیٹھے ہو وہ بھی مجھ سے؟“ مجھوں نے چڑھائے اس نے اگلی اپنی طرف کی۔ اس کا سوال بالکل بجا تھا تو صیف بے سانس پھرنا مسکرا دیا۔

”کیونکہ لگتا ہے مجھے محبت ہوگئی ہے۔“

”تمہیں محبت ہوگئی ہے؟ واہ واہ..... تمہیں کیسے چاہا مجھے بھی بتاؤ؟“ اس کا جوش دیکھ کر تو صیف بھی جوش میں اس کے قریب کھسکا آیا۔

”مجھ پر خود بخود شاعری کا نزول ہونے لگا ہے لفظ اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے دکھائی دینے لگے ہیں۔ کسی کو سوچنا اچھا لگنے لگا ہے میں جس بھی پروجیکشن میں ہوں اس کا خیال ہر خیال پر حاوی ہونے لگتا ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ اس کے بنا اپنا آپ اچھورا سا محسوس ہونے لگا ہے۔“ آنکھ بند کیے وہ اپنی وجدانی کیفیت بیان کر رہا تھا ”وہت تیرے کی شاعری کرنے سے کسی کو سوچنے

اسے پکارا یا کسی اور کو مگر پھر بھی اس نے پلٹ کر پکارنے والے کو دیکھنا چاہا تھا۔ اس کے سامنے قدرے کنفیوزی ہوئی اس کی توجہ کی منتظر کھڑی تھی۔

چند لمحوں پہ اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ واپس پلٹنے ہی لگا تھا جب وہ لڑکی جلدی سے دو بار بول اٹھی۔

”مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟“ واپس پلٹتے اس کے قدم وہیں رک سے گئے۔

”اتنی بڑی یونیورسٹی میں مدد کے لیے آپ کو صرف میں نظر آیا؟“ اپنی طرف الٹی کیے وہ استنہامیہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ نظریں اٹھائے مضطرب ہی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

”ایسا کیسے؟“ سر آپ سے پہلے میں نے کچھ اور لوگوں سے بھی مدد کی درخواست کی تھی مگر ان میں سے چند نے مجھے فول بنا دیا تو کسی نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔“

آنسو ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود آنسو اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے لڑھک کر رخسار پر آ گئے تھے جنہیں اس نے ہاتھ کی پشت سے بڑی بے دردی سے صاف کر ڈالا تھا اس کے آنسو اس بات کے گواہ تھے کہ وہ کس حد تک فول بنا دی گئی ہے۔ عدنان ایک دم چند قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آیا تھا۔

”کیا آپ کے ساتھ رینٹنگ کی گئی؟“ اس کے بتانے کے باوجود بھی وہ اس سے یقین چاہ رہا تھا۔

”جی۔“ خود پر قابو پاتے وہ صرف اتنا ہی بول سکی تھی۔

”مگر یہاں تو رینٹنگ کی اجازت نہیں ہے۔“ خصوصی طور پر چیئر مین صاحب نے سختی سے اس حرکت سے منع کیا ہے کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں اتنی سختی کے باوجود یہ حرکت کس نے کی؟“ وہ پل میں مشغول ہوا تھا وہ بھی غیب ہی تھا۔

اس کی مدد کرنے کی ہامی بھرنے کے بجائے اپنی یونیورسٹی کے اصول توڑنے والوں کی عتاب میں چل پڑا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے سر جھکائے سست روی سے اس

نہ کہہ پایا تو بد دعا پڑا آ یا۔

”تم جس طرح محبت کی توہین کرتے ہو دیکھنا محبت تم سے اس کا خوب بدلہ لے گی۔ تم جس بھی کوستے ہیں جاؤ گے وہ تمہیں ڈھونڈ ہی نکالے گی۔ اللہ کرے تمہیں کسی سے ایسی محبت ہو کہ تم پاگل بن جاؤ۔“ عورتوں کی طرح ہاتھ اٹھائے اسے بد دعا سے نوازنا وہ اس کے پاس سے اٹھتا دور بیٹھا تھا جبکہ عدنان کے قہقہے نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔



ان کے پیچ پر کے اختتام کے ٹھیک چند روز بعد ہی ان کی ٹیکسٹ کلاس میں پرموٹ ہو جانے والے اسٹوڈنٹس کی لسٹ گلنے کی اطلاع اسے ملی تو اس نے توصیف کو اطلاع دینے کے لیے فون کیا جس پر اسے معلوم ہوا تو توصیف ابھی تک اسلام آباد سے واپس نہیں لوٹا تھا سو مجبوراً ہی عدنان کو آج کینے یونیورسٹی مانا پڑا۔

عدنان اپنی کلاس اور اپنے حلقہ احباب میں قدرے مغرور واقع ہوا تھا یہی وجہ تھی یونیورسٹی میں ایک سال گزر جانے کے باوجود بھی توصیف کے علاوہ اس کا کوئی دوست نہیں تھا بائے ہیلو سب سے سختی مگر جو دوستی کا تعلق توصیف کے ساتھ تھا وہ کسی دوسرے سے نہ بن سکا تھا۔ وہ قدرے ریزور طبیعت کا مالک تھا جس کی وجہ سے لڑکیاں تو لڑکیاں لڑ کے بھی اس سے سنبھل کر بات کیا کرتے تھے۔

اسٹڈی کے معاملے میں وہ ہمیشہ ہی اچھا اسٹوڈنٹ رہا تھا اس کے باوجود بھی اس کی عادت تھی ہیرنسٹ میں اپنا نام بجائے اوپر سے دیکھنے کے وہ ٹکلی لائنوں میں خود کو ڈھونڈا کرتا تھا جیسا آج ہوا تھا۔

وہ ایڈمن بنگ کی عین دیوار پر لگی لسٹ میں بڑے غور سے نیچے سے نام دیکھتا اور پر کی بہت نظر دوڑا رہا تھا اس کی پوری توجہ اپنا نام تلاش کرنے میں تھی جب قدرے دلی دہائی بھرائی ہی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

”سینے۔“

یونیورسٹی شور پر سمجھ نہیں سکا تھا کہ پکارنے والے نے

”جہنم میں ہر گز نہیں لے جاؤں گا۔“ ایک دم ہی وہ غصے میں آیا تھا۔

”یہ تو صیف کے بچے نے بھی آج ہی غیر حاضر ہونا تھا۔“
 سندھ غیر حاضر ہونا نہ میں یوں خدمت خلق کے کام سہرا بنجام
 دے رہا ہوتا۔ ”زیر لب بڑبڑاتا وہ واپس بیٹھا تھا۔ اس بار وہ
 بھی اس کے ہمراہ تھی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کینٹین کے پاس
 آن رکا تھا۔

”آپ کیا لینا پسند کریں گی؟“

”مگر کیوں؟“ سوال کرنا شاید اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا
 اور گھما پھرا کر جواب دینا عدنان کی عادت۔

”اپنا بیگ دکھائیں۔“

”کیا میں ایک بار پھر نوٹیں بناؤں گی؟“ صد سے کے
 زیر اثر وہ صرف بیچ کر رہ گئی۔ اتنا ضرور کیا کہ خاموشی کے
 ساتھ اپنا بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ بیگ میں ہاتھ ڈالے اپنی مطلوبہ چیز تلاش کرتا رہا
 اور جب مطلوبہ چیز نہ ملی تو جھنجھاکر بولا۔

”شس قسم کی لڑکی ہیں آپ اپنے بیگ میں آئینہ تک
 نہیں رکھتی۔“

”اس؟“ اس حیرت کا شدید جھجکاؤ تھا۔

وہ اس کے بیگ میں آئینہ تلاش کر رہا تھا مگر کیوں؟ وہ
 واقعی نہیں سمجھتی تھی۔

”مگر آپ نے آئینے کا کیا کرنا ہے؟“ اپنی حیرت پر
 قابو پاتی اس نے پوچھ ہی لیا۔

”اجار ڈالنا ہے۔“ اسے جواب سے ٹوڑتے اس نے
 پاس سے لڑائی لڑی کو پکارا۔

”ایسکوپوزی؟“ وہ لڑکی فوراً ہی اس کی طرف متوجہ
 ہوئی تھی۔ ”کیا آپ کے پاس آئینہ ہوگا؟“

”جی۔“ لڑکی نے مسکراتے ہوئے اپنے جینڈ بیگ
 سے آئینہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اس نے آئینہ اس کو
 پکڑ لیا اور کہا۔

”ذرا اس میں اپنی شکل ملاحظہ کیجیے۔“

”مگر کیوں؟“ تاہم بھی اس کے ساتھ پھر سوال ہوا تھا۔

کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اس وقت بینک کے قریب موجود
 تھے اس نے دائیں طرف اشارہ کر کے کہا۔

”وہاں موجود ایک گروپ نے مجھے اپنے مذاق کا
 نشانہ بنایا۔“

عدنان نے اس کی نشاندہی کرنے پر اس جگہ نظر کی
 وہاں ابھی بھی ایک گروپ ہاتھوں میں مصروف دکھائی دے
 رہا تھا لب بچھے وہ اس کو اپنے ساتھ لیے اس گروپ کے
 قریب آ رکا۔

”ان میں سے کون تھا؟“ اس کی طرف جھٹک کر
 قدرے سرگوشی میں پوچھا گیا تھا۔ اس نے غور سے وہاں

موجود تمام اسٹوڈنٹس پر نظر دوڑائی اور پھر غصے میں سر ہلا دیا۔
 ”یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔“

”وہ اس کا مطلب وہ لوگ یہاں سے کھسک لیے
 اب اور کسی جگہ کسی اور نیو اسٹوڈنٹ کو جھٹک کر رہے ہوں

گئے۔“ عدنان غصے سے لب بچھے کر رہ گیا پھر خود کو ہارل کرتا
 اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”تو میں آپ کو مجھ سے کس طرح کی مدد درکار ہے؟“
 ”آپ دائیں میری مدد کریں گے؟“ وہ بے یقین

سی تھی۔
 ”شیر۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ بینک کے پاس کا چہرہ غور

سے دیکھنے لگا جہاں آسٹوڈنٹ کے نشان ابھی بھی دکھائی
 دے رہے تھے۔ چہرے پر بد خواہی واضح دکھائی دے رہی

تھی کچھ بھی مزید کہہ بنا اس نے آگے کی طرف قدم
 بڑھا دیے۔

دو چار قدم چلنے کے بعد جب اس نے محسوس کیا وہ اس
 کے پیچھے نہیں آ رہی تو اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا وہ

ابھی بھی وہی جگہ سر جھکائے کھڑی تھی ایک بار پھر اس کی
 آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ عدنان جھنجھاکر واپس

اس کے قریب آیا تھا۔
 ”محترمہ میرے ساتھ آئیں۔“ اس کی آواز پر اس نے

چوتھ کر سہرا اٹھا یا تھا۔
 ”مگر کہاں؟“

کر بولی تھی عدنان کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
 ”شکر ہے ہوں ہاں اور سوالوں کی جان چھوڑ کر آپ
 نے کچھ تفصیل سے بولا۔“

”ایسی بات نہیں ہے میں اچھا خاصا بول رہی ہوں مگر
 آج نئے لوگوں نے جو میرے ساتھ کیا بس اس نے بولتی
 بند کر دی تھی۔ آپ کے ساتھ نے حوصلہ بخشا تو لفظ بھی
 زبان پر بکھرائے۔“

”آپ بس مجھے اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کا بتادیں۔“
 تب کندھیا چکاتے ہوئے عدنان نے کہا۔

”اوکے۔“ اور آگے قدم بڑھا دینے بازیست تھی اس
 کے ہمراہ چلنے لگی۔ کینیڈین سے ذرا فاصلے پر اسلامیات
 ڈیپارٹمنٹ موجود تھا مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر عدنان نے کہا۔
 ”یہی آپ کا مطلوبہ ڈیپارٹمنٹ ہے۔“

”تھینک یو مچ مر۔“
 ”عدنان کیلانی۔“ اس نے اپنا مختصر سا تعارف پیش
 کر کے چہرے مزید کہا۔

”تھینکس کی ضرورت نہیں ہاں یہ ضرور بتادیں کہ
 آگے آپ کو پرہیز تو نہیں ہوگی؟“

”نہیں نہیں ان شاء اللہ اب میں خود پینڈل کرنے
 لگی۔“ اس کے انداز میں مکمل اعتماد تھا۔

”اوکے آل دی بیسٹ۔“ عدنان نے مسکرا کر کہا اور
 واپسی کے لیے مڑ گیا تو بازیست بھی ڈیپارٹمنٹ کے اندر
 داخل ہو گئی۔



وہ بڑے ریٹیکس انداز میں اونڈھا لیٹا لیٹ ٹاپ
 سامنے کھولے اپنی میبلر چیک کر رہا تھا جب اس کے سیل
 کی بیل گنگنا، ٹھٹھی لیٹ ٹاپ کی مسکرت پر نظر جمائے اس
 نے یس کاٹن پر یس کیا اور سیل کان سے اٹھایا۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے بات کا آغاز کیا گیا تھا۔
 ”ہیس عدنان اسکیٹنگ۔“

”جی جی آپ کی مہربانی مائی لارڈ۔“ دوسری طرف
 قدرے شوخی سے جواب دیا گیا تھا۔

آنجل

”جیسا کہا ہے ویسا کریں۔“ قدرے رعب سے ڈانٹا
 گیا تھا اب اس نے فوراً آئینہ لے کر اپنے چہرے کے
 سامنے کر لیا مگر نظریں ابھی بھی عدنان پر لگی تھیں۔

”مجھے نہیں خود کو دیکھیں۔“ پاس کھڑی لڑکی بھی حیرت
 سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

”کیا ابھی خود کو آئینے میں نہیں دیکھا؟“ وہ دلی دلی
 آواز میں اسے ڈانٹ رہا تھا تو وہ ایک دم ڈرتی نظریں اس
 پر سے ہٹا کر خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔

آنسو بھری بے یقین سی نگاہیں رخساروں پر مٹے مٹے
 آنسوؤں کے نشان اور صاف ظاہر ہوتی بدحواسی۔ وہ
 ایک دم شرمندہ ہوتی نظر جھٹکا گئی۔

عدنان نے آئینہ اس سے لے کر شکر یہ کے ساتھ
 لوٹایا اور اس لڑکی کے جانے کے بعد وہ بارہ اس کی طرف
 متوجہ ہوا۔

”جس قدر بدحواسی اور ہونق آپ دکھائی دے رہی
 ہیں کوئی کہہ سکتا ہے آپ ماسٹر کی اسٹوڈنٹ ہیں؟ جب
 ایسی شکل کے ساتھ آپ دوسروں سے بددعا لگیں گی تو لوگ
 ناچاٹے ہوئے بھی آپ کا مذاق بنائیں گے خود پر تھوڑا تو
 اعتماد رکھیں جب خود پر آپ کو یقین ہی نہ تھا تو یہاں ایسی
 کیوں چلی آئیں؟“ وہ دلی دلی آواز میں اسے تار مار رہا تھا
 اور دوشر مندہ سی نظریں جھٹکائے کھڑی تھی وہ اس کا ہاتھ نہیں
 تھا مگر اسے اچھا سمجھا رہا تھا۔

”دنیامیں اچھے لوگ ناپید نہیں ہوئے۔“ اس کا یقین
 واپس آنے لگا۔

سامنے کھڑے شخص پر ایک دم ہی اس کا اعتماد بڑھ گیا تھا
 جیسی پرسکون ہوتی پولی۔

”سوری میں واقعی بہت کثیف تھی جیسی مجھے مذاق کا
 نشانہ بنایا گیا۔“ اس کا اعتماد دوسرے دیکھ کر عدنان مسکرایا۔

”اوکے آپ کا تعارف۔“

”میرا نام بازیست احمد ہے لیکن اسے اسلامیات کی
 اسٹوڈنٹ ہوں مجھے میرا ڈیپارٹمنٹ نہیں مل رہا تھا اسی وجہ
 سے مدد کی ضرورت پیش آئی۔“ پہلے کی نسبت وہ اب مکمل

جوانی

”کیوں ایسا کیا ہوا؟“ عدنان حیران ہی تو رہ گیا۔
”پورے چند روزوں ہو گئے اس کی شکل تک نہیں
دیکھی۔“ کس قدر دکھی انداز تھا اس کا۔

”یہ تو بہت بڑا ظلم ہوا تم پر۔“ عدنان اپنی بے ساختہ لڑ
آنے والی مسکراہٹ کو لبوں میں دبائے اس کے غم میں
شریک ہوا تھا۔

”ہاں یا زبا پانے لٹنے سارے دنوں کے لیے اسلا“
آباد بھیج کر بڑا ظلم کیا مجھ پر۔“ کیا وہ اپنی دیتا تھا اس پر
عدنان اپنی ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکا اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر
ہنس پڑا۔

”تم ہنس رہے ہو؟“ اس کو صدمہ پہنچا۔
”تو..... تم بھی تو خود پر غور کرو کیسے بھتوں بنے افسوس
کر رہے ہو۔“ عدنان کی ہنسی اس کے الفاظ اسے مزید تباہ
دلانے کو کافی تھے۔

”احتجاجا وہ کال و سکنٹ کر گیا عدنان تاریک ہوئی سیل
کی اسکرین دکھ کر مسکرا دیا۔



رات کا کھانا کھانے کے بعد عدنان ہوٹل کے بڑے
سے لان میں چہل قدمی کر رہا تھا جب اسے تو صیف کی
کال موصول ہوئی اس نے قدرے حیران ہوتے اس کی
کال پک کی۔

”سب خیرت ہے تم نے پھر کیوں کال کی؟“
”کل کے لیے تمہارا کیا پروگرام ہے۔“ اس
نے پوچھا۔

”کل کا کوئی خاص پروگرام نہیں ہے میں کل غریبوں
کا مہرہ کیوں پوچھ رہے ہوں۔“

”کل مجھے تمہیں کہیں لے کر جانا ہے۔“

”مجھے؟“ اس نے حیران ہوئے انتظار کیا۔
اس کی اس درجہ حیرت بھانگی آج سے پہلے تو صیف
نے کبھی اس طرح کی کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔

”ہاں تمہیں تم چلو گے یا میرے ساتھ۔“
”چل تو میں اس کا مہرہ بتاؤ تو سہی جانا کہاں ہے؟“

”کوئے تم۔“ تو صیف کی آواز پہچان کر وہ فوراً سیدھا
ہوا تھا۔

”ہاں میں کیسے ہو تم؟“ اس کے پوچھنے پر وہ فوراً
اشارت ہوا تھا۔

”آگئی تمہیں میری یاد ہے وقت دوست اسلام آباد جا کر
تم تو ایسے بھولے کہ مڑ کر خبر تک نہ لی۔“

”سوری یاد کام کا بڑا دن اتنا تھا کہ کان کھجانے کی
فرصت نہیں ملی چھار زلٹ کا بتاؤ کیسا رہا؟“ وہ شرمندہ سا
وضاحتیں پیش کرنے لگا جب عدنان ہنس کر بولا۔

”ویسا ہی جیسا ہمیشہ ہوتا ہے۔“ عدنان کا انداز
قدرے بے پروا تھا۔

”تو بتانا یاد۔“ تو صیف اپنی اسٹڈی کو لے کر ہمیشہ
پوزیٹو رہا کرتا تھا اسی لیے کچھ زیادہ ہی بے چین دکھائی
دے رہا تھا وہ بھی شرافت سے مزید تنگ کیے بتانے لگا۔
”تم سیکنڈ لاسٹ اور میں بالکل لاسٹ۔“

”کیا..... تم سچ کہہ رہے ہو؟“ تو صیف بے یقین
سنا تھا۔

”سو فی صد سچ۔“
”پھر تو بہت مبارک ہو۔“ تو صیف کا لہجہ متبسم تھا۔

وہ عدنان کی عادت سے واقف تھا عدنان زلٹ نیچے
سے دیکھنے کا عادی تھا۔ اس کا کہنا تھا شروع میں ہی نام
دیکھ کر مزا نہیں آتا اس لیے نیچے سب کاموں کو دیکھتے آخر
میں اپنا نام دیکھ کر زیادہ مزا آتا ہے اسی لیے اس نے پہلے
نمبر پر ہونے کے باوجود خود کو لاسٹ اور اس کو سیکنڈ لاسٹ
کہا تھا۔

”تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔“ عدنان اب کھل کر
مسکرایا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری ”ان“ سے ملاقات ہوئی؟“ عدنان
نے سوال کر کے جیسے اس کی دوستی رنگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

”اویارہ کیا یاد آ رہا ہے کتنی مشکل سے تو میں نے خود کو
بہلا یا تھا تم نے پھر سے میرا زخم ہرا کر دیا۔“ وہ شرمندہ سا
احتجاجا بولا تھا۔

وہاں اکیلے جا کر اپنے جانے کا کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ تم ساتھ ہو گے تو کبہ دوں گا تمہارے ساتھ ابھرا گیا اس لیے تمہیں میرے ساتھ وہاں جانا ہی ہوگا۔" تو صیف نے بنا سانس لیے بات مکمل کی تھی۔

"اچھا تو اب سمجھا۔" عدنان نے ہر لفظ کو ادا سنگلی سے ادا کیا تھا۔

"بڑی مہربانی آپ کی سمجھ وائی کی۔" اس کی نوازش میں بھی طنز کی بھاری آمیزش تھی۔

"آخر تم جا کر ایک ہی بار بتا کیوں نہیں دیتے۔" اس نے مفت کا مشورہ دیا تھا۔

"ہاں ماما جی کا کھیل ہے نا جا کے بتادو۔ جا کر بتا دینے سے دوسرے دل میں موجود اپنے لیے محبت کا پتہ لگانا عجیب مشکل سا لگتا ہے۔ میں اپنی محبت اس پر واضح کرنے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں وہ میرے لیے کس طرح کے جذبات دل میں رکھتی ہے یاں ہو کہ میں جا کر اپنی محبت کا اظہار کروں اور دوسری طرف سے انکار ہو جائے تو خواہ مخواہ دل تو ٹوٹے گا ہی میری محبت کی تو ہیں بھی ہوگی۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" عدنان نے پہلی بار بنا چوں کیسے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"تو پھر تم چل رہے ہو کل میرے ساتھ؟" اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں تمہارے لیے یہ بھی کرنا پڑے گا بھنوں۔" اس نے مسکرا کر ہائی بھری۔



اگلی شام پانچ بجے تیار ہو کر وہ دونوں اسپورٹس گراؤنڈ پہنچے جہاں چیکنگ کے بعد انہیں اندر جانے دیا گیا تھا تو صیف بہت زیادہ ایکساٹڈ دکھائی دے رہا تھا۔ گیٹ سے اندر قدم رکھتے ہی پورا گراؤنڈ جیسے ایک نظریہ میں سمٹ آیا تھا۔ دائرے کی صورت ہر اسکول نے اپنی منتخب کردہ جگہوں پر اسٹال لگا کر گراؤنڈ کو سجا رکھا تھا جبکہ درمیان سے گراؤنڈ خالی تھا جہاں آنے والے شائقین کہیں کہیں درپردہ جمائے بیٹھے تھے تو کہیں پر بچے بھاگتے دوڑتے دکھائی

"اسپورٹس گراؤنڈ۔" تو صیف نے مختصر بتایا۔

"مگر تو صیف تم جانتے ہو اسپورٹس میں مجھے زیادہ انٹرسٹ نہیں ہے اور اتنا تو بالکل نہیں کہ میں خصوصی طور پر جا کر کچھ دیکھوں۔" وہ انکار کرنا چاہتا تھا جب تو صیف نے تیزی سے کہا۔

"پہلے میری بات سن او پھر انکار کرو گے۔"

"لو کے کہو۔"

"یہ لازمی نہیں ہے اسپورٹس گراؤنڈ میں اسپورٹس ہی ہو۔"

"تو پھر.....؟" عدنان نے پوچھا۔

"تو پھر یہ کہ بہار کا موسم ہے ہر طرف پھول ہی پھول ہیں رنگ ہے خوشبو سے اور....." وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا جب عدنان نے اسے ٹوک دیا۔

"مطلب کی بات پتا جاؤ اس قدر بڈنگ مت کرو۔" اس کے انداز پر تو صیف ہنس دیا تھا۔

"بہار کے موسم میں ہر سائے کی طرح اس سال بھی وہاں پھولوں کی نمائش منعقد کی جا رہی ہے۔"

"لو کے مگر مجھے پھر بھی سمجھ نہیں آ رہا وہاں ہمارا کیا کام ہوگا۔ وہ نمائش تو لائیو وی پر بھی دکھائی جائے گی ہم وہاں بھی دیکھ سکتے ہیں۔" عدنان انھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

"عدنان تم میرے سید دوست ہو جو معصوم سادہ من بھی ہوتا ہے جس کی معصومیت ہی ہر وقت دل جلاتی رہتی ہے۔ تم ہی کیا میں بھی پھولوں کی خاطر یوں خنجریں وہاں جانے والا نہیں تھا مگر پھولوں والی کی خاطر مجھے وہاں جانا ہی ہوگا۔" سچے سچے انداز میں اس نے وضاحت پیش کی تھی۔

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب باقی اسکیز کی طرح علینہ بھی وہاں اپنے اسکول کی طرف سے اپنے اسٹاف کے ہمراہ اسٹال لگانے آرہی ہے اب علینہ وہاں آرہی ہے یہ جان کر تمہیں اندازہ ہو ہی گیا ہوگا میں کیوں وہاں جانا چاہتا ہوں اب وہاں جانے کے لیے تمہارا ساتھ اس لیے درکار ہے کیونکہ میں

”دیکھ لو پھر۔“ تو صیف نے فرضی کارکمرے کیے تھے۔

”اچھا بتاؤ میرا اسٹال کیسا لگ رہا ہے؟“ اسٹال پر نظر ڈالے اس نے بڑے اشتیاق سے سوال کیا تھا۔

”تمہاری طرح خوب صورت۔“ اس کی پرشوق نگاہیں ہر طرف سے بے نیاز اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

”کیا مطلب؟“ وہ بھنویں سکھڑے اچھے سے پوچھ رہی تھی وہ فوراً حائل میں لوٹا تھا۔

”کچھ نہیں ان سے ملو یہ میرا جگہری دوست عدنان گیلانی!“ بلا خراسے کب سے فراموش کیے عدنان کا خیال ہی گیا۔

”استاذ ام ٹیکم!“ لویہ نے فوراً سلام جھارتا۔
”جانکم استاذ ام؟“ اس نے جواب دیا تو اس نے اخلاق سے اس کا حائل دزدیافت کیا۔

”کیسے ہیں آپ؟“
”بالکل ٹھیک۔“ اس نے مسکرا کر مختصر جواب دیا۔
”او کے یہ بتائیں، ہمارا اسٹال کیسا لگ رہا ہے؟“

اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر پاس سے گزرتے شخص سے اپنے اسٹال کی تعریف کرالے۔ اس کے انداز پر عدنان کے لبوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ دوڑی تھی جسے کمال مہارت سے چھپا کر اس نے کہا۔

”بہت بہترین۔“ وہ یونہی گفتگو میں مصروف تھے جب اسٹالز کا معائنہ کرتے ایم ڈی صاحب ان کے اسٹال پر آن ٹھہرے۔ عدنان علیحدہ سے گفتگو میں مصروف تھا جب ایم ڈی صاحب اسے دیکھ کر اس کی طرف چلتے آئے اور خیریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔

”عدنان بیٹا تم یہاں؟“
عدنان چونکنا ہوا ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو سامنے دیکھ کر ایک دم گڑبڑا گیا۔

”اپنا آپ؟“
”ہاں بھئی میں یہاں ٹیمٹ کے لیے بلایا گیا مگر تم

دے رہے تھے اور کچھ لوگ اسٹال پر پھولوں کی خوب صورتی سراہتے نظر آ رہے تھے۔ فضا میں ہر طرف پھولوں کی مہک رہی ہوئی تھی۔ انہوں نے آگے قدم بڑھائے اور دائیں طرف لگے اسٹالز میں سے اپنا مطلوبہ اسٹال تلاش کرنے کی ابتدا کی۔ ہر اسٹال پر اس کے اسکول کا بیئر لگایا گیا تھا یہی وجہ تھی وہ جلد ہی علیحدہ تک پہنچ گئے تھے وہ اپنی ساتھی پیچرز کے ساتھ اسٹال کی خوب صورتی مزید بڑھانے کے لیے ڈیکوریشن میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے اسٹال کو واقعی بڑی خوب صورتی سے سجایا تھا ان کو اسٹال لگانے کے لیے گراؤنڈ کی میزحیاں دی گئی تھیں جسے انہوں نے اپنی سی گرافل اہمیت لگا کر تمام میزھیوں کو اس کے تلے ڈھانپ دیا تھا۔ اوپری طرف کی پہلی تین میزھیوں پر مختلف اقسام کے پھولوں کے گلے رکھے تھے۔ پھولوں کی موجودگی کو دکھائی دینا خود بخود وہاں پہنچ گئی تھیں۔ یہی وجہ تھی وہاں خوب صورت پردوں والی تھلیاں منڈلاتی دکھائی دے رہی تھیں نچلے چار اسٹالز (میزھیوں) پر انہوں نے بڑے پیمانی پر پتھر رکھ کر انہیں رنگا پتھر ایشیا کی طرح وہاں سیٹ کر دیا پھر ان پتھروں کے گرد انہوں نے کھلتے پھولوں کے بہت سے گلے بچا دیے۔ نیچے گھاس کا فرش بچایا ہوا تھا اور انہی پتھروں کے درمیان اوپری طرف سے شاید پانی کی ٹبلی چھوڑی ہوئی تھی جس میں سے پانی نکل نکل کر پتھروں پر سے بہتا ہوا نیچے رکھے گناؤ وارپ میں گر رہا تھا یہ سب دیکھ کر بے ساختہ ذہن میں چھوٹی سی جھلک کا تصور آ رہا تھا۔ کچھ دیر ہونے کی وجہ سے ہر طرف جلی مصنوعی الٹنگ کی وجہ سے بھی یہ منظر خاموش محسوس ہو رہا تھا۔

یہ ان کی محنت کا نتیجہ تھا کہ دیکھنے والے میں بھرپور کر اس اسٹال کو تو صیفی نگاہوں سے ضرور دیکھتا تھا وہ بھی سراہے جانا سہ سکے۔

علینہ یوں اچانک تو صیف کو سامنے دیکھ کر بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔

”تو صیف تم یہاں۔۔۔ تم نے تو مجھے سر پرانز کر دیا۔“

کاٹل یقین کر انعام پانے والوں میں اس کا اسٹال دوسرے نمبر پر آیا تھا۔ انعام کی ٹرافی لیے وہ بڑی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی جب عدنان نے توصیف سے کہا۔

”رات کافی ہوگئی ہے توصیف اب ہمیں چلنا چاہیے۔“
 ”ہاں چلتے ہیں۔“ وہ غلیب کے ساتھ سامان سمیٹتے ہیں اس کی مدد کر رہا تھا۔ اس کے انتظار میں کھڑا یہاں وہاں نظریں دوڑا رہا تھا جب اس کو لگا کہ اس نے ابھی جزیست احمد کو دیکھا ہے۔ وہ صرف ایک نظری استہ دیکھ سکا تھا مگر اس ایک غیر ارادی نظر نے اسے احساس کرا دیا کہ پہلے دن کی طرح جزیست آج بھی پریشان اور بوکھلائی ہوئی تھی۔ وہ بے اختیار ہی اس سمت بڑھا جہاں اس نے تازیست کو دیکھا تھا۔

نجات کس وجہ سے اس نے اشعوری طور پر اسے ہر اسٹال پر ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر جب وہ نہ مل سکی تو وہ مایوس مزاج بننے لگا۔ وہاں توصیف کے پاس آیا تھا۔ توصیف ابھی بھی مصروف تھا وہ پھر بلا ارادہ تازیست کو سوچنے لگا۔

تازین کیلئے خوشخبری

آپ کا ہر دلعزیز ماہنامہ

انچل

آگست سے 320 - نجات پر مشتمل ہوگا

جس میں بہت مشق قلم کاروں کی تحریریں شامل ہوں گی

قیمت 60 روپے

یہاں کس طرح؟“
 ”میں..... میں اپنے دوست کے ساتھ یہاں آیا تھا انکل!“ اس کا انداز بوکھلاہٹ سے بھرا تھا۔

توصیف بڑی حیرت سے اسے اس طرح ایم ڈی سے باتیں کرتے دیکھ کر ان کے درمیان رشتہ کو سمجھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ عدنان کا بہترین دوست تو تھا مگر اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ لاہور میں رہتا ہے اور تعلیم کے سلسلے میں بہاؤ اللہ مین زکریا یونیورسٹی کے ہوسٹل میں رہائش پذیر ہے۔

”ایم ڈی سے عدنان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ وہ ابھی تک اسی سوچ میں الجھا تھا۔

دوسری طرف عدنان نے ایم ڈی صاحب کو کسی نا کسی طرح مطمئن کر کے گم کی طرف روانہ کیا اور وہ بارہ سے توصیف کی طرف متوجہ ہوا۔

”تم انہیں اور یہ تمہیں کیسے جانتے ہیں؟“ وہ ابھی تک وہیں اٹکا تھا۔

”یہ.....“ سوچنے پر بھی جب اس سے جواب نہ ملتا پڑا تو جلدی سے کہنے لگا۔ ”یہ میرے ایک دوست کے عزیز ہیں بس اسی کے ذریعے مجھے پہچانتے ہیں۔“

”مگر ان کے انداز سے دور کی جان پہچان تو نہیں لگ رہی تھی مجھے۔“

”کیا یہ تم عورتوں کی طرح ہنس کی کھال اڑھیرنے بیٹھ جاتے ہو۔ ایم ڈی صاحب بڑے اچھے انسان ہیں مجھ سے کیا وہ تو ہر ملنے والے سے اسی طرح پیش آتے ہیں۔“ عدنان نے ہنسنے پر جواب دیا تھا۔

”تو تم.....“ توصیف مزید کچھ کہتا مگر عدنان نے اس کی توجہ سٹیج کی طرف مبذول کی۔

”تم چھوڑو سب ادھر سنو لگتا ہے فائل اناؤسمنٹ ہونے لگی ہے۔“ اپنی کوشش میں وہ کامیاب رہا تھا تو توصیف واقعی سب بھلائے غلیب کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔

غلیب بڑی پر جوش تھی اسے امید تھی آج کے انعامات میں اس کا حصہ بھی ہوگا۔ شاید یہ اس کی محنت تھی یا اس کا

تاریست پر نہ پڑی ہوئی۔ اسے سامنے دیکھ کر ایک دم ہی اس کے ذہن میں کل کا منظر تازہ ہوا تھا وہ ابھی تک اسی گفتگو میں تھا کہ تاریست واپسی وہاں تھی یا وہ اس کا وہم تھا۔ اپنی الجھن کو سلجھانے کی خاطر وہ تیز تیز قدم بڑھاتا اس کی طرف بڑھا تو صیف اسے پکارتا اس کے پیچھے تھا "کدھر چلا ہے ہو؟"

"تم بھی آ جاؤ۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ تاریست اس کی طرف متوجہ نہیں تھی اس نے اسے پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا۔ "ایکسپریز میس تاریست احمد۔" تاریست چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی پھر اتر آئی۔

"اسلام علیکم عدنان سر!" اس وقت اس کی نظریں اس پر اس طرح اٹکی تھیں جیسے پوچھ رہی ہوں۔ "جی فرما میں کیا کام ہے؟"

تو صیف پاس کھڑا حیرت سے کبھی اس کو دیکھتا تو کبھی سامنے کھڑی اس انجانی لڑکی کو۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ کیا ماجرا تھا جس کی وجہ سے خود عدنان کسی لڑکی کی طرف بڑھتا تھا۔ تاریست کی نظروں کا منہموم سمجھ کر وہ ایک دم گڑبڑایا تھا سوچے سمجھے وہ اس کی طرف چلا تو آیا تھا مگر اب سوچ میں پڑ گیا کہ اس سے پوچھنے یا نہ پوچھنے۔ اسی اوجیز میں کچھ دیر سوچنے کے بعد پلٹ آ کر اس نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"کیا کل آپ اسپورٹس گراؤنڈ گئی تھیں؟"

"میں.....؟" انکی اپنی طرف کیے اس نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"جی آپ....." عدنان نے اقرار میں سر ہلایا۔

"نہیں... میں تو نہیں گئی۔" اس کے انداز میں کھلم کھلا دھتکا۔

لاکھ کھوجنے کے باوجود بھی وہ اس کے چہرے اور اس کے لفظوں میں بڑی ہی کھلی لڑکھڑاہٹ ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

"کو کے پھر شاید میری نظروں نے دھوکہ کھایا ہو سوری۔" معذرت خواہ انداز میں کہتا ہوا ایسی کے لیے پلٹا

"وہ اس وقت یہاں اکیلی کیا کر رہی تھی اور میں کیوں اس طرح اسے ڈھونڈ رہا ہوں؟" تنجانے کیوں وہ خاصا مضطرب رہا تھا۔ "وہ خاصی پریشان دکھائی دی اسی لیے میں نے اسے تلاشتنا چاہا تاکہ پھر اس کی مدد کر سکوں۔" اس نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دے کر خود کو تسلی بخشنا چاہی تھی۔ مگر اس کے جواب سے اس کے دل کو تسلی نہیں ہوئی تھی وہ ابھی بھی اسی طرح مضطرب تھا۔

"کیا معلوم وہ میرا وہم ہو۔" گہری سانس بھر رہے اس نے اپنے ذہن میں آنے والے خیالات سے سر جھٹکتے ہوئے تو صیف سے کہا۔

"تو صیف میں جا رہا ہوں تم علینہ کو گھر چھوڑتے جاؤ۔"

"ہاں میرا ارادہ بھی یہی ہے مگر پھر تم کیسے جاؤ گے؟"

"میں کوئی لڑکی نہیں ہوں پار جو اس طرح پریشان ہو رہے ہو۔ میں رکشہ سے چلا جاؤں گا۔"

"تم طر کرنے سے کبھی باز مت آنا۔" اس کے انداز پر تو صیف ہنس دیا تھا۔

"تم خود بات اسکی کرتے ہو کدھا بندہ تپ جائے۔"

"ایک تو تمہیں علینہ بھابی کے ساتھ مزید وقت گزارنے کا موقع فراہم کر رہا ہوں تم سمجھتے نہیں ہو۔" اس کی طرف جھک کر اس نے قدرے سرکشگی میں کہا تھا۔

"جی نہیں یہ موقع تم نے فراہم نہیں کیا میں نے خود یہ کام کیا ورنہ دو سیڑھوں کو انکل کو بلانے کو تیار تھی میں نے گھر تک چھوڑنے کی آفر کی تب رکی۔" وہ بھی دوست اسی کا تھا کہ اس کا احسان بہتر کرتا۔

"تم نا تو نہیں وہ ایک دلگ بات ہے اور اب میں مزید بحث میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ بہت سخت نیند آ رہی ہے اس لیے مجھے اجازت دو۔" عدنان نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور ہوٹل کے لیے وہاں سے نکل آیا۔



وہ تاریست کو لے کر چھوڑتے تک الجھتا رہا مگر سو کر اٹھا تو اسے بھول چکا تھا اور اسے بھولا ہی رہتا اگر اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی نظر

قد رسوخ میں کیوں بڑھ گئے ہو؟“ اس کے سوال کے جواب پر عدنان ایک دم ہی مسکراتے لگا تھا۔ تو صیف نے انتہائی حیرت سے اس کی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

”کیا پاگل ہو گئے ہو؟“ تو صیف نے پوچھا تھا۔

”نہیں بس تمہارے انداز کو دیکھ کر ہنسی آگئی مجھ سے زیادہ تو تم الجھ گئے ہو اور اس وقت تمہیں دیکھ کر لگتا ہے ابھی مجھے کہہ دو گے کہ مجھے محبت ہوئی ہے۔“ اس کی بات کے اختتام پر خود تو صیف بھی ہنس دیا تھا۔

”کہا تو نہیں ہے مگر ممکن ہے کہہ دوں تمہارا اس طرح الجھنا اس کے لیے سوچنا اگر محبت سے ملادیا جائے تو کچھ غلط نہیں ہوگا کیونکہ محبت میں محبوب کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔“

”نہیں میں اسے محبت نہیں کہتا۔“ عدنان نے سر جھٹکا۔ ”اُس کے تو پھر تمہاری نظر میں محبت کیا ہے اس کی تعریف کرو۔“ تو صیف نے پچھلے دیا مگر بہت سوچنے پر بھی وہ کوئی لفظ ادا نہیں کر سکا تھا۔

”میں نہیں جانتا محبت کیا ہے۔“ اس نے گویا بار تسلیم کی۔

”جب محبت ہوگی تو جان بھی جادو گے۔“ اس کا انداز متعجب تھا۔

”تو کیا محبت کو جاننے کے لیے محبت کرنا ضروری ہے؟ بنا محبت کیے بھی تو محبت کو سمجھا جاسکتا ہے۔“ عدنان نے گویا اسے لاجواب کرنا چاہا تھا۔

”ہرگز نہیں“ محبت جب ہوتی ہے تبھی محسوس بھی ہوتی ہے۔“ تو صیف نے الٹا اسے لاجواب کر دیا تھا۔

”تم پاگل ہو بس۔“ عدنان نے بڑا سادہ بیانیہ تھا تو صیف بے ساختہ ہنس دیا۔

”بابا بابا..... تم ہاں تسلیم کر لو۔“

”اوہ۔۔۔“ وہ سر جھٹک کر رہ گیا تب تو صیف شرارتا بولا تھا۔

”ویسے لڑکی اچھی ہے۔“ اس نے بڑی معنی خیزی سے کہا تھا اور عدنان غصے سے اسے مارنے کو لپکا تھا اور تک

تھا۔ تاہم رات سے اب تک خود کو اتنا خوار کیا اسے اچانک ہی افسوس نے آن گھیرا۔ اس کے انداز نے ایک بار پھر تو صیف کو جھٹکا دیا تھا مگر وہ خاموش تھا جب وہ تازیست سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تب تو صیف اس سے مخاطب ہوا۔

”یہ کیا معاملہ ہے عدنان؟ تم خود اس لڑکی کے پاس صرف یہ پوچھنے کی خاطر گئے کیا یا وہ کل اسپورٹس گراؤنڈ گئی تھی یا نہیں؟“ اس کے سامنے کھڑا وہ سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمائے پوچھ رہا تھا۔

”آؤ جانا ہوں۔“ وہ اسے لیے لے کر اوٹھ میں آ گیا اور اب وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ان میں سے ایک بولنے کو تیار تھا جبکہ دوسرا سننے کا منتظر وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ تازیست احمد تھی۔“ ابھی وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ تو صیف پھر سوال کر بیٹھا۔

”کون تازیست؟“ عدنان نے اسے گھورا تھا۔ ”چپ کر کے سنو گے تو ہی پتا چلے گا میں کون تازیست ہے۔“ وہ خاموش ہوا تو اس نے تازیست سے ملنے سے لے کر کل تک کے تمام احوال اس کے گوش گزار کیے تھے تو صیف نے خاموشی سے اسے سنا تھا وہ بہت غور سے عدنان کو دیکھ رہا تھا جو ایک دم کافی الجھا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔

”اب ان کا کہنا ہے یہ کل وہاں نہیں تھیں مگر میرا یقین کہتا ہے وہ میری نظر کا دھوک نہیں تھا۔“

”کل واقعی وہاں میں نے انہی کو دیکھا تھا۔“ اس کے انداز میں واقعی یقین کی جھلک نمایاں تھی۔

تو صیف نے بڑی چالچلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”مگر میرا تم اسے لے کر کیوں اس قدر الجھ رہے ہو؟ تمہیں اس سے کیا غرض کہ یہ وہاں تھیں یا نہیں؟“ اس کا سوال درست تھا عدنان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہی تم اس لڑکی کو لے کر اس

”بھیک نہیں چاہیے مجھے میں محنت کر کے پیسہ کماتا چاہتی ہوں۔“ اس نے صاف جواب دیا تھا۔

انجرائی افسردہ ماحول میں بھی اس کے انداز نے اسے مسکراتے پر مجبور کیا تھا جیسی اپنی بے ساختہ اٹھ آئی مسکراہٹ کو کمال مہارت سے چھپاتا کہنے لگا۔

”پڑھائی اور نوکری دونوں ایک ساتھ آپ کو مشکل میں ڈال دیں گی۔“

”تو پہلے کونسی آسانیاں ہیں۔“ جواب فوراً حاضر تھا۔
”مگر پھر بھی آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔“ عدنان نے اسے باز رکھنا چاہا تھا۔

”سوچنے کی گنجائش باقی نہیں ہے سر۔“ اس کا انداز بڑا حتمی تھا۔ عدنان سرسری کی پشت گاہ سے لگائے کچھ پل سوچنے کے بعد بلا خیر بالا۔

”گوکہ اس وقت ڈیڑی آفس میں نہیں ہیں اس کے باوجود بھی آپ کی نوکری کی ضمانت میں دیتا ہوں آپ سمجھیں آپ کی نوکری کی ہوگی۔“

”ڈیڑی..... آپ.....؟“ اس بار اس نے نا جھکی سے اس کو دیکھا تھا۔

”جو بات آپ کو پہلے پوچھنا چاہیے تھی وہ آپ اب دریافت کر رہی ہیں خیر یہ میرے ڈیڑی کا آفس ہے۔“ عدنان نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

”میں بھی ڈیڑی سے ملنے کی خاطر یہاں آیا مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی مگر آپ یقین رکھئے میں نے اگر کہہ دیا ہے تو اپنے فیصلے سے ذرا پیچھے نہیں ہٹوں گا آپ کو یہاں جا بل جائے گی۔“ اس نے اسے یقین دلایا تھا۔

”شکریہ۔“ وہ بہت ممنون دکھائی دینے لگی تھی۔

”اس کو کہئے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کو جب بھی میری مدد کی ضرورت پیش آئے تو بنا جھجک بتا دیجئے گا۔“

آپ کی مدد کر کے مجھ اچھا لگے گا۔“ مسکرا کر کہتا وہ ایک دم کچھ یاد آنے پر رک کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔ اس کے اس طرح خاموش ہو جانے پر تازہ دست نے استغناء میں اس کی

سمت دیکھا تھا۔

وہاں داخلہ تو کسی طرح لے لیا اور ہر چھ مہینے بعد بھاری رقم فیس کی صورت میں کہاں سے دوں؟ آخر اتنا پیسہ کہاں سے لائوں؟“ وہ تو جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

”اب تک صبح سے تین جگہ جا چکی ہوں مگر مجال ہے جو یہاں مجبوری کی مجبوری کو سمجھا جائے لوگ اکیلی لڑکی کو مفت کا مال سمجھ کر ہاتھ صاف کرنے کے چکر میں تیار رہتے ہیں۔

دن کی نوکری میں کر نہیں سکتی کہ میری کلاسز کا خرچ ہوگا اور رات کی نوکری کوئی ڈھنگ کی مل ہی نہیں رہی تو کیا کروں؟“ بے بسی کے عالم میں اپنا آپ اس پر کھولتی وہ

اب رونے لگی تھی۔ عدنان دوسرا دھڑے بیٹھا انگشتا فالت کی زور میں تھا یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بظاہر خوش دکھائی دیتی یہ نازک سی لڑکی اس قدر مصیبتوں کا شکار

بھی ہو سکتی ہے۔

”آپ کے گھر والے.....؟“ عدنان کا انداز بڑا دھیما

ساتھا۔

”کوئی بھی نہیں ہے میرا والدین کا انتقال ہو چکا رشتہ داروں میں سے کوئی بھی میری ذمہ داری قبول کرنے کو تیار

نہ تھا تب ایک دور پار کی رشتہ دار جس کا اپنا بھی کوئی نہیں تھا اس نے اپنے ساتھ گھر پر رکھ لیا یوں ہم ایک سے دو ہو گئے۔ پاپا نے اپنے چچے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی تھی

جس کا مجھے سرا ہوتا۔ سوزندگی کی ضرورت پات کو پورا کرنے کے لیے مجھے خود گھر سے باہر بکھنا پڑا۔“ سہوں سوں کرتے

اس نے اس بار بھی تفصیل سے جواب دیا تھا۔

عدنان نے خاموشی سے نشوونما اس کی طرف بڑھایا جس میں سے دو تین نشوونما نکال کر وہ اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

”مگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟“

عدنان کو اس وقت اس سے حد سے زیادہ بھدروں محسوس ہو رہی تھی۔

”مگر کب تک؟“ تازہ دست نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”جب تک آپ کی تعلیم مکمل نہ ہو جائے۔“

حالت پہلے کا سا تھا وہ مایوس ہونے کو تھا جب اس کی کال پک کر لی گئی تو وہ لڑھکے سے بولی سے بولا۔

”عدنان یاد تم کہاں ہو نمبر بھی بند کر رکھا تھا مگر کیوں؟“

”میں اپنے گھر پر ہوں۔“ عدنان نے دھمکے سے انداز میں جواب دیا تھا۔

”دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں تم یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہے۔ نمبر بند کیوں کر رکھا تھا؟“ اس سے بات کرتا تو صیف سامنے پڑی کرسی پر ٹپک گیا تھا۔

”ہاں بتاؤں گا۔“ اس کا انداز سنجیدہ سا تھا۔

”تم یہ بتاؤ تم اس وقت کہاں ہو؟“ عدنان اس وقت اسے شدید زبردستی محسوس ہوا تھا۔

”میں یونیورسٹی میں ہوں مگر تم مجھے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے؟“ تو صیف پریشان ہوا تھا۔

”لو کے تم میرا وہاں انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔“ اس کے سوالوں کو گول کیا اس نے مختصراً کہا۔

”تم عدنان میں ہو۔“ تو صیف پریشان تو تھا اب حیران بھی ہوا تھا۔

ملتان میں ہونے کے باوجود یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا؟ اس سارے معاملے کی سمجھ تو صیف کو بالکل نہیں آ رہی تھی۔

”اُس کے تم آ جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔“ تو صیف نے کہا تو دوسری طرف سے کال ڈراپ کر دی گئی پھر جب تک عدنان آ نہیں گیا وہ مسلسل اسی گنگ پر سوچتا رہا۔ اس نے سامنے نظر کی تو عدنان سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ وہ

اس قدر بے تاب تھا کہ وہاں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے پاس چلا آیا۔

رنگی دعا سلام کے بعد بغل گیر ہوتا وہ اس سے الگ ہو کر فوراً بولتا تھا۔

”تم عدنان میں تھے مگر یونیورسٹی سے غیر حاضر تھے یہ سب کیا ہے عدنان؟“

”یہ سب کچھ بھی نہیں ہے بس اتنا ہے کہ میں عدنان ہی میں رہتا ہوں۔“ عدنان نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر

”اگر آپ سچ بتائیں تو ایک اور بات آپ سے پوچھوں؟“

”جی پوچھئے۔“ اس نے گویا اجازت دی تھی۔

”اس روز نمائش میں آپ ہی تھیں ناں؟“ وہ اس روز کو اب تک نہیں بھولا تھا۔

”اوہ.....“ تازہ دست سنباؤ از بلند گہری سانس لی تھی۔

”جی میں ہی تھی۔“ اس نے سر جھکا کر جواب دیا تھا۔

”تو پھر آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟“ عدنان کے انداز میں حیرت سمٹ آئی تھی۔

”جھوٹ نہ بولی تو اور کیا کرنا؟ میں وہاں اپنے محلے کی ایک نیچر کے ساتھ گئی تھی جو مجھے اپنے جیسے کا سارا کام سمجھا کر واپس آ گئی تھیں پھر اس کی جگہ سارا کام میں نے

کیا جس کے بدلے میں اس نے مجھے کچھ روپے دیئے۔“ شرمندگی سے مزید سر جھکائے اس نے حقیقت بیان کی تو عدنان بڑی طرح سوچ میں پڑ گیا۔

”اُف یہ حالات انسان کو کیا کچھ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔“ اس کے جواب نے جیسے اس سے اس کی قوت

تغویاتی چھین لی تھی جیسی وہ تسلی میں کوئی ایک لفظ تنگ اور نہیں کر سکا تھا۔ سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے

والے عدنان گیلانی نے آج پہلی بار کسی حالات کے بارے کو سامنے دیکھا تھا تازہ دست احمد شکر یہ کے الفاظ ادا

کرتی کسب کی وہاں سے جا بگئی تھی مگر عدنان ابھی تک دروازے پر نظریں لٹکائے گم سم بیٹھا تھا۔



یونیورسٹی میں کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا مگر عدنان ابھی تک منتظر سے غائب تھا تو صیف نے بار بار اس سے رابطے

کی کوشش کی مگر ہر بار اس کا نمبر بند ملتا رہا جس کی وجہ سے وہ اس کے لیے لڑھکے پریشان و متفکر تھا۔

آج بھی جیسے ہی کلاس ختم ہوئی اس نے ایک بار پھر عدنان کا نمبر فراموش کیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی مگر پہلی

بیل پر دوسری طرف سے کسی قسم کا کوئی رسپانس موصول نہیں ہوا تو اس نے دوبارہ اس کا نمبر ڈائل کیا اس بار بھی

نکائی ہوئی تھی جہاں اس کے جواب کو سن کر شدید حیرت کے تاثرات ابھرا آئے تھے۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ وہ اسے اپنے ساتھ لیے ایک طرف آن بٹھا تھا۔

توصیف مسلسل اسے دیکھ رہا تھا کچھ لمبے کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوا۔

”تم میرے ساتھ دوست ہو کر میں نے تم سے جھوٹ بولا۔“ توصیف کے کچھ بولنے کو کھٹکتے لب و لہجہ کر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”پہلے مجھے سنو پھر میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔“

”مصلحت کے تحت بولے جھوٹ کی معافی تو خدا نے بھی دی ہے پھر تم تو میرے ساری غلط دوست ہو جس نے میری ذات سے دوستی کی میرے گھر اور گھر والوں میں کبھی دلچسپی نہ لی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تم سے غلط بیانی کی پلیز مجھے معاف کر دینا۔ میرا مقصد تمہیں دھوکہ دینا نہیں تھا میں متان میں ہی رہتا ہوں مگر پھر بھی میں نے لاہور کا بتایا اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر میں تمہیں بتاتا کہ میں متان میں رہتا ہوں تو تم یقیناً مجھ سے یہ سوال کرتے کہ متان میں رہنے کے باوجود میں یہاں بائٹل میں رہا کیسے پتہ چکیوں ہوں؟ اس وقت ہم میں اتنی دوستی بھی نہیں تھی کہ میں تم سے سچ بولتا اور اپنے فیملی میٹر تم سے وسوسہ کرتا ہوں اسی لیے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔“ چند لمبے خاموشی کی نظر کرنے کے بعد وہ پھر گویا ہوا۔

”مگر اب ہم میں اتنی دوستی تو ہے کہ میں تم پر اعتبار کر سکتا ہوں۔“

”اب مجھے تم سے اپنا مسئلہ شیئر کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو میری حقیقی ماں کی وفات اس وقت ہوئی جب میں پیدا ہوا تب ڈیڈی نے میری دیکھ بھال کی خاطر دوسری شادی کرنی مگر شاید یہ میری بدقسمتی تھی کہ وہ دوسری ماں میری ماں ثابت نہ ہو سکی۔ انہوں نے مجھے آپا کے حوالے کیا اور خود اپنی سرگرمیوں میں

گمن ہو گئیں وہی سرگرمیاں جو عموماً امیر لوگوں کی زندگی کا خاصا ہوا کرتی ہیں۔ میرے ڈیڈی ایک کامیاب بزنس مین ہیں مگر شاید وہ ایک اچھے باپ نہیں ہیں جیسے بجائے مکی کو اپنے رنگ میں رنگنے کے وہ خود ان کے رنگ میں رنگتے چلے گئے اور پھر مجھے بھول گئے میرے علاوہ میری ایک سوتیلی بہن اور بھائی بھی ہے۔ مکی اور ڈیڈی کی مکمل کاپی ٹر پیمن سے ہی مجھے کوئی خاص توجہ نہیں ملی تھی اسی لیے میں زندگی کے ہنگاموں سے دور ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ تھی اپنے گھر میں ہوتی آئے دن کی پارٹیز اور نمود و نمائش کی اس بھاگ دوڑ سے نہ ہی طرح آگتا گیا تب سے اب تک میں نے اپنی زندگی بائٹل میں رہ کر گزار دی۔ میرے ڈیڈی اگر کامیاب بزنس مین ہیں تو مکی بھی ان سے کم نہیں ہیں ڈیڈی کے کاروبار میں آدھا شیئر تو ان کا ہے وہ ڈیڈی کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ ان کی سوچ اس حد تک کاروباری ہے کہ بزنس کو بڑھانے کی خاطر انہوں نے اپنی اولادوں کا رشتہ بھی ایک سووے کے تحت اپنے بزنس فرینڈز کی تسلیز میں کر دیا۔ مجھے مذقو اس گھر کا ماحول پسند ہے اور نہ ہی وہاں کے مشینی لوگ۔ اسی لیے اس گھر میں رہنے کے بجائے میں نے ہمیشہ بائٹل میں رہنے کو ترجیح دی۔ اگر کبھی ڈیڈی کی یاد ستائے تو وہاں جا کر ان سے مل آتا ہوں۔“ اس کے ہر لفظ میں اس کا دکھ بول رہا تھا۔

توصیف حیران و پریشان ہونے کے بجائے اب شرمندہ بیٹھا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ہر وقت مطمئن اور خوش نظر آتا یہ شخص اندر سے اس قدر رنجی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کا دکھ شاید سب سے بڑا تھا کہ اپنی زندگی میں سب کے ہونے کے باوجود بھی وہ تنہا زندگی گزارنے پر مجبور تھا تو توصیف کو اس وقت صرف ایک حل سوچا تھا۔

”نہان تم شادی کر لو۔“ اس کی بات سن کر نہان کے لبوں کی قریش میں واضح مسکراہٹ در آئی تھی ایک ایسی مسکراہٹ جس میں کئی نمایاں تھیں۔

”ڈیڈی کو اب خیال تو آیا ہے میری شادی کر دینے کا

پتو گئے۔ تو صیف نے فوراً نکلیں دکھائیں پھر کہنے لگا۔
”مجھے تو افسوس اور دکھ ہو رہا ہے کہ میں تمہارے لیے
کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“ اس کے انداز میں افسوس نمایاں تھا
عدنان افس دیا پھر پیار سے بولا۔

”تم بہت اچھے ہو تو صیف! تم میرے ایسے دوست
ہو جس سے میں اپنی پریشانی شیئر کر کے ریٹیکس ہو گیا
ہوں حالانکہ تم نے مسئلے کا کوئی حل بیان نہیں کیا ہے مگر پھر
بھی میں پہلے کی نسبت بہت اچھا مل کر رہا ہوں۔“
”یہ میری خوش قسمتی ہے۔“ تو صیف نے مسکرا کر کہا
اور پھر اس کا موڈ درست کرنے کی خاطر اس نے اپنی خوشی
اس سے شیئر کرنے کا فیصلہ کیا اور کہنے لگا۔

”مجھے تمہیں کوکھ بتانا تھا۔“
”ہاں تو بتاؤ۔“ وہ مکمل توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔
”میری شادی کی بات چل رہی ہے ممکن ہے اسی ہفتے
میں ہو جائے۔“

”کیا..... یہ اتنی اچانک شادی کیوں اور کس سے.....
اور وہ تمہاری محبت.....“ عدنان نے تو جیسے سوالوں کی
بوچھاڑ کر دی تھی۔

”میری محبت ہی سے تو میری شادی ہو رہی ہے۔“
عدنان کی خیرانی اسے مزاد سن رہی تھی اسے خوشی ہو رہی تھی
کہ وہ اس کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
”مطلب.....؟“

”مطلب یہ کہ قسمت خود ہی مجھ پر مہربان ہو گئی ہے
علیہ کے والدین حج کی سعادت ادا کرنے جا رہے ہیں
اور وہ جانے سے پہلے علیہ کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔
جب یہ خبر مجھ تک پہنچی تو میں آپنی کے ذریعے امی ابو کو ادھر
جانے کا کہا پھر آپنی نے جب علیہ سے میرے متعلق
رائے لی تو.....“ وہ مسکرا کر چپ ہوا تھا۔

”تو پھر؟“ عدنان نے بے تابی سے سوال کیا تھا۔
”تو پھر وہ بڑی چالاک ثابت ہوئی اور میری محبت
جیت گئی۔ کہا تھا ناں وہ خود محسوس کرے گی تو وہی ہوا اس
نے میری محبت کے آگے گھٹنے بھی لگے اور خود ستا پی کے

مگر مسئلہ یہ ہوا کہ جیسے ہی ڈیڈی کو یہ خیال آیا مکی کو بھی میری
شادی کا خیال آ گیا۔ اس لیے اب ڈیڈی چاہتے ہیں میں
ان کی بیٹی سے شادی کر لوں تو مکی چاہتی ہیں میں ان کی
بھانجی سے شادی کر لوں۔ سب کی مرضی سنتے سنتے میں تو
نہیں پیچھے ہی رہ گیا کسی نے مجھ سے پوچھنا تک گوارا
نہیں کیا کیا آخر میں کیا چاہتا ہوں؟“ ڈیڈی اور مکی کے
درمیان بھانجی اور بیٹی کو لے کر سرد جنگ چھڑ گئی ہے۔

”مگر سچ تو یہ ہے میں نہ تو ان کی بیٹی سے شادی کرنا
چاہتا اور نہ ہی ان کی بھانجی سے میں ڈیڈی جیسی زندگی نہیں
گزارنا چاہتا اور ایسی زندگی تو ہرگز بھی نہیں جس میں آپ
کی بیوی ہی آپ کی تم گسار نہ ہو۔ آپ کی نصف بہتری
آپ کو نہ چھوٹتی ہو ایک ایسی بیوی جس کا آپ سے زیادہ پارلر
پارٹیز عزیز ہو۔“ مسلسل بولتا عدنان اب اپنے ہاتھوں پر سر
گرہائے بیٹھا تھا اس کی ذہنی کیفیت اس کے لفظوں سے
عیاں تھیں۔

”تم اس قدر پریشان ہونے کے بجائے ان کا فیصلہ
ماننے سے انکار کر دیتے۔“ تو صیف نے کہا۔

”ہاں میں نے ایسا بھی کیا تھا مگر وہاں کسی نے بھی
میرے انکار کو کسی منتی میں نہیں لیا اب بھی تک تو وہ خود آپس
میں الجھ رہے ہیں کہ ڈیڈی کی بیٹی ہو بنے گی یا مکی کی
بھانجی۔“ عدنان لب بپتے بپتے بس دکھائی دے رہا تھا۔
معاذ خاسا ابھی تھا تو صیف جو پہلے اس سے اپنی
خوشی شیئر کرنے کو بے چین تھا اب مڑ لگا گئے تھا۔

”کاش میرے پاس کوئی تیسرا آپشن ہوتا تو میں
ان کے سامنے لا کر رکھتا۔“ کہتے کہتے اچانک اس
کے خیالوں میں ایک چہرہ اتر آتا تھا جسے سوچ کر وہ ایک
دم چپ ہوا تھا اس کی خاموشی محسوس کر کے تو صیف نے
اس سے پوچھا۔

”کیا ہوا؟“
”کچھ نہیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔ ”میں نے تمہیں بھی
پریشان کر دیا؟“

”اوسے اگر اس طرح غیرت برتو گے تو مجھ سے

میں لیے وہ ڈیپارٹمنٹ سے باہر آیا۔ اس کا رخ لاہور کی طرف تھا جب چلتے وقت اس کی نظر اٹھی اور پھر واپس پلٹنا ہی بھول گئی قدم اپنی جگہ رک سے گئے تھے اور وہ ایک تک اسی سمت دیکھے جا رہا تھا۔

مرغ سوٹ میں اپنے مخصوص اسٹائل میں اس کا رخ نماز کے اسٹائل میں سر پر لیپے دوپٹے گلے میں اچھی طرح پھیلائے کتابوں کو کسی قیمتی متاع کی مانند سینے سے لگائے وہ بڑی نرم مسکراہٹ کے ساتھ گلابوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لب کچھ اس انداز میں نرم و اتھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ گلابوں سے ہم کلام ہو۔ محبت نے اپنے خلاف بولنے پر اس سے خوب بدلتا تھا وہ بڑی طرح چاروں شانے جیت محبت کی زمین پر پڑا تھا کل تک وہ شدید پریشان تھا کہ ڈیڈی مگی کے سامنے ان کے دیے رشتوں کا نعم البدل کہاں سے لے لے اور آج خود بخود وہ نعم البدل ملا تو زندگی ایک دم حسین ہی محسوس ہونے لگی۔

اس وقت وہ اس قدر محو تھا کہ ارد گرد کے ماحول کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ ملا تو وہ اس سے پہلے بھی تھا اس کو دیکھا بھی تھا مگر اتنی حسین تو وہ اسے کبھی نہیں لگی تھی شاید یہ محبت کا کمال تھا خود فراموشی کے عالم میں قدم بڑھا تو وہ اس کے نزدیک آیا۔ اس کے نزدیک پہنچ کر اس کے سامنے کھڑے ہونے کے باوجود بھی وہ ابھی تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

ایک دم ہی دل چاہا وہ اس سے بات کرنے کی منتا وہ اسے پکار بیٹھا تھا۔

"نازیست..." وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اسے یوں خود کو یک تک دیکھتے پکار پریشان ہو گئی۔

"عدنان صراپ ٹھیک تو ہیں؟"

"بہنہ..... ہاں..... ہاں میں ٹھیک..... ایک دم ٹھیک۔" اس کی پکار پر اس نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تھا پھر سے وہی ماحول وہی منظر نگاہ کے سامنے تھا مگر ایک دل کی دنیا بدل جانے کی وجہ سے منظر اور ماحول سب حسین لگنے لگے تھے۔

سامنے مجھ سے محبت کا اعتراف بھی کیا....." اس کے لہجے میں محبت کا نغمہ نمایاں تھا۔

"واؤ....." عدنان بڑا حیران ہوا۔

"مانتے ہو ناں محبت میں بڑی طاقت ہے۔"

تو صیف لبر واپس چکائے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے تو پتا نہیں۔" عدنان نے منہ بنایا۔

"ویسے بھی میں تم سے جیت نہیں سکتا۔" عدنان ہنس

دیا تھا۔ جب تو صیف نے پوچھا۔

"میری شادی پتا وگے ناں؟"

"شادی پر تو نہیں البتہ ویسے پر ضرور آؤں گا۔" اس

نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں ہر تقریب میں آنا ہوگا۔" تو صیف نے

اصرار کیا۔

"دیکھو خدمت کرو میں پہلے بتا چکا ہوں میں بس

ویسے پتا وگے گا۔"

"مگر کیوں؟" اس نے وجہ جاننا چاہی۔

"کیونکہ ہر تقریب میں تم بڑی ہو گے صرف ویسے

میں فرصت سے مل سکو گے اس لیے میں صرف ویسے میں

آؤں گا تاکہ تم مجھے پہنچ سکو۔"

"واہ واہ کیا لوجک بھرا جواب ہے۔" تو صیف نے تو

جیسے سر دھتا تھا۔ عدنان بے ساختہ مسکرایا تھا عدنان کی

بات کچھ حد تک درست بھی تھی وہ شادی میں بڑی ہوتا تو

دہاں کوئی دوسرا اس کو پہنچ دینے کو موجود ہوتا وہ خواہ مخواہ

ہوتا۔ یہی سوچ کر اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا اور اس کی

بات مان لی تھی۔



تو صیف اپنی شادی کی ڈیڈی طے پا جانے کے بعد

سے یوں خوشی سے چٹختی پر تھا جبکہ عدنان روز کل سزا

گرد رہا تھا۔ پچھلے دنوں غیر جاضری کی وجہ سے احمور ہے وہ

جانے والے پیچرز کو وہ اب کھل کر رہا تھا۔ آج بھی لیکچر

نوٹ کرنے کی نیت سے لاہور کی طرف جانے کا ارادہ

تھا تاکہ سکون سے بیٹھ کر اپنا کام مکمل کر سکے۔ کتا ہیں ہاتھ

کسی وقت کے اس نے اپنا سوال کر کے اسے وقت میں ڈال دیا تھا۔

"یہ کیا سوال ہے؟" پل میں اس کی پیشانی پر سٹوٹیں نمودار ہوئی تھیں۔

"آپ کو بُرا لگا تو معافی کا خواستگار ہوں۔" اس نے فوراً اس کی ناگواری محسوس کی تھی اس نے کوئی تاثر ظاہر نہ کیا تو عدنان مزید کچھ کہہ وہاں سے ہٹ گیا جبکہ زریست کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

وہ اس کا محسن تھا اور اس نے اس تک کہ ہرگز بے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا وہ نہیں جانتی تھی آج اس نے یہ سب کیوں کہا مگر اب تک اس نے بڑی محتاط زندگی بسر کی تھی اور آگے بھی احتیاط کا دامن تھا جسے چھوڑنا چاہتی تھی۔



تازہ زریست اٹھا سے نہی تو پہلے بھی نہیں لگتی تھی مگر اب تو اس کا خیال کسی ایک پل بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا تازہ زریست اس کے متعلق کیا سوچتی ہے مگر وہ اب اسے اپنی زندگی سمجھنے لگا تھا اور اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

آج تو صیف کے ولیمہ میں شرکت کے بعد اس نے چھپتے تو صیف اور شرما کی لڑائی علیحدہ کو دیکھا تو اس کے دل نے شدت سے تازہ زریست کے ساتھ کی خواہش کی تھی یہ خواہش اس قدر مزبور ثابت ہوئی کہ وہ ویسے کی تقریب سے واپس آنے کے اگلے روز ہی مصطفیٰ گیلانی (ڈیڑی) کے سامنے جا پہنچا۔

مصطفیٰ گیلانی اس سے ناراض تھے یہی وجہ تھی اس کی موجودگی محسوس کر لینے کے باوجود بھی سر اٹھائے بنا نظریں کتاب کے صفحوں پر جمائے رکھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اطلاع مل چکی تھی مگر ڈیڑی سے شدید اختلاف کے بعد جھگڑا کر کے گھر سے جا چکی تھیں یعنی کہ آپ دربار خود بخود اس کے سامنے سے گزر چکی تھی اور اب اسے بس مصطفیٰ گیلانی کا سامنا کرنا تھا مگر اس کے ہاتھ کی خبر سننے کے بعد الحاظ خود بخود اس کے ذہن میں بنائے تھے اب وہ

اور پھر باہر کے موسم تو ہمارے دل کے موسموں سے وابستہ ہوتے ہیں جب دل کا موسم حسین ہو تو ہر موسم حسین محسوس ہوتا ہے۔" اس کے ساتھ بھی یہی کچھ دور ہا تھا وہ اس کی طرف دیکھتا مسکرا رہا تھا۔

دوسری طرف اس کو یوں مسلسل مسکراتے دیکھ کر تازہ زریست کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔

"مگر مجھے تو آپ بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" اب اسے بتانا بھی تو کیا۔۔۔۔۔

تازہ زریست کو اپنے چہرے پر جی اس کی نظریں ڈسٹرب کرنے لگی تھیں جنہی برائے بات اس نے تو صیف کے متعلق استفسار کیا۔

"آج آپ کا دوست دکھائی نہیں دے رہا؟"

"آں۔۔۔۔۔ اس کی شادی ہو رہی ہے اسی لیے چھٹیوں پر ہے۔" اس کے سوال کا جواب دے کر اس نے بھی ایک سوال کر ضروری سمجھا جنہی اجازت طلب کی۔

"تازہ زریست آپ سے ایک بات پوچھوں؟" وہ بھی اس سے اتنا زیادہ ترشکال نہیں بولا تھا چہ جائیکہ یوں سوالات کی نوبت آئے گی۔

"آپ کی جانب کسی چارہ بی ہے کسی قسم کا کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

"نہیں سر! کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں بلکہ آپ کے ریفرنس کی بدولت مجھے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی مل گئی۔" اس نے جواب دیا۔

"دیر کی گز۔" وہ چند پل خاموش رہنے کے بعد پھر سے بولا۔

"اچھا ایک اور بات پوچھوں؟" لبوں پر مسکراہٹ آنکھوں میں انتظار کی کیفیت کے ساتھ وہ بڑا ہی بھلا لگ رہا تھا اب تو تازہ زریست کو شدید حیرت نے آن گھیرا۔

"آخر یہ آج عدنان سر کو ہوا کیا ہے؟" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"جی۔۔۔۔۔ ایک بار پھر اجازت دینی تھی۔"

"آپ یہ اس قدر ہر وقت کیوں کہتے رہتے ہیں؟" بنا

راگ انک اپٹائمنگ کے آسان ترین پکیٹ خریدو

AANCHALPK.COM

قلم شمارہ شائع ہو گیا ہے



قلم شمارہ

ماہنامہ عشق و محبت کی قلم شمارہ

دیکھیں

ماہنامہ عشق و محبت کی قلم شمارہ

جگہ

ماہنامہ عشق و محبت کی قلم شمارہ

AANCHALNOVEL.COM

قلم شمارہ

قلم شمارہ

قلم شمارہ

قلم شمارہ

قلم شمارہ

قلم شمارہ

قلم شمارہ

ڈیڈی کا سامنا کرتے کو ہانگل تیار تھا۔
 ”ڈیڈی اکب تک تارخ رہیں گے؟“
 جواب نہ دیا۔۔۔۔۔ ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے
 وہ پھر بولا تھا۔

”ڈیڈی کیا آپ چاہتے ہیں میری شکل میں ایک اور
 مصطفیٰ گیلانی جنم لے؟“ وارکپ تھا جیسے تیر تھا جو بر وقت
 نشانے پر لگا تھا۔ مصطفیٰ گیلانی کتاب بند کیے اس کی
 طرف متوجہ ہو گئے۔
 ”اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے؟“ وہ بھی
 سیدھا ہوا۔

”مطلب اب مراد کو جانے دینا یہ قائل کیا آپ اپنی
 اس زندگی سے خوش ہیں؟ مطمئن ہیں؟ کیا آپ کو نہیں لگتا
 میری محی کے بعد کی آپ کی زندگی صرف خسارے میں
 رہی۔“ ایک کے بعد ایک سوال اس کے سوالوں کی پٹاری
 سے باہر آ رہا تھا۔

”اس سے مطلب کیا ہے تمہارا؟“ مصطفیٰ گیلانی نے
 اپنا سوال پھر دہرایا تھا۔

”ڈیڈی! آپ کے کہنے پر میں آپ کی سچی سے
 شادی کر لیتا ہوں مگر مجھ سے کہیں زیادہ اپنی سچی کو آپ
 جانتے ہیں وہ محی سے کہیں زیادہ پارٹنر کی ذمہ داری سے پورا
 دن وہ گھر سے باہر گزارتی ہے ہر سال کی تعداد میں تو اس
 کے پورے فریضہ نہ ہیں اس سب کے باوجود بھی آپ کا لگنا
 ہے کہ میں اس لڑکی کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی
 گزار سکوں گا؟“ اپنی بات کہہ کر وہ کچھ دیر چپ رہا تھا
 تاکہ مصطفیٰ گیلانی کو اس کی بات سمجھنے کا ناممکن مل جائے اس
 سادہ وقت میں اس کی نظریں ان کے چہرے پر جمی
 تھیں مگر وہ جب ان کے تاثرات سے کچھ اخذ نہ کر سکا تو
 مزید گویا ہوا۔

”ڈیڈی میں آپ کا چٹا ہوں آپ سے زیادہ میری
 فطرت کو بد کوں سمجھ سکتا ہے؟ میں آپ کی ہی زندگی نہیں
 گزارنا چاہتا ڈیڈی! اب تک آپ سب کے ہوتے
 ہوئے بھی میں نے بالکل سچا زندگی گزارنی ہے مگر آج

شفقت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اسے گلے لگا لیا۔
 ”اب مجھے وہاں لے چلو جہاں تم شادی کرنا چاہتے
 ہو“ باپ تھے بیٹے کے گریز کو پا گئے۔ وہ ایک دم جھنجھپ
 کر مسکرایا تو خود زندگی بھی مسکرا دی کہ زندگی کے مسکراتے
 لہجوں میں سے اپنے حصے کی خوشیاں کشید کرنے کی باری
 اب اس کی تھی۔



نازیست احمد کی فائل سے اس کا مکمل ایڈریس نوٹ
 کرنے کے بعد مصطفیٰ گیلانی عدنان کے ہمراہ اس کے گھر
 پہنچ گئے۔ ان کی آمد بالکل اچانک اور غیر متوقع تھی جس
 نازیست انہیں یوں اپنے گھر دیکھ کر یوں کی طرح بوکھلا گئی وہ
 تو اس وقت اپنے اہلکاروں کے لیے چائے تیار کرنے
 جا رہی تھی جب ان دونوں سے پہلا سامنا اسی کا ہوا تھا۔
 روز کی طرح اس وقت وہ اس کا روبرو لیتے ہوئے نہیں تھی
 سادہ سے کاٹن کے غیر روزی سوٹ میں دوپٹہ اوڑھتے وہ
 سادگی کا حسین امتزاج محسوس ہو رہی تھی۔ بوکھلاہٹ میں
 پہلے تو وہ سمجھ بول ہی نہ سکی پھر خود کو سنبھالنے کے بعد وہ
 کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو بولی۔

”سرا آپ لوگ یہاں... میرے گھر...؟“
 ”کیوں کیا ہم نہیں آ سکتے؟“ مصطفیٰ گیلانی کا انداز
 شفقت بھرا تھا جبکہ عدنان نے صرف اسے دیکھنے پر اکتفا
 کیا تھا۔

”نہیں۔ میرا مطلب تھا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا
 آپ لوگ میرے گھر بھی آ سکتے ہیں۔“ مصطفیٰ گیلانی نے
 آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر پوچھنے لگے۔

”عدنان بتا رہا تھا آپ کے ساتھ آپ کی اماں بی رہتی
 ہیں کیا وہ اس وقت گھر پر موجود ہیں؟“

”جی! مگر آپ کو ان سے کیا کام آئے گا؟“ خیرت
 آنکھوں میں سوئے ہوئے جانے کی کوشش تھی۔

”ان سے بات ہوگی تو کام کی نوعیت آپ کو بھی معلوم
 ہو جائے گی۔“

”ویسے کیا ہمیں یہیں کھڑے رہنا پڑے گا؟“ انہوں

زندگی میں یوں تجاگز ارنائیں چاہتا آپ کی اپنی زندگی کی
 بہترین مثال ہمیشہ میرے سامنے رہی ہے آپ یہاں ہوں
 تب بھی آپ اس لیے ہوتے ہیں کی کو آپ کی فکر نہیں ہوتی۔
 ان کی نظر آپ سے زیادہ آپ کے بینک بیلنس پر جمی رہتی
 ہے اور اب بھی اپنی بھانگی سے میری شادی وہ مجھ سے
 محبت میں نہیں کروا رہی ہیں بلکہ وہ اس لیے اسے میرے
 ساتھ جوڑنا چاہتی ہیں تاکہ آپ کی جائیداد میں وہ بھی حصے
 دار بن جائے ایسے میں وہ میری شادی آپ کی بیٹی سے
 بھی ہونے نہیں دیں گی۔“

گرم لوہے پر چوٹ لگائی جائے تو وہ وہی شکل اختیار
 کرتا ہے جو تھم جاتے ہیں عدنان نے بھی ان کے دل پر
 بڑی گہری چوٹ لگائی تھی جس کی ان کا دل اس کی باتوں پر
 ایمان لا رہا تھا پھر وہ غلط بھی تو نہیں کہہ رہا تھا عرصہ سے
 شادی کے بعد سے اب تک وہ صرف چہرے کے مشین
 بن کر رہ گئے تھے کبھی اپنی طرف توجہ کرتے بھی تو عرصہ
 فوراً ان کی توجہ کارخ کسی دوسری طرف موڑ دیتیں۔

فرصت کے کسی لمحے میں جو بھی انہیں شریک حیات
 کے ساتھ کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی انہیں اپنے پاس نہ ملتی
 اور اب شرمین یا غافلہ میں سے کسی کی شادی عدنان سے
 کروانے کا مطلب واقعی دوسرے مصطفیٰ گیلانی کو جنم دینا
 تھا۔ عدنان ان کی پہلی اولاد تھا اب تک اس نے کبھی ان
 سے کچھ نہیں مانگا تھا مگر اب اگر وہ ان سے ایک خوشنوار
 ازدواجی زندگی گزارنے کا متمنی تھا تو وہ اسے انکار کرنا نہیں
 چاہتے تھے ویسے بھی اس کی بات اچھی طرح ان کی سمجھ میں
 آگئی تھی وہ اس سے شرمندہ تو تھے مگر ابھی ازلے کا وقت
 باقی تھا جیسی دھیمی کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

”تم تو بڑے سیانے ہو گئے ہو باپ کو سمجھانے
 لگے ہو۔“

”ایسی بات نہیں ہے ڈیڈی!“ وہ بھی مسکرایا تھا۔ ”اب
 دل کی بات کیسے کرتا؟“

کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے کھڑے ہوئے تو
 عدنان بھی کھڑا ہو گیا۔ مصطفیٰ گیلانی نے آگے بڑھ کر پردہ رات

نے مزاج میں بات کی تھی۔

سوچ بڑی پرسوز ہو رہی تھی۔

”الہی تو بڑا کارساز ہے اپنے بندوں کی شدت سے کہیں زیادہ ان کے قریب جس شخص کو تو نے میری مدد کے لیے بھیجا اسی کو میرا نصیب بنانے جا رہا ہے۔ میرا نصیب..... میں تو ایسا سوچتی تھی اور تو نے میری سوچ کو جکڑ دیا۔“ عدنان دبے پاؤں کچن میں داخل ہوا تھا۔

تاریست کی اس کی طرف سے پیٹھ تھنی دینے کے نیچے سے جھانکتی چوٹی نے بے ساختہ اس کی توجہ اپنی طرف متوجہ کر لی تھی عدنان اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

”تاریست اجازت ہو تو کچھ کہوں؟“ شوخی تو جیسے اس کے ہر لفظ میں مست آتی تھی جبکہ اس کی نظر ابھی بھی اس کی چوٹی پر تھی۔

”آپ یہاں؟“ اچانک اس کی آواز پر چلتی وہ اس سے ٹکرائی رہی تھی۔

”جی میں یہاں شادی کی باتیں ہوں میں طے ہوا نہیں وہاں مجھے اپنا کوئی کام نظر نہ آتا تو یہاں آپ کے پاس چلا آیا۔“

بڑے ہی محسوس انداز میں وہ اس سے مناسب فاصلے پر جا کھڑی ہوئی مگر اس نے بڑی شدت سے اس کی اس حرکت کو محسوس کیا تھا۔

”احتیاط کرنا اچھی بات ہے مگر اپنی سے نہیں۔“ مسکراہٹ لبوں میں دبا ہوا سر ہلاتا ہوا تھا۔

”آپ کو اس رشتے سے انکار تو نہیں ہوگا؟“ سوال کے اعداد و ہاتھ کے جواب کا منتظر تھا مگر وہ کیا کہتی۔

”جیسے خود کسی مضبوط رشتے کی اشد ضرورت تھی اور اب جب ہر شے اسے مل رہا تھا تو وہ انکار کیوں کرتی؟“ وہ بس دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیٹھ موڑ گئی۔

عدنان کو اپنے سوال کا جواب ملا تو مطمئن سا اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔

”اب جب آپ اور میں ایک مسین ہندھن میں بندھنے جا رہے ہیں تو اسی ہندھن کی بدولت میں آپ

”وہ معافی چاہتی ہوں سر! آئیں اندر آئیں۔“ وہ انہیں لیے اماں بی کے پاس آئی۔ اماں بی اس کے ساتھ انجان لوگوں کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھیں۔ مصطفیٰ گیلانی اور عدنان نے بڑے مؤدب انداز میں انہیں سلام کیا تھا جواب ملنے پر سامنے پڑے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

تاریست اماں بی کے پاس ٹک گئی۔

”معاف کیجیے گا میں نے آپ دونوں کو پہچان نہیں۔“ اماں بی نے بات کی ابتدا کی تھی۔

”جی ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔“ جواب مصطفیٰ گیلانی نے دیا پھر مزید گویا ہوئے۔ ”دراصل ہماری آمد تاریست احمد سے رشتے کے سلسلے میں ہوئی ہے۔“ اپنے آنے کی وجہ بتانے کے بعد انہوں نے تفصیل بتانا بھی ضروری سمجھا تھا۔

”میرا مطلب ہے میں اپنے بیٹے عدنان کی شادی تاریست سے کرنے کا خواہش مند ہوں۔“ اس بار تاریست کے ساتھ ساتھ اماں بی بھی حیران ہوئی تھیں۔

اماں بی نے بڑی جلدی خود کو حیرت کے جھٹکے سے باہر نکالا اور خوشی سے بھرے لہجہ میں بولیں۔

”کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“ کس قدر بے یقین لہجہ تھا ان کا مگر ان کی بے یقینی بجا تھی وہ لڑکی جس کو زندگی گزارنے کے لیے شدید جدوجہد کرنا پڑ رہی ہو جس کے رشتے ورتک اس کی غربت اور کیا بزم دلچہ کرتا چھوڑ گئے ہوں اس کے لیے رشتے کا آ جانا ہی خاصا خوش کن تھا۔

تاریست وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھی اور ہر مشرتی لڑکی کی طرح اس کی اس ادا کو شرم سے معمور کیا گیا تھا۔ عدنان نے مصطفیٰ گیلانی کی طرف جھکے سر گواہی میں پچھا تھا۔

”تو یہی اگر آپ کی اجازت ہو تو میں باہر جاؤں؟“

شوخی اس کے لفظوں سے عیاں تھی مصطفیٰ گیلانی نے مسکرا کر اقرار میں سر ہلا دیا۔

اب باقی کی باتیں اماں بی اور مصطفیٰ گیلانی کے درمیان ہونا تھیں۔ تاریست چوبیس کے قریب کھڑی کھولتے پانی کو بے دھیانی میں دیکھ جا رہی تھی اس کی

”اوتے ہوئے پھر بتا ذرا محبت کیا ہے؟“ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔
”اب تو دیوان بھی لکھ سکتا ہوں، تم بس پوچھ رہے ہو محبت کیا ہے؟“ وہ مسکرایا تھا۔



آج تازیست احمد تازیست عدنان بن کر اس کے آگن میں اتری تھی۔ اس شادی سے اگر کچھ لوگ ناخوش تھے تو مصطفیٰ گیلانی تو صیف اور اماں بی کے ساتھ وہ خود بھی بہت خوش تھا۔

پہلی نظر اس کی بیڈ کی طرف اٹھی تھی جو کہ خالی تھا۔ دروازہ بند کرنا وہ آگے بڑھتا، اب اس کی نظر نے ڈریسنگ ٹیبل تک کا سفر کیا تھا جہاں تازیست آئینے کے سامنے کھڑی اپنے لیے بال سنوار رہی تھی۔
”گویا تم حشم کی ٹیبل کی گئی تھی۔“

اس کے لب مسکرا اٹھے وہ مبہوت ہی تو رہ گیا اس کی سوچ سے کہیں زیادہ خوب صورت اور گھنے بال تھے اس کے۔ وہ بے خود سا آگے بڑھا اور اس کے قریب آ گیا۔
بے ساختہ اس کے دل نے ان بالوں کی نرم ہٹ محسوس کرنے کی خد کی تھی نتیجتاً اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے بالوں کو منہ میں بھر لیا۔ تازیست نے ذرا ہی گردن تھم کر کے اسے دیکھا اور شرما کر سر جھکا گئی۔

”آپ سے بھی زیادہ آپ کے بال خوب صورت ہیں۔“ اس کو بانہوں میں لیے اس نے پیار بھری سرگوشی کی تھی۔
تازیست نے بڑی طرح شرما کر اس کے کشادہ سینے میں پناہ لی تھی کہ اب یہی اس کی مضبوط پناہ گاہ تھی۔

خدا بہترین حکمت والا ہے وہی بہتر جانتا ہے کب کہاں کسی کو ملنا کر ان کے درمیان محبت کا وسیلہ بنا کر ان کو ایک دوسرے کا سہارا بنائے ان کی زندگی کو حسین سے حسین تر بنا دے ان کی زندگی بھی حسین ہوئی تھی ایک دوسرے کی شگفت میں وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔



سے ایک فرمائش ضرور کروں گا۔“ تازیست نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر سوالیہ نظریں اس کے چہرے کی طرف اٹھادیں۔

”آپ کے بال یقیناً بہت پیارے ہوں گے میں ان کو دیکھنے کی شدید خواہش رکھتا ہوں۔“ وہ ایک دم گھبرا گئی اس کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے عیاں ہوئی تھی اس کی اس قدر گھبراہٹ نے اس کو مڑا دیا تھا جسے لطف لیتا ہوا تھا۔
”اتنا مت گھبرا میں ابھی دیکھنے کی خواہش نہیں کروں گا۔“ بے حال ہوتی اس کی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ ایک بار پھر اس نے استغناء میں اس کی سمت دیکھا تھا۔

”شادی کی رات دلہن کے سولہ سنگھار کے ساتھ بالوں کو کھلا چھوڑ دیجئے گا۔“ اس کی آنکھیں نرم لودھنے لگی تھیں جبکہ تازیست کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں پہلے تو وہ اس کی بات سمجھ نہ سکی مگر جب بھی تو گویا گال کے ہزاروں رنگ اس کے چہرے پر اٹھ آئے تھے۔

عدنان کا قہقہہ بے ساختہ اٹھ اٹھا اس کے لیے یہ خیال ہی فرحت بخش تھا کہ تازیست کے چہرے پر شرم کی آابی صرف اور صرف اس کے لیے تھی۔ اس سے شرمناک وہ ایک دہرخ موڑ گئی تھی عدنان کچھ دیر کھڑا ہوئی مٹھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر مسکراتا ہوا کچن سے نکل گیا۔



”بڑے تیز ہو یا را میں نے شادی کی تو تم بھی فوراً بدلے پر اتر آئے۔“ تو صیف کو جیسے ہی اس کی شادی کی خبر ملی وہ فوراً اس کے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔

”نور شادی وہ بھی تازیست احمد سے..... بڑی چیز ہو تم خبر ہی نہ لیتے دی اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا۔“ اس کی شوخی عروج پر تھی۔

”کبومت معاملہ والا۔ کچھ نہیں تھا وہ تو بس کیوپڈ کا تیر اچانک ہی چلا اور سیدھا دل میں اتر گیا۔“ اس کا اعتراف بڑا خوب صورت تھا تو صیف کی آنکھیں کھل گئیں۔

”کیوپڈ کا تیر..... تیرا مطلب محبت سے ہے؟“

”ہاں۔“ اس کی ہاں میں بھی اس کا پیار چھلکا تھا۔



جب تصور مرا چپکے سے تجھے تپھو جانے
اپنی بر سانس سے مجھ کو تیری خوشبو آنے
پیار میں ہم نے کوئی فرق نہ تپھوڑا باقی
جھیل میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بلال صاحب کی نیک سیرتی عباس کے رویے میں مثبت تبدیلی کا سبب بن رہی تھی۔ فاطمہ کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہتر ہوتا جا رہا تھا جبکہ فاطمہ کے دل کی سرزمین پر خوش گمانی کے بہت سے پھول کھل اٹھتے تھے۔ لاریب سکندر کی غیر موجودگی میں نہایت اس پرستی سے اپنے اس رویے کی وجہ خود بھی جاننے میں ناکام رہتی ہے۔ دوسری طرف وقاص لاریب کو اغوا کرنے اور اپنے عتاب کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے میں تائید بھی ملنے پر لاریب وہاں سے راولپنڈی فرار اختیار کرتی ہے اور یہ حادثہ اس کا سارا غرور خاک میں ملا دیتا ہے۔ دوسری طرف وقاص کے اس مکرہ فعل کا جب اس کے والدین کو پتا چلتا ہے تو انہیں کسی طور یقین نہیں آتا ایسے میں وقاص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا خود اپنی ہی نظروں سے گر جاتا ہے۔ فرار اپنی تذلیل برواشت نہ کرتے اسیہ کو کسی طور معاف کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ نیل کے قائل کرنے پر وہ لاریب کی اصل حقیقت اس پر ظاہر کرتا ہے اسی پریشانی کے عالم میں اس کا نگر او سکندر سے ہوتا ہے وہ معذرت کرتے اس کی ڈرنگ کرانا ہے جبکہ واپسی پر سکندر کا بیگ فرار کی گاڑی میں ہی رہ جاتا ہے۔ ابراہیم احمد سمیع کے ساتھ نیل کرکھاسر کا آغاز کرتے ہیں جہاں وہ شرجیل اور دیگر بہت سے لوگ ابراہیم احمد کے ذریعے درس قرآن حاصل کرتے ہیں وہ انہیں مختصر اپنی ماں کے خائف رویے اور اپنے مسلمان ہونے کا مختصر احوال بھی بتاتا ہے اور اپنی بہن

کے لیے فکر مند رہتا ہے۔ پاکستان میں اپنی بہن کی تلاش ابراہیم کا اہم مقصد ہے۔ فرار نیل کے کہنے پر بیگ کو کھولتا ہے۔ جب ہی تمام کاغذات کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے سکندر کوئی اور نہیں آفاق چاچو کا بیٹا اور اس کا کزن ہوتا ہے۔ یہ جان کر وہ سکندر کی تلاش میں نکلتا ہے اور اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جبکہ دوسری طرف سکندر کو ان تمام حقائق کا علم ہو جانے کے بعد بھی یہ کچھ خاص خوشی نہیں ہوتی۔ فرار کا رویہ اسے مزید الجھا دیتا ہے۔ لاریب اس حادثہ کا ذکر کسی سے نہیں کرتی لیکن دل ہی دل میں یہ خوف اسے ہنگام کیے رکھتا ہے کہ اگر وقاص نے یہ سب کو بتا دیا تو وہ کہیں کی نہ رہ پائے گی ایسے میں بابا جان کے بلانے پر وہ بلا نذر وہاں جانے کی حالی پھر رہی ہے۔ فاطمہ کے والدین انداز عباس کو ایک مرتبہ پھر حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں وہ ایک بار اسے پھر شک کی نگاہ سے دیکھتا اور اس کے عزائم جاننا چاہتا ہے۔ وقاص کے غلط رویے پر بابا جان کو اپنی غلطیوں اور عباس کے ساتھ کی گئی نا انصافی کا اندازہ ہوتا ہے وہ تلاقی کی غرض سے عباس کے یہاں آتے ہیں لیکن عباس کو فاطمہ پر غصہ کرتے دیکھ کر اسے اپنی بہن کو ڈانٹنے سے روک کر اسے حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں جبکہ فاطمہ بھی گنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



بابا جان دونوں کی کیفیات سے محفوظ ہو کر مسکراتے اور بچے تلخ قدم اٹھاتے آگے بڑھتے ہیں۔

”خود سمجھا تا مگر اس طرح نہیں جیسے ابھی سمجھا رہے تھے اور یہ ہماری پوتی کو تو دکھاؤ اور ہر۔“ ان کے لہجے میں خفیف سی شرارت اور شوخی تھی۔

”ماشاء اللہ بہت پیاری ہے بالکل تم دونوں کا عکس۔“ وہ بے حد محبت سے کہتے بچی کی اجلی روشن پیشانی پر بوسہ ثبت کر رہے تھے۔ عباس کے چہرے پر اک رنگ آ کر گزر گیا۔

”عباس بیٹھو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ عباس خطرہ کی کیفیت میں ان کے مقابل ٹک گیا۔

”جو کچھ ہو چکا اسے بھلا کر واپس چلو بیٹے مجھے احترام ہے کہ میں نے تمہارے محلے میں گنجائش رکھ کر نہیں سوچا اور شدت پسندی سے فیصلہ کیا۔ اس جو علی پر، ہماری محبت پر جتنا وقار کا حق ہے اس قدر تمہارا بھی ہے۔ میں تمہیں تمہارے حق سے محروم کر کے اللہ کے ہاں مجرم نہیں بننا چاہتا۔ مجھے یقین ہے تم میری کوتاہی کو معاف کر دو گے۔“ وہ شرمسار لہجے میں گویا تھے اور عباس ساکن بیٹھا تھا۔

”ہم سب کو تمہاری ضرورت سے بیٹے، خاص کر تمہاری ماں کو۔ تمہاری جدائی نے اسے مستقل مریض بنادیا ہے اس وقت اس کی سب سے بڑی حسرت تم سے ہے۔ تمہارے بیوی بچوں سے ملنے کی ہے۔ میں محض اپنی انا کی تسکین کی خاطر تمہارے ساتھ تمہاری ماں کو بھی بہت تڑپا چکا ہوں۔“ بابا جان اپنے سینے اس کی خاموشی کو اس کی ناراضی سمجھ رہے تھے بھی فاطمہ اسامہ کو اٹھائے اندر آئی تھی۔ بابا جان نے وارنل سے پوتے کو نے نہایت محبت سے بار بار اسے چوما۔

”یہ دلی عہد ہے ہمارا، میرا شہزادہ۔“ ان کے چہرے پر روشنی ہی چھائی تھی۔

”یہ نہ سوچنا بیٹی کہ ہم نے رونمائی نہیں دی آپ کو بس آپ تیار ہو جاؤ میں ساتھ لے کر چل رہا ہوں تم لوگوں کو بھلے تم دو بچوں کی ماں بن گئی ہو مگر اپنی سانس تندوں کے لیے نئی دہکن بنی ہوئی تمہاری اماں جان سب رہیں کریں

”میں تو سمجھا تھا کہ جب میں تمہارے گھر پہنچوں گا تم اپنی کسی فلم کا گانا گاتے اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرتے نظر آؤ گے مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ تم تو بالکل بھی نہیں بدلے۔ کم از کم یہ ہی یاد رکھ لیتے کہ اس لڑکی کی خاطر تم نے ہمیں چھوڑا تھا ماشاء اللہ ہماری بیٹی ہے تو چاند کا کٹرا۔ تمہاری پسند پر فیکٹ ہے بیٹے۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا اور اپنا ہاتھ فاطمہ کے سر پر رکھ دیا۔ فاطمہ کی بوکھلاہٹ کا عالم دیکھنے والا تھا۔ اس نے شہتا کر عباس کو دیکھا۔ جو گنگ کھڑا تھا۔

”کیا تم دونوں کو میرا آنا اچھا نہیں لگا؟“ اب کے انہوں نے قدرے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

”ایسا نہیں ہے بابا جان آپ اتنا اچھا آئے ہیں کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔“ عباس کے لیے خود کو سنبھالنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

”بس میرا دل کیا تم سے ملنے کو سوچا آیا۔ تم یہ بتاؤ کیا تم ہماری بہو کو ہر وقت اسی طرح سہائے رکھتے ہو؟“ عباس جوان کی اس غیر متوقع آمد پر چکرایا ہوا تھا ان کے اس قیاس پر جتنا بھی جڑ بڑ ہوا ہو مگر اس غلط فہمی کو دور نہیں کر سکا تھا۔

”اگر بے بابا جان نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے پلیز ریٹھیں اور فاطمہ جائیں اسامہ کو بھی لا کر بابا جان سے ملوائیں۔ سواری میں جتنا بھول گیا یہ میرے بابا جان ہیں اور بابا جان دیا اور اسامہ ہمارے جڑواں بچے ہیں۔“ وہ فاطمہ سے نظریں چرائے نارنل انداز میں بات کر رہا تھا مگر فاطمہ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتی بے چینی و خطرہ اور وحشت سمیٹا گاؤ تھی۔ وہ حواس باختہ سی تیزی سے کمرے سے نکل بھاگی۔

”شہر کی بے مہار لڑکیوں میں یہی خامی ہوتی ہے بزرگوں سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں سکھاتے والدین، دیکھو پہلی بار ملی ہے مجھ سے مگر سلام بھی نہیں کیا۔“ انہوں نے عباس سے شکوہ کیا۔

”سواری بابا جان میں سمجھاؤں گا اسے آپ بیٹھیں میں چائے بنواتا ہوں۔“ وہ جیسے کسی منیست میں چھنس گیا تھا۔

گی تہااری۔" وہ بے حد محبت سے میزانداز میں کہہ رہے تھے۔
 "فاطمہ کھڑی کیوں ہیں آپ؟ جائیں بابا جان کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لائیں۔" فاطمہ بچن میں آئی تو اس کے سینے میں بھیکتے کپکپاتے ہاتھوں سے ہر شے پھسل رہی تھی۔

"ساجد چائے تم بناؤ اور شرابی ٹی وی لاونچ میں لے آنا فاطمہ آپ اندر کمرے میں آ کر میری بات سنیں۔" عباس اس پر سرسری نگاہ ڈالتا خانساہاں کو حکم دے کر پلٹ گیا۔ فاطمہ کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا۔

"آپ جائیے سیم۔" خانساہاں کے احساس دلانے پر اس کا پہلے سے بے قابو دل کچھ اور بھی اٹھل پھل ہو گیا۔

"آپ نے کیوں بلوایا ہے مجھے؟" عباس نے مضحکہ اڑاتی نظروں سے اس کا حق ہو جانے والا چہرہ دیکھا۔ "گھبرانے کی ایک ٹنگ کرنے کی ضرورت ہے بھلا اس قسم کی صورت حال کی خواہش میں ہی تو تم یہاں اپنی حیثیت و مقام بھول کر غلط فہمی ہو اتنا ہی فریفت ہو گئی تھیں، مجھ پر تم اپنا گھر اپنی فیملی اور اپنا نامہ سب تک چھوڑ دیا تم نے کس کی خاطر.....؟ میری خاطر؟ میں نے سوچا تمہاری اس خواہش کو پورا کروں۔" اک اک لفظ نہایت درشت لہجے میں کہتا وہ جیسے ہی فاطمہ کے قریب آیا فاطمہ کی رنگت لمحوں میں زرد ہو گئی۔

کسی بے درہمچوڑے کی ضرب لگی تھی۔

یہ وہ شخص تھا جسے دیوتا بنائے وہ کسی ذاتی کی طرح پوجتی آئی تھی ہر لمحہ جس پردہ خود کو نشانہ کرتی آئی تھی۔ یہ تھا اس کا اصل روپ، اتنا گھٹنا ناکہ وہ اس کی محبت کی پاکیزہ دے دار چادر کو آلودہ کرنے پر تل گیا تھا یا پھر وہ اسے اتنا لودہ کریکٹر سمجھتا تھا کہ وہ کسی کے بھی بستر کی زینت بن سکتی ہے۔ فاطمہ کو لگا اس کا دل پھٹ رہا ہو۔



"اتنے اکتائے ہوئے اور بے زار کیوں نظر آتے ہو سکندر اعظم؟" فراز نے ان کے ہمراہ چلتے ہوئے شرابی نظروں سے اٹھا لیا تھا۔

"اچھے خاھے پنڈ سم ہو یا، خود کو میں نہیں کرفا آج میں کی لڑکیاں شاٹنگ کروٹ پر سناپی پر ہی جان دیتی ہیں اتنے امیر ہونے والے ہو عنقریب تمہیں اسٹائل بھی آنے چاہیں۔" فراز نے اس سے پکایا رنگا ٹوٹ لیا تھا۔ شہر کے سنا سوروں سے مل کر سادی صورت حال واضح کر کے اس نے سکندر کو اس کا حق دلوانے کی قانونی کارروائی مکمل کرنی تھی۔

"کیا کروں یا، پنڈ و جو ٹھہرا۔"

"پنڈ وہیں تم تو مجھے درویش جتتے ہو۔" نہیں سابق غلامی ہیرو اور ڈائریکٹر ساجد عباس کو جانتے ہو یا، پر اس ہے وہ بندہ قسم سے۔ وہ بھی کسی گاؤں سے ہی تعلق رکھتا ہے مگر کیا پر سناپی ہے بس دیکھتے رہ جاؤ۔" فراز جس شد و مد کے ساتھ عباس کی تعریفوں میں مطلب افسانہ تھا سکندر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا چپ کیوں ہو گئے شاید تم نے کبھی دیکھا نہیں انہیں، میں تو بہت قریب ہوں ان کا رہ گئی۔"

"میں جانتا ہوں۔" سکندر نے کہا مگر فراز اپنی جگہ سے اٹھل پڑا۔

"دیکھنی تم سووی دیکھ چکے ہو ان کی۔" سکندر مسکرایا۔
 "تم غلط سمجھتے ہیں۔" ان کی سووی کبھی نہیں دیکھی۔
 البتہ حقیقت میں انہیں دیکھا ہے، وہ واقعی بہت پنڈ سم ہیں۔" فراز حکم سنا گیا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو سکندر؟" فراز کے لہجے و انداز میں ہنوز غیر یقینی تھی۔

"میں جس جاگیر دار فیملی کے ہاں ملازمت کرتا رہا ہوں، عباس..... میرا مطلب ہے ساحر بابا سائیں کے بھتیجے ہیں۔" اب کی مرتبہ فراز سے نگاہ اٹھتے چار نہیں کی۔ اپنی زندگی کے قریب و فراز کسی کمزور شخص کی گرفت میں آ کر وہ اس کے سامنے عیاں کر چکا تھا۔

"اوہ..... تو لاریب ان کی فیملی نہیں۔" فراز دیکھ کی پیٹ میں آ کر کھڑا رہ گیا۔ سکندر کی آنکھیں ابھرتی تھیں وہ ہنوز دوسری سمت چہرہ کیے ہوئے تھا۔ فراز نے اس کے منہ کی کوشش میں دیکھتے چہرے کو بے حد رنج کی کیفیت

میں دیکھا اور سر آدھ بھری۔
 ”یہاں کا بار بی کیو بہت مشہور ہے آؤ آج یہیں ڈنر کرتے ہیں۔“ فرراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اونچی آواز میں کہا۔ اس کا ذہن حاضر سے کٹ کر کہیں نادانستگی میں گم ہونے لگا۔

(”یہ تو سکندر مجھے ہوٹلنگ بہت پسند ہے میرا پس چلے تو دن میں ایک بار لازمی کسی ہوٹل میں کھانا کھاؤں مگر۔۔۔!“)

وہ اپنے حوروں جیسے دلکش شباب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ سکندر تو اسے نگاہ بھر کر دیکھنے سے بھی خائف رہا تھا کہ ہیں وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے چھلنے جذبوں کو نہ پالے۔

”کوہو۔۔۔ کھاتے کیوں نہیں ہو؟“ وہ خود ہر سوٹ سے انصاف کر رہی تھی۔ سکندر ٹوڑا کر رہ گیا۔

”شادی کے بعد میں تو لازماً عباس کے ساتھ دن میں ایک بار باہر کھانا کھایا کروں گی۔ حالانکہ باجوہنٹی ہیں کہ میں انہیں زیادہ تنگ نہ کیا کروں لیکن انہیں ہی تو تنگ کرنے کا مزہ آیا کرے گا۔ وہ کتنے حسین خواب چاہتی تھی جن کا پر ملا اظہار سکندر کے سامنے ہی ہوا کرتا۔ اماں! چھوٹی تھی اور ایمان بڑی۔ ایسی باتوں پر تو خاص طور پر سرزنش یا ڈانٹ سننے کو ملا کرتی جبکہ وہ ایسی عمر میں تھی جہاں صرف خواب سجا کر تسلی نہیں ہوتی۔ اس شخص کے حوالے سے کسی سے سب کچھ شیئر کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب عباس امریکا سے تعلیم حاصل کر کے واپس آیا تھا اور شہر چاہتا تھا۔ شو بزنس کو بھی جوائن کر لیا تھا اور بابا جان نے اسے حویلی سے بے دخل کر دیا تھا۔ مگر لارنس کی امیدیں اور یقین تھا ہی اتنا بچتے جو نوٹے پرا مادہ نہیں تھا۔ جب یقین تو نا تو وہ خود نوٹ گئی تھی۔ جو کچھ سامنے آیا اس نے وہ سب کچھ بھی تو ڈالا پھر سب سے زیادہ نقصان سکندر کے حصے میں کیونکر آتا۔ سب سے زیادہ قریب تو وہی ہوا تھا اس کے)

”سکندر۔۔۔!“ فرراز کے ٹوکے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ سکندر کی سرخ آنکھوں میں ماضی کے لرزے سہیوں کا تکلیف دہ تاثر تھا۔ فرراز نے بے اختیار اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ نرمی و محبت سے دبایا۔

”میرا خیال ہے ہم دونوں کو وقت ضائع کیے بغیر دوسری شادی کر لینی چاہیے تم کیا کہتے ہو؟“ فرراز کا مقصد اس کا موڈ بدلنا تھا مگر سکندر ایسے احساسات سے جلد باہر آنے کی پوزیشن نہیں تھا۔

”ڈوہا ہماری محترم ماؤں کو بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ ہم ہرگز گرے پڑے نہیں، مجھے تو ہر روز کوئی نہ کوئی لڑکی آئی لو، ول یو میری می بولتی ہے، تمہیں بولتی ہے؟“ فرراز نے بے تکی ہانکنا شروع کر دی تھی سکندر جھلا کر اٹھ گیا۔

”کیا بگو اس ہے پار اور سنو مجھے تم گھر تک لے کر چلو گے تمہارے ماؤ جی کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ وہی قاتل ہیں، میرے باپا کے۔“ فرراز نے حیران کن نظروں سے اسے دیکھا پھر نرمی سے مسکرایا۔

”کیا تم اس قاتل کا بدلہ لو گے سکندر۔۔۔؟“

”دل تو چاہتا ہے کہ پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔“ اس نے مشتعل انداز میں کہا۔

”تمہیں اپنے گھر والوں کو تو ضرور اپنی خیریت کی اطلاع دینی چاہیے پریشان ہوں گے وہ لوگ۔“ سکندر نے اس بات کو سن کر یوں ہونٹ بیچنے جیسے اندر سے اٹھتی ناگواری پر قابو پا لیا۔

”کل ہم اپنے وکیل کے ساتھ گھر چلیں گے کارروائی تو چند منٹ کی ہوگی شاید، ویسے اگر تم چاہو تو انہیں کورٹ میں بھی طلب کیا جاسکتا ہے۔“ فرراز نے اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ جانا چاہا۔

”نہیں میرا مقصد کسی کا تماشہ لگانا یا دل آزاری نہیں ہے۔“ فرراز اس کے چہرے پر عجیب سی انا چاری پا کر بے ساختہ مسکرایا تھا۔

”مجھے تمہاری شرافت پر ہرگز کوئی شبہ نہیں سکندر، لیکن کچھ فیصلے ہگاڑ کی روک تھام کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ وہ لوگ ہمدردی کے مستحق تو نہیں ہیں۔“ فرراز

کے لہجے کی کڑواہٹ نے سکندر کو عجیب نا فہم سے احسانات کا شکار کیا تھا۔

”کیا تم اپنے رشتوں سے نفرت کرتے ہو فراز؟“

”میں مجرم سے نہیں جرم سے نفرت کرتا ہوں لیکن جرم کی روک تھام کے لیے مجرم کو سزا ملنا ضروری ہے۔“ فراز کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ سکندر کو فراز علوی کا یہ روپ اور بھی پیارا لگا۔



”یہی مبارک ہو وقاص حیدر، مجھے امید ہے اب تم لازمی اپنی بے چاریوں اور بے باکیوں کو الگ کر دے گے۔“ بابا کا لہجہ سن کر تھا نہ ترش بلکہ ٹوٹا ہوا اور تنہی تھا۔

سکندر نے جس وقت انہیں وقاص کی اس مازیا حرکت کا بتایا تھا وہ گنگ ہونے لگے تھے اس صدمہ سے کہ وہاں وقاص نے جس لڑکی کو اٹھوایا تھا وہ کوئی اور نہیں لاریب تھی۔ انہیں لگا تھا زمین ان کے پیروں تلے سے کھسک گئی ہو۔ بات ایسی تھی کہ جسے زبان پر لانا دشوار تھا۔

”لو! گئی تمہاری ماں اب اسرار کرے گی تمہیں لے چلوں تمہاری بیٹی دکھانے۔“ بابا جان نے موضوع بدل دیا۔ وقاص جانتا تھا وہ بہت انا پرست ہیں۔ صرف ان کا نہیں لاریب کا اور اپنا بھی پرودہ رکھیں گے۔ یہ بدنامی صرف وقاص کی ہی تو نہیں تھی لاریب کی بھی تھی اور انہیں یہی گوارا نہیں تھا۔

”اب کسی طبیعت ہے میرے چاندنی؟ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ امامہ پوچھ رہی تھی تمہارا بھئی تو بہت ہی پیاری ہے، حویلی کے در و دیوار جاگ اٹھیں گے اس کی قافزاروں سے۔“ اماں جان بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔

”کب ڈسچارج ہو رہی ہے امامہ؟“ انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

”بڑا کسر تو آج ہی ڈسچارج کر رہے تھے مگر وقاص کو کل ڈسچارج کیا جائے گا تو میں نے منع کر دیا۔ ہماری خواہش ہے چٹا اور بونا ایک ساتھ اپنے گھر خیر سے لوٹیں۔“

”ہے تو خوشی کا موقع، کیا خیال ہے دیگر صاحب اپنے باقی بچوں کو بھی نہ بلوائیں حویلی؟“ بابا جان کے کہنے پر

اماں جان کا چہرہ ایک دم جگمگانے لگا۔

”اس سے ابھی بھلا اور کیا بات ہو سکتی ہے مگر میرا عباس۔“ خوشی پر پھر یاس و ملال کا غلبہ چھانے لگا۔ بابا جان نے مسکراہٹ دبا لی وہ انہیں سر پر عزو دینے کا سوچے بیٹھے تھے۔



”کیا مصیبت آ پڑی ہے خرم لوگوں پر ذرا ذرا سے بچے نہیں سمجھالے جاتے؟“ بچوں کی چیخ و پکار پر عباس جھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ شیماء و دونوں بچوں کو چپ کرانے کی کوشش میں ہلکان یا کراس کا غصہ نکھار بڑھا۔

”فاطمہ کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”پتا نہیں صاحب میں تو پچھون کے رونے کی آواز سن کر یہاں آئی تھی۔ بی بی صاحبہ تو کہیں بھی نہیں تھیں۔“ شیماء کے خواب پر عباس کے ماتھے پر ناگواری سمٹ آئی۔

”دیکھو! یہ،“ ٹھیک کہیں ہوئی بلا کر لاؤ۔“ اس پر جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”کسی نے اسے کس جگہ جاتے ہوئے دیکھا؟“ عباس کی کیفیت عجیب تر ہونے لگی۔

”صاحبہ! آج میں کہہ رہا ہے کہ اس نے آج صبح فاطمہ بی بی کو باہر جاتے دیکھا تھا۔“ احسان بابا کچھ دیر میں نئی اطلاع کے ساتھ چلتے۔

”ٹھیک ہے تم لوگ جا کر اپنا اپنا کام کر۔ شیماء بچوں کا خیال رکھنا، وہ ٹیلیٹ میں کہتا گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ سارے راستے اس کا دماغ کھوٹا رہا تھا۔

”فاطمہ صاحبہ ہیں گھر پر؟“ اس نے گاڑی پارکنگ میں روکی تھی اور اگلے چند منٹ بعد وہ اس کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ کال بیل کے جواب میں دروازہ اوپر عمر خاتون نے کھولا۔ وہ اس سے قبل بھی ایک دو مرتبہ اسے فاطمہ کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

”جی..... جی..... مگر ان کی طبیعت.....! ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ عباس اسے پیچھے کرنا اندر صس آیا تھا۔ ملازمہ کو کھلا کر اس کے پیچھے آئی۔

کر لئے اس کے تن بدن میں تشکر اور نیازِ عندی کا ایسا احساس ابھرا کہ وہ زمان و مکان فراموش کر کے وہیں بچہ سے میں گر گئی۔ غیر یقینی و استعجاب کا مرحلہ بننا تو اسے اپنی خوش نصیبی پر پیارا آنے لگا۔ وہ چٹکی سرشار بھی اس بندھن کے بندھنے پر عباس اس قدر مضطرب اور بے گل تھا۔

وہ اندر آ یا تو قاطعہ کے چہرے پر ایسی چمک اور تابانی اتری تھی جو اسے نظر لگ جانے کی حد تک پیارا اور دلکش روپ دینے لگی۔

”یہ محض ایک کاغذی رشتہ ہے۔ جو وقت کی نزاکت کے پیش نظر مجبوراً بندھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کاغذوں پر طے ہونے والے سوزوں کا اعلیٰ دل دروج سے نہیں بندھا کرتا۔ عریضہ کے بعد کسی دوسری عودت کی گنجائش میری زندگی میں نہیں نکل سکتی۔ مجھ سے کبھی بھی کوئی توقع امید باندھنے کی کوشش نہ کرے۔“ قاطعہ کو بھی اس سے بہت زیادہ توقعات نہیں تھیں، اس کے باوجود عباس کا دکھا انداز اس کے مسرت بھرے دل کو لکھوں میں پارہ پارہ کر کے رکھ گیا۔

قارئین کیلئے خوشخبری

آپ کا ہر دلعزیز ماہنامہ

آپ کی

اگست سے 320 صفحات پر مشتمل ہوگا

جس میں آئینہ مشق قدم برواں

کی تحریریں شامل ہوں گی

قیمت 60 روپے

آنجل

18

جولائی 2014

”صاحب میری بات.....!“

”آپ کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے میں ان سے ضروری بات کرنے آیا ہوں۔“ عباس خاتون کی لٹھی کرانے کے بعد کچھ سنے بغیر قاطعہ کے کمرے میں چلا آیا۔

”ایسے چوروں کی طرح بھاگ کر آنے کا مقصد؟“

عباس کا لہجہ سرد تھا۔

”آ..... آپ..... مجھے غلط سمجھ رہے ہیں م..... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے جان سے مار ڈالیں مگر مجھے ہری لڑکی نہ سمجھیں۔ مجھے چھوڑ دیں..... اللہ کے لیے میرا یقین کریں..... میں ہرگز ویسا کچھ نہیں کر سکتی جو آپ سمجھتے ہیں م..... میں مر جاؤں گی مگر.....!“ اس کے لہجے میں خوف تھا۔

”تم بھی غلط سمجھی ہو، میں ہرگز ویسا نہیں چاہتا جو تم سمجھی ہو۔“ عباس نے اسے اس کا بازو جھٹکتے ہوئے کہا۔

”اگر تم رہنا دھونا بند کر دو مجھے کچھ اہم بات کرنی ہے تم سے۔“ عباس کی ڈانٹ پر قاطعہ نے سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی ناکام کوشش کی۔

”جس وقت بابا جان آئے اس وقت کے خائے میں انہیں جو منظر نظر آیا وہ اسے ذہنی طور پر قبول کر کے اسی کے مطابق بی ہو کر رہے ہیں۔ میں چاہنے کے باوجود ان کی غلط فہمی دور نہیں کر سکا۔ بات صرف سواری کر لینے سے ختم ہونے والی نہیں رہی۔ میں بہت کراٹھیکل پتویشن میں پھنس چکا ہوں مجھے آپ ستنو ایک فیور چاہیے۔ آپ میرے ساتھ سپر میرج کر لیں، کچھ نکل میں بابا جان کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ میری بیوی نہیں ہیں.....“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر قاطعہ کی غیر یقینی میں مبتلا ہوتی سمجھتا ہوں اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔ اس نے جو کہا تھا وہ اتنا خوش فہم تھا کہ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

بلا خراس پر خدا نے مہربانی کر دی تھی۔ وہ یکدم خود کو کنبکشاؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگی۔ اس کے بعد کا مرحلہ اک خواب کی کیفیت میں طے ہوا تھا۔ نکاح نامے پر سائن

تو آؤ۔ میں مڑاؤں تو نہ مانو۔ اپنے گناہگار کو تلافی کا ایک موقع تو تمہیں دینا چاہیے۔" آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے گریبان میں گم ہونے لگے۔

"زارون کو تمہاری ضرورت ہے میری ساری دنانیاں تمہارے نام ہو چکی ہیں میں ہر لمحہ اللہ سے تمہاری زندگی اور صحت مانگتا ہوں پتا نہیں کب قبول ہوگی یہ دعا۔ وہ پھر بہت دنوں بعد اسی پہچان کا شکار ہوا تھا۔

"رٹھیکس شرجیل، فیکٹ ایزی۔" دروازے پر کھڑے ابراہیم احمد نے اس کی حالت خراب ہوتی محسوس کی تو تیزی سے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور کمرے سے باہر لے آیا۔

"ان خود کو سنبھالو شرجیل احمد اللہ ہم سے زیادہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔"

"میں ٹوٹ رہا ہوں ابراہیم احمد اب مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتا۔" شرجیل نے ہاتھ سے گالوں پر پھسکتی نمی پونچھتے ہوئے کہا۔

"اللہ بھی بھی ہمت سے بڑھ کر نہیں آزماتا کبھی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ذرا سوچو ان کی خواہواستہ موت بھی واقع ہو سکتی تھی مگر اللہ نے تمہارے لیے امید کا ایک دیا جلتا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے ایمان اور یقین کو مضبوط رکھو شرجیل احمد۔" ابراہیم احمد بہت نرمی و محبت کے ساتھ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔

"مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے ابراہیم احمد اگر وہ بھی مجھے چھوڑ گئی تو.....؟"

"ایسا کیوں سوچتے ہو اللہ پر بھروسہ رکھو ان شاء اللہ بھائی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"زارون اتنا بڑا ہو گیا ہے ابراہیم احمد مگر وہ اپنی ماں کی صورت اور لمس سے بھی نا آشنا ہے۔" شرجیل کے لمحہ بھر کو رک جانے والے آنسو پھر سے رواں ہوئے اسے رہ رہ کر اپنی زیادتیاں یاد آ رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ نے چاہا تو محمد زارون کو ماں کی محبت و شفقت بھی ضرور ملے گی۔" ابراہیم نے مسکرا

"اور ہاں، یہ ذیل ہمارے بیچ ہوئی ہے اسے کسی دوسرے فریق تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ کہ تمہارا اقیام بچوں کے کمرے میں ہی رہے گا۔ اس بندھن کے بندھنے کی اصل وجہ میرے بچے ہی ہیں یا پھر بابا جان کی غلط فہمی، بہتر ہے کہ تم ان باتوں کو کبھی فراموش نہ کرو۔" وہ پوری طرح اس کی اوقات اس پر واضح کر چکا تھا۔

وہ سارا دن عجیب گزرا تھا۔ تمام ملازم اس کی بدل جانے والی حیثیت سے آگاہ ہوئے تو اپنے اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کرنے کے بعد مبارکباد دی گئی۔

"صاحب کا فیصلہ بروقت اور بالکل درست ہے مجھے بے حد خوشی ہے غلط نہ بنے۔" احسان بابا کی شفقت و محبت پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"بہتر ہوتا کہ صاحب چھوٹا مونا دلیر بھی کر لیتے مگر انہیں اپنے والد محترم پر یہ غلط فہمی کرنا کہ یہ نکاح ابھی ہوا ہے۔ شاید وہ کسی پر بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتے۔ خیر ہم اپنے طور پر آج اس خوشی کو منائیں گے۔" وہ مسکرا کر اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر رہے تھے۔



پھڑپھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کر سکے اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کر سکے تقسیم ہو کر رہ گئے خود گرجیوں میں ہم نام وفا کا قرض ادا بھی نہ کر سکے مازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ ٹوٹے ہاتھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کر سکے ہم منتظر رہے کہ کوئی مشق ستم ہو تم مصلحت شناس چٹا بھی نہ کر سکے ایمان کو مسلسل شکن شرجیل کی آنکھوں میں غبار اترنے لگا۔ بھینچے ہوئے ہونٹ شدت جذبات سے لرز رہے۔

"کب ختم کرو گی یہ ہمارا قصی ایچی؟ ماں لیا کہ محرم ہوں تمہارا تمہارا انتظار کرنی آنکھوں میں صحراؤں کی ریت اڑنے لگی ہے تم تو بھی ایسی کھوڑ نہ کیس کہ میں بلاؤں

کر اس کا کانہ چارامید انداز میں پھینچا۔

”تم نے اپنی تیاری مکمل تو کر لی ہے؟ عباس بیٹے؟“

بابا جان اس سے فون پر مخاطب تھے۔

”ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس میں پہنچ رہا ہوں۔ پھر اسٹھ گھنٹہ کے لیے نکلتے ہیں ٹھیک ہے؟“ عباس کا پہلے سے بوجھل دل ان کے اس الٹی میٹم پر مزید بوجھ سمیٹ لایا تھا۔ عریضہ کی اس کے گھر والوں سے شے کی خواہش حسرتیں ڈھل گئی تھی یہ سوچ کر وہ حواس باختہ ہوتا تھا۔ اسی لمحے فاطمہ وہاں چلی آئی تھی۔ دو آئی تو اپنی تیاری کا بتانے لگی مگر عباس کے چہرے پر جو وحشت چھلکاتے تاثرات تھے وہ کچھ کر وہ سب کچھ بھولنے لگی۔

”عباس...!“ وہ چیختی ہوئی ہر اسماں ہول، خود کو اذیت دیتے عباس کی جانب لپکتی۔ عباس نے انہی وحشتوں کی فراوانی میں اسے چونک کر دیکھا تھا۔ اسے اس رات اپنے اوپر جھکی پریشان فاطمہ یاد آئی۔ اس ایک لڑکی کی ہی وجہ سے ہمیشہ اس کے نقصان ہوئے تھے۔ اس کے اندر وحشت تو کبھی ہی جنوں اور نفرت کا طوفان اٹھاتا وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور بنا سوچے کچھ اسے اپنے ہاتھ کا زمانے دار پھینک دے مارا۔ فاطمہ کھینچنے بغیر صوفے پر جا گرئی۔ عباس کا قہر پھر بھی نہیں تھا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس تک آ۔

”میں نے کہا بھی تھا کہ اپنی اوقات مت بھولنا۔ اپنی حدود یاد رکھنا۔ میری ذات میں انوالو ہونے کی جرأت نہ کرنا۔“ وہ دہشت سے اسے دیکھتی۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے بہتر ہوگا مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ۔“ فاطمہ کو اپنا ریزہ ریزہ وجود سمیٹ کر اٹھنا پڑا۔ طے پایا تھا کہ وہ کچھ بھی کر لے اس شخص کو جیتنے سے قاصر تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر بھی وہ کتنی دیر تک روئی رہی۔ معاً اس کی ہچکیاں ٹھم گئیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”میں نہیں روؤں گی عباس حیدر۔ کہیں یہ آنسو میری محبت کی تدلیں نہ ثابت ہوں مجھے نہیں بھولنا چاہیے آپ سے محبت کی خواہش رکھنا میری اوقات

جب اسے بابا سائیں نے پیغام بھیج کر بلوایا تھا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے پاس کبھی ان کی تیار داری کا بہانہ تھا مگر جب وہ تندرست ہو گئے تو لاریب کے پاس رکنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں رہا۔ اسے دھڑکا سا لگا رہتا بابا سائیں اس سے وابستگی یا پھر سکندر کے متعلق کوئی سوال نہ کر لیں۔ سکندر کی اس طویل غیر حاضری کے حوالے سے بابا سائیں کے پاس کیا جواز ہے لاریب یہ بھی نہیں جانتی تھی مگر یہ طے تھا کہ اسے پلیٹ کرواں نہیں جاتا تھا۔ اب وہ کسی قیمت پر وقاص پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔

”لاریب... لاریب بیٹے۔“ بابا سائیں اسے پکارتے ہوئے آ رہے تھے۔

”جی بابا جان۔“ اس کا لہجہ بوجھل مگر چہرے پر زبردستی کی مسکان تھی۔

”تمہارے بابا سائیں کا فون آیا ہے بیٹے، امامہ شہر کے اسپتال میں ہے بیٹی کی نعمت سے نوازا ہے اللہ پاک نے اسے ہمیں چننا ہوگا آپ ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ بابا سائیں اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے پلیٹ گئے۔ لاریب البتہ اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی تھی۔ عجیب صورت حال تھی۔ ایک جانب بہن کی خوشی تھی دوسری جانب عزت کے ورپے ہونے والا شخص کا سامنا اس کے قدموں میں نہ بھجریں ڈال رہا تھا۔

”بی بی جی بڑے سائیں آپ کو بلا رہے ہیں۔“ کچھ دیر میں ہی ملازمہ پھر ان کا پیغام لیے چلی آئی لاریب کو اٹھنا پڑا تھا۔ بعض معاملات میں انسان ناگواری کے باوجود مجبوریاں نبھانے کو خود کو مارنا رہتا ہے۔ لاریب کو بھی اس وقت ایسا ہی معاملہ پیش تھا۔

”ٹھیک ہے تم چلو میں آتی ہوں۔“ لاریب کو تیاری میں دس منٹ لگے تھے۔ آج ان نے دوپٹے کی بجائے چادر کا انتخاب کیا تھا۔ اس چادر میں اس کا نازک سراپا تقریباً چھپ گیا تھا۔

سے بہت بڑھ کر ہے۔" آنسو سختی سے پونچھتے ہوئے اس نے خود کو یاد کر لیا تھا۔

ملازمہ عباس کا پیغام لے کر آئی تو قاطعہ مارل انداز میں اٹھی جیسے کچھ دیر قبل اس کے احساسات مجروح ہوئے ہی نہ ہوں۔ عباس حیدر چونکہ اس کی دیوانگی سے آگاہ تھا نہ پاگل پن سے۔ تبھی کچھ جڑ بڑ کچھ خائف سا کچھ دیر بعد خود وہاں چلا آیا تھا۔ وہ اسے رو رو پا کر گھبرائی۔

"میں اور بچے تیار ہیں بس آ رہی تھی۔" اس کا لہجہ مارل تھا۔

"تم شادی کے بعد پہلی بار اپنے سسرال جا رہی ہو تیاری کرتے وقت اس بات کا خیال نہیں آیا تمہیں۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ سرد تھا۔ قاطعہ نے اس کی ساحر نظروں کو اپنے گال پر پیچڑ کے سرخ نشان پر ٹھہرتے دیکھا اور جسے لمحے کے ہزاروں حصے میں اس کی آنکھوں اور فکری کی وجہ سمجھ گئی۔

"آئی ایم سوری، مگر میرے پاس میک اپ کا سامان نہیں تھا۔" اس نے بھر مانہ انداز میں کہا۔

"ہاں، تم ان مصنوعی سہاروں کے بغیر بھی اپنے مقاصد بڑی سہولت سے حاصل کر سکتی ہو۔" عباس کے اعصاب پوری طرح اضطراب کا شکار تھے۔

"میرے بندہ دم میں جاؤ، عریشہ کی چیزیں تمہاری ضرورت پوری کر دیں گی۔" قاطعہ کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا مگر اسے حکم سے انحراف کی تاب نہیں تھی۔



سکندر نے آخری کش لے کر سگریٹ پھینکا اور والٹ سے لاریب کی تصویر دکاں کرنگاہ کے سامنے کر لی۔ کاش تم اپنی صورت کی طرح دل بھی پیندار کھتیں۔ اس نے ہونٹ پیچھے ہونے لائے ان کیا۔ اگلے لمحے ماحول میں ایک حیران کن منظر ابھرا، سگر کا شعلہ تصویر کا گونا گون اٹھل رہا تھا۔

ہر لمحہ بڑھتے شعلہ کی آگ تصویر کو مکمل طور پر نگل کر سیاہ راکھ میں تبدیل کر گئی۔ دروازے پر دستک کی آواز نے سکندر کو چونکا دیا۔ اس نے لائٹ بند کر کے بستر پر پھینکا تھا۔ اندر داخل ہوتے فراز نے اس کا دھماکا ہوتا چہرہ دیکھا۔

"خیریت ہے نا؟" فراز کے لہجے میں تشویش تھی۔
"تم ابھی تک سوئے نہیں؟" فراز سے سوال کرتے وہ اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ سے دانستہ دھیان ہٹا چکا تھا۔ فراز کی گہری جائزہ لیتی نظروں بالنگ امتحان تھیں۔
"میں تو سوتا ہی دیر سے ہوں تم کیوں جاگ رہے ہو؟" فراز کے مسکراتے اور کیے گئے سوال پر سکندر نے زیادہ توجہ نہیں دی۔

"کہیں ہماری بھالی صاحبہ کی کمی تو محسوس نہیں ہو رہی آپ کو؟" اس کا لہجہ شرارتی ہونے لگا۔

"دیکھو فراز اگر تم ایسی ہی فضول کی باتیں آتے ہو تو جا سکتے ہو۔" فراز کا حیرت و غیر یقینی سے منہ کھلا رہ گیا۔ پھر جو ہنسنا شروع کیا تو ٹوٹ پھوٹ ہونے لگا۔

"کیا میں تمہیں شکل سے پاگل نظر آتا ہوں فراز؟" وہ درشت انداز میں ٹوک کر بولا۔

"سکندر! عظمیٰ تم ہو، اتنی جلدی بدل گئے یا پھر تمہاری اصل ہی تھی میں مستقبل کے آئینے میں جھانک رہا ہوں۔ مجھے لاریب بھالی پر رحم آ رہا ہے۔" سکندر نے اسے انگھوڑے پر اکتفا کیا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں فراز۔ پلیز لی سیر لیں۔"

"میں بھی کہاں ہوں مذاق کے موڈ میں، یاد آج پہلا دن ہے تمہیں لینڈ لارڈ ہوئے۔ تم نے اتنی جلدی لگا دیں پھیر لیں۔ کل کا اگر تم مجھے ملو تو کہو گے کون فراز، میں تو کسی فراز.....!"

"فراز.....!" وہ چیخا۔ فراز نے سمجھنے اور ڈرنے کی شاندار اداکاری کی تھی۔

"تم چپ ہو گے یا نہیں؟" وہ پھر چیخا۔ فراز نے سعادت مندی کی انتہا کی۔

"کیوں نہیں جناب، نوکر کی تہنہ کی۔" وہ ہنسنا یا۔
"تم نہیں سدھ سکتے۔ بولو کیوں آئے ہو اس وقت؟ اب یہ نہ کہہ دینا بیوی سے بچنے کو مجھے تو بہت معصوم اور پیاری لگی ہے لاریب۔ بلکہ سچ پوچھو تو میں

کے اپنی امت کو بھی اسی غنودہ رگزر کو اختیار کرنے کا سبق دیا تھا۔ سکندر نے یہ کام خالصتاً رخسائے الہی کے لیے کیا تھا۔ جبھی وہ اس کا احسان کسی پر نہیں جلاتا تھا۔ فراز بے قرار ہونے لگا۔

”یہ لوگ بہت کم ظرف ہیں سکندر تمہیں اور کچھ نہیں تو انہیں کم از کم اس گھر سے ضرور بے دخل کر دینا چاہیے، یہ تمہاری سوچ اور توقع سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔“

”اس اوکے فراز تم پریشان نہیں ہو، کچھ نہیں ہوگا۔“

”کیوں نہیں ہوگا سکندر، یہ لوگ آفاق چو کے ساتھ بہت غلط کر چکے۔“ وہ چیخا اور سکندر نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھپتھا دیا تھا۔

”ان کی عمر اتنی ہی تھی۔“ اس کا ضبط کمال درجے کا تھا فراز کا منہ کھل رہا گیا۔

”یعنی تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہیں قتل کیا گیا؟“ فراز کے چیخنے پر سکندر کی رنگت میں سرخیاں کھل گئی تھیں۔

”یہ ان کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے

فراز کہ میں ان لوگوں کو اس عمر میں بے ٹھکانہ کروں، اپنے بھائی کی چاندی اور برنس پر ان کا بھی حق ہے۔ میں انہیں اس سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔“ فراز اسے یوں دیکھتا رہا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

”یعنی تم انہیں برنس سے بھی الگ نہیں کر رہے؟“

”ہاں، میں ایسا بارادہ نہیں رکھتا۔ فراز وہ لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں انہوں نے ایک عمر اس برنس کو سنوارا اور اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کی ہیں اور کچھ نہ سہی تو یہ حق تو ہے ان کا۔“ اس کے رسائیت آمیز انداز پر فراز کو بے تحاشا ناؤ آیا تھا۔

”تم بے وقوف ہو سکندر، شاید تمہیں اس سب کی اس لیے پروا نہیں ہے کہ تمہیں یہ سب بھامنت اور مشقت کے حاصل ہو گیا ہے۔“ فراز کے غصیلے انداز کے باوجود سکندر ہنس پڑا تھا۔

”اس آخری بات سے میں اتفاق ضرور کروں گا۔ لیکن

تمہارے متعلق مشکوک ہو چکا ہوں کچھ کہو انہوں نے وہ سب کچھ تمہیں واقعی کہا تھا یا انرا م لگا رہے ہو؟“ سکندر کے سوال پر فراز پہلے سشدر ہوا پھر طیش میں اس پر گھونسا ہان کر کھڑا ہو گیا۔

”اگر تم عمر میں مجھ سے کچھ سال بڑے اور اس ساری جائیداد کے اٹکوتے وارث نہ ہوتے اور میں تمہارے ہی گھر میں کھڑا نہ ہوتا تو لگتا نہ کرتا۔ یار کچھ تو شرم کرو۔۔۔۔۔ تم میرے دوست ہو کر اس کی سائیڈ۔۔۔۔۔ بس کیا کہوں تم سے شکوہ کروں بھی تو کیسے کہ جن پر کچھ تھا وہی چتے ہو ادینے گئے۔“ وہ فطعی غیر سنجیدہ تھا اور جذباتیت کی بے مثال اداکاری کرنے میں مصروف تھا۔

”سبہ فکر ہو، یہ بدلہ میں لوں گا تو ضرور تم سے گھر اس وقت جب لاریب بھائی سے ملوں گا دیکھنا کیسے ان کے ساتھ مل کر تمہاری غیبتیں کرتا ہوں۔ تم نے ابھی میرے جو ہر نہیں دیکھے اور سنو۔۔۔۔۔ یہ تم سگریٹ کچھ زیادہ نہیں چیتے لگے؟“ وہ اسے گھور رہا تھا سکندر اس آخری بات میں اپنے لیے محبت و اپنائیت کا رنگ چھلکتا محسوس کر کے مسکرا دیا۔

فراز اور وہ اس عرصہ میں بہت میزبانی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ ان کے بیچ بے تکلفی کی دیوار تو گری ہی تھی کوئی بات بھی ایسی نہیں رہی تھی جس پر پردہ ہو۔ فراز سکندر کے دل میں اتر گیا تھا۔

جس طرح بغیر کسی لالچ و فرخش کے اس نے سکندر کے لیے دلتا کچھ کیا تھا وہ بلاشبہ قابل ستائش تھا۔ سکندر کو علوی باؤس میں لانے والا وہی تھا۔ سکندر کو اس کے اخلاص پر دل برابر بھی شبہ نہیں رہا تھا۔ سکندر کو یا تھا وہ دن جب وہ پہلی بار علوی باؤس میں اسے لایا تھا اور اس کے اصل حوالے سے متعارف کرانے کے بعد اپنے رشتوں سے اس کے حق کی خاطر لڑا تھا۔ وہ وقت بھی بہت نازک تھا سکندر کے لیے جب اس نے اپنے والدین کے قاتلوں کو سامنے پایا تھا مگر خود پر ضبط کیے رہا وہ اتنا اعلیٰ ظرف بھی نہیں تھا مگر اسے ہی کریم کی حیات طیبہ کے لاتعداد واقعات از بر تھے جب آپ نے بدلے لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کر

سیلری اپنی مرضی سے لوں گا، صرف یہی نہیں تعلق مضبوط کرنا ہے تو اپنے بچوں کے میرے بچوں سے رشتے طے کروا بھی سے، بلو شرط منظور ہے؟" وہ کھٹکھٹا کر کہہ رہا تھا۔ سکندر جھٹکا کھا کر اس سے الگ ہوا اور سے گھبرا۔

"اچھا پارلنٹ بھگوان باتوں پر مجھ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ سکندر کو اس پر توجہ دینی پڑی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے سکندر جس طرح تاؤ جی نے پہلے تمہاری یہاں آمد پر اتنا دوا دیا کیا اور تمہیں آفاق چاچو کی اولاد تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا تمام شواہد کو رد کرتے ہوئے اس کے بعد کھدم سے فنی خوشی اس بات کو اتنی فراخ دلی سے قبول کر لینا کچھ مضطرب نہیں ہوا مجھے۔"

"ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔" سکندر کا ساہو سا جواب فراز کی تسلی نہیں کر سکا۔

"میں پھر اپنی بات دہراؤں گا سکندر کہ تم ابھی انہیں نہیں جانتے ہو، وہ کسی بھی صورت اپنے گھانے کا سودا نہیں کرتے۔ تمہیں بتا چکا ہوں نا کہ انہوں نے شرجی بھائی کی سسر کو کن حالوں تک پہنچایا۔ یہ لوگ ابھی نہیں بدلے اور بدلیں جگہ بھی نہیں۔" فراز سکندر کو شرجی کے متعلق بھی مختصراً بتا چکا تھا۔ سکندر کے ذہن میں دور تک ایمان نہیں لگی جیسی وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔ دوسری اہم بات یہ کہ اسے ایمان کے شوہر کا نام پتا نہیں تھا۔

"تمہیں ہر بات کو نیکو انداز میں نہیں سوچنا چاہیے فراز۔" فراز نے ہونٹ پیچھے لیے۔

"تاؤ جی کی یہ مصلحت کوئی جاننے کیوں مجھے خطرناک محسوس ہو رہی ہے۔ میں پھر کہوں گا تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ پلیز میری اس بات کو سہیٹو لو سکندر۔ میں کسی مزید نقصان کا تحمل نہیں ہو سکتا۔" فراز کے لہجے میں وحشت سی اتر آئی تھی۔

"تم مجھے تھوڑے دیر لگتے ہو فراز، لیکن بے فکر رہو، میں تمہاری بات پر سوچوں گا ضرور۔" فراز نے اس کی آدائی محسوس کر کے ہی سکھ کا سانس بھر لیا تھا۔

بے فکر رہو۔ اب اس کا رویہ بار کو میں خود سنبھالوں گا اس کا سارا چارج میں اپنے کنٹرول میں لے رہا ہوں۔ تاؤ جی اور چاچو یہاں کام ضرور کریں گے مگر اس پرنس کی ہر ذیل میری مرضی سے طے پائے گی۔"

"دراصل میں نہیں چاہتا کہ تم نے مجھ پر جوائی محنت کی ہے اسے کاروت کردوں۔ آخر تمہیں بتانا بھی تو ہے کہ تمہارا شائلر کتنا قابل ہے۔" لیکن یاد رہے کہ اس فرم کے مینیجنگ ڈائریکٹر تم ہو۔ خبردار چھٹی کرنے کا کسی سوچنا بھی مت ڈیل تنخواہ کاٹوں گا۔" اور فراز نے جواب میں آنکھیں دکھانا شروع کر دی تھیں۔

"میں تمہاری فرم میں ملازم نہیں ہوں گا سکندر۔" کچھ دیر بعد جب فراز نے سنجیدگی سے بات کی تو سکندر کو جھٹکا لگا تھا۔

"میرا شہر میری فیملی کے دیگر دھرم کے باز لا پٹی مردوں میں نہیں ہوتا۔ شرجی بھائی میں اور فیملی الحمد للہ تاؤ جی سے سسر مختلف ہیں۔ جس روز شرجی بھائی کو اس ساری حقیقت کا پتا چلا تھا انہوں نے اسی روز سے آفس چانا ترک کر دیا تھا۔" اپنے پندار کی حفاظت کرتا فراز، سکندر کو بہت پیارا لگا تھا۔

"لیکن تم میری فرم میں میرے ساتھ کام کیوں نہیں کرنا چاہتے؟" سکندر کو جس بات پر سب سے زیادہ اختلاف تھا اس نے وہی سامنے رکھی۔

"میں میں نہیں چاہتا کہ ہمارا تعلق کسی وجہ سے خراب ہو۔" وہ منور سنجیدہ تھا۔

"کوئی تعلق خراب نہیں ہوگا بلکہ یہ تعلق مضبوط ہوگا ان شاء اللہ تم دیکھنا اور سنو تم وہاں میرے ماتحت نہیں ہوں گے۔ فراز تم محسن ہو میرے اور ہمیشہ میرے لیے نصوصی اہمیت کے حامل رہو گے۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا جیسی اٹھ کر اس کے گلے لٹک گیا۔ فراز کو ہی اپنی جوان بدلتی پڑی۔

"تم تو سنجیدہ ہو گئے یاد میں مذاق کر رہا تھا مطلب یہ تھا کہ کہیں میری فیملی کے لاپٹی اور خود غرضی کے جراثیم مجھ کو بھی تلگ جائیں۔ خیر اگر تمہارا یہ صبر رہے تو پھر سن لو میں



”چاہے نہیں کہاں چلا گیا، یہیں تو رکھا تھا۔“ اس نے جھنجھلا کر کہتے ہوئے زور سے دروازہ کھینچ کر اگلے نیچے یکدم ساکن ہو کر رہ گئی۔ دروازہ میں موجود ٹوٹے ہوئے ٹوٹو فریم کے شیشے سے جھانکتی اپنی اور سکندر کی مشترکہ تصویر یادوں پر گری گرو کو صاف کرنے لگی۔ کچھ دیر یوں ہی آنسوؤں سے لبریز نظروں سے تصویر کو تکتے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر احتیاط سے اسے باہر نکالا۔

سکندر کی مستکرائی آنکھوں میں کیسا تازگی بھرا تھا تھا یوں جیسے پوری دنیا فتح کر لی ہو۔ جبکہ وہ اس کے پہلو میں اس سے بالکل متضاد کیفیات کا شکار لگتی تھی۔ تمام تر آرائش و زیبائش کے باوجود جڑی ہوئی اور پرسوز۔ اسے نہیں معلوم تھا شادی کے دن یہ تصویر کس نے اور کس وقت کھینچی تھی اس کی آنکھوں سے پھلتے آنسو بے تابی سے پھر کر ٹوٹے ہوئے شیشے پر گرے اور نظروں ذہن کے ساتھ شیشے کو بھی دھندلا گئے۔ وقت پلٹ کر جیسے انہی لمحوں پر گرفت مضبوط کر چکا تھا۔

”یہ..... یہ کیوں لگائی تم نے یہاں؟“ وہ غرائی تھی۔ یہاں کی شادی کا دوسرا یا تیسرا دن تھا جب شام کو وہ کمرے داخل ہوئی اور دیوار پر خوب صورت فریم میں آویزاں اپنی اور سکندر کی تصویر دیکھ کر گویا آگ لگ گئی تھی۔ اس کی دھماڑ پر سکندر اچھا خاصا جزیرہ ہو گیا مگر اس کی طرح اپنے جذبات بے قابو نہیں ہونے دیے۔

”آئی ایم سوری، آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں اتار دیتا ہوں۔“ سکندر کے دھیمے انداز میں نرمی تھی۔ مگر لاریب کی تھملاہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

”تم کیوں اتارو گے بھلا۔ میرا دل جتانے کی خاطر تو یہ کام کیا تم نے میں خود تارتی ہوں۔“ اس پر الزام لگاتے اس نے کبھی سکندر کے جذبات و احساسات کو سمجھنے ان پر غور کرنے کی رحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔

”آپ رہنے دیں لاریب میں.....!“ اسے اسٹول پر چڑھتے دیکھ کر سکندر نے پھر مداخلت کی۔ مگر وہ ان سنی

کرتے ہوئے اسٹول پر چڑھ گئی۔ انداز میں غصیلان تھا۔ جب تصویر نہیں اتری تو اس نے اپنی فطرت کے عین مطابق غصے میں آتے ایک کے بعد دوسرا جھنکا ایسے جارحانہ انداز میں دیا کہ لڑکھڑا کر اسٹول سے نیچے گری گئی مگر زمین پر نہیں سکندر کے تواتر و مضبوط آنی باتوں میں جس نے اسے سنبھالتے ہی دانستہ خود میں سمویا تھا۔

”میں اسی لیے منع کر رہا تھا آپ کو مگر آپ سنتی کہاں ہیں۔“ سکندر کے دھیمے لہجے میں بھی وارنٹی کی آواز پھوٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں اس میں کتنے شوخ اور دلکش رنگ تھے۔ اس کے برعکس لاریب قمریوں کی اس وحشت بھری آگ میں جل کر خاکستر ہوئی بری طرح سے تھملا کر اس کی بانہوں کا حصار توڑتی ترب کر فاصلے پر ہوتے ہی اس پر برس پڑی۔

”سٹاپ، تمہیں ضرورت کیا تھی آخر مجھے پکڑنے کی۔“ وہ بھری ہوئی شیرینی لگ رہی تھی جسے قابو کرنے کو کیسے دل بچل گیا تھا سکندر کا جی بھی اس کے مقابل رک کر پر شوق نظروں سے اسے تکتا تبسم ہوا۔

”اگر میں نہ پکڑتا تو آپ کو تو چوٹ لگ جاتی۔“ ”یکواس نہ کرو میں اگر آئندہ مری بھی رہی ہوں تو تم مجھے ہاتھ لگانے کی غلطی نہ کرنا سمجھے؟“

”یہ حکم تو میں آپ کا نہیں مان سکتا۔ یہ غلطی تو کرنا ہی پڑے گی مجھے کبھی نہ کبھی آخر کوشو بہر ہوں اب آپ کا۔“ وہ جتنے غصے میں تھی اس کے متضاد سکندر پر اس قدر شرافت بھرا رخسار چھار ہا تھا۔ اس کے انداز میں لگاؤ نہ بھی تھی اور جسارت نہ تھی جس نے لاریب کے کھشت حال کو اور بھی بڑھ ڈالا۔

”اپنی اوقات مت بھولو تم، سنا تم نے؟“ اسے دیکھتے ہوئے وہ خلق کے بل جھپٹی۔ اس مرتبہ سکندر نے اس کی بات کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی اور آگے بڑھ کر تصویر اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

”یہ لیجیے یہی چاہیے گی نا آپ کو۔“ خوب صورت شہرے فریم میں جکڑی تصویر اس کی جذیبہ بڑھائے وہ کتنے رومان سے گویا ہوا تھا۔ لاریب نے تسلیاتی نظروں سے



دینے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ آسانکشت کی فراوانی اور لامحدود اختیارات نے اسے فرعون کی عظمت اور رعزت میں مبتلا کر دیا تھا اسے یاد ہی نہ رہ سکا تھا بیدار نہیں یہ دنیا ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایک مہلت ہے۔ من مانی کرنا اور حکم چلانا ہی اس کا معمول تھا۔ زمین جیسے ہمیشہ کے لیے اس کی میراث تھی۔ جس پر وہ جیسے چاہتا کڑ کر چل سکتا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ بہر حال اس کو مٹنے والی ڈھیل کی کوئی حد بھی مقرر ہے۔ اس زمین پر اسے اختیارات سوچنے والا ہی اس کا اصل حقدار ہے۔

لاریب.....! جس کی بے رخی، بے اعتنائی اسے ناگوار گزرتی تھی جیسے بقی سکھانے اور اپنی تسکین کا ذریعہ بنانے کو وہ ہر معاشرتی، سماجی اور مذہبی حد بندی کو پھلانگنے کا تہیہ کر چکا تھا جانتا ہی تھا کہ خدا کی لڑائی کسی بے آواز ہے کیا ہوا تھا پھر؟ وہ جو سمجھتا تھا اسے فتح حاصل کرنے سے کوئی روکنے والا نہیں۔ کیسے منٹوں میں بے بس کر دینے والے نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ طاقت اور اختیار کے زعم میں مبتلا اس کا دماغ اس وقت شدید اذیت و کرب کے پاؤں اس خوف سے سن ہونے لگا کہ وہ یہاں اس دیرانے میں بے بسی اور بے بسی کی موت مارا جائے گا۔ لاریب اسے پلٹ کر دیکھے بغیر جا چکی تھی جبکہ کھداریوں نے خود وہاں سے واپس بھیجا تھا اس حکم کے ساتھ کہ اگر اس کی ضرورت پڑی تو خود کال کر کے بلوائے گا۔ پھر بھلا وہاں کون تھا جو اسے اس اذیت ناک بھرت انگیز موت مرنے سے بچا سکتا۔ اس نے بے چارگی اور مایوسی کی کیفیت میں کچھ دور گر جانے والے اپنے سبیل فون کو دیکھا جو لاریب سے لکھنے کے دوران جانے کب جیب سے نکل کر فرش پر جا گرا تھا۔

اس کی وہ جسمانی طاقت جس پر اسے بے تحاشا غرور تھا اس وقت اس کا ساتھ پھوڑ چکی تھی وہ خود میں اتنی ہمت بھی نہیں پاتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر سبیل فون اٹھاتا اور اپنی مدد کا کوئی سبب بنا پاتا۔ اسے اندازہ ہوا وہ خود سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس نے جانا اسے موت سے کتنا خوف آتا

اسے کچھ دیر دیکھا پھر اس مشتعل انداز میں فریم پکڑ کر زور سے دیوار پر دے مارا تھا۔ ایک چھٹکا ہوا اور اسے لگا صرف تصویر کا شیشہ نہیں بلکہ اس نے سکندر کا دل بھی ایسے ہی چکنا چور کر دیا ہے۔

”اٹھاؤ اسے یہاں سے مجھے نظر نہ آئے دوبارہ۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ اس نے فریم کو ٹھوکر ماری ٹکرائے لیے خود بلہا کر چر پڑتی دوہری ہو گئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے شیشے کی بے رحم نوکلی دھارا اس کے چہرے کے انگوٹھے کے میں اس بری طرح تھکی کہ وہ درد برداشت کرنے کو ہونٹ بھیج گئی۔

”زخمی ہو گیا آپ کا چہرہ۔“ سکندر سب کچھ بھنا کر بے چین ہو کر پکڑا ہوا تھا۔

اس کے ہونٹوں سے سسکی نکھری اور آنکھوں سے آنسو پھل گئے۔ بے خیالی میں اس کا ہاتھ پھر زخمی ہوا تھا مگر شابہ سکندر تھا نہ ہی اس کی بے چینی بھرا آئینہ رنگ انداز۔ وہ بے قراری سے روتی چلی گئی۔

”آ جاؤ سکندر.....!“ اس کے آنسو اسی تو اتر رہے بہتے تھے۔

(بہت قریب چڑھا گئے ہو مجھ پر بہت چالاک تھے۔ جیتنا آتا تھا تمہیں اور بابا سائیں کہتے ہیں وہ مرد ہی کیا جو اپنی عورت کو جیت نہ سکے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤ سکندر مجھے تمہارے علاوہ اب اور کچھ نہیں چاہیے) وہ مضطرب سی ہاتھ مل رہی تھی۔ اسے وہ کام نکسر قبول کیا تھا جو وہ کرنے آتی تھی۔ اسے بس سکندر یاد رہ گیا تھا اسے سکندر کی محبت یاد رہ گئی تھی۔



وہ پہلو کے مل سا کن لینا ہوا تھا مگر دل و دماغ میں ایک حشر بپا تھا۔ اذیت و سختی اور شرمندگی ایسی جس کا کنارہ نہیں ملتا تھا۔ ندامت کے آشک پر سائے آنکھ نکلتی نہیں تھی نہ دل کا طلال ڈھلتا تھا کیا تھا وہ؟

ایک سیاہ کار، بدکار، غلاقت میں پور ڈوبا ہوا انسان۔ جس نے رب کی رضا کے متعلق سوچنے کی ہمت

کچھ لفظ جتنے ہیں گوہر سے
ہذا طرہ تیرے جو تہد میں بھگو کر بھی مارا جائے مگر
پھر بھی اس کی چھین کر نہیں ہوتی۔
☆ لوگ چاند پر پہنچنے کے لیے ہزاروں جتن کر لیں
مگر دل تک پہنچنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔
☆ اگر آپ اپنے گھر کے باہر کئی پر عبارت لکھوا
لیں کہ مجھ سے ملنے والے جھوٹ کے پاؤں اور غیبت
کے چہرے باہر چھوڑ کر آئیں تو یقین کیجئے آپ سے
ملنے کوئی نہیں آئے گا۔

ہذا لفظ لکھنے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوا احسان کی
شدت ان کو براثر بناتی ہے۔
☆ جس گھر میں عورت دھنی رہتی ہے اس گھر میں
خوشیاں مہمان کی طرح دستک دے کر آتی ہے جنہیں نہ
پھینکا جاسکتا ہے اور نہ اٹھایا جاسکتا ہے۔
☆ جس نعل... کوٹ چو غلہ

لباؤں میں چھال کر پھر ایک مجزہ ہو گیا اسے اذن ربانی
اذن مختل مل گئی تھی۔ یہ بخشش کرنے والے کی ایسی ہے
یہاں غایت تھی کہ وقاص اپنی سابقہ روش پر شرمسار ہوتا خود
سے نگاہ ملانے کے قابل بھی نہیں رہا۔

"کیا تھا وہ اس قابل؟" وہ خود سے سوال کرتا اور اسو
زار و نظار بہنے لگتے۔ اس نے رحمان کی رحیمیت کو جانا تو
انداز سے ہم صم ہوتا چلا گیا۔ عجیب تھی یہ خفت و خجالت جس
نے اسے پانی ہر احساس سے بے نیاز کر ڈالا تھا۔

"زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی
صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے رب کی ذات
تو تم اپنے پروگار کی کون کون سی نعمت کو بھٹاؤ گے۔"

☆ کھل کھڑکی سے ایک خوش الحان آواز ہوا کہ دوش پر
اڑتی اس تک پہنچنے لگی۔ وقاص کی وہ عظمت اور بے حس
ٹوٹنے لگی جوان دنوں اس پر ماحول سے اپنی ذات سے اپنی
ذات تک کے لیے چھا گئی تھی۔ اس کی سماعت چوکی اور
پوری توجہ سمیٹ لائی۔ ماہاں جان نے اس کی ہستیابی کی
خوشی میں قسم القرآن کروایا تھا قاری صاحب کی آواز میں

ہے۔ اس نے زندگی میں پہلی بار بتائی ہوش و حواس مایوسی،
بے بسی اور بے چارگی کی انتہا پر جا کر خود کو گھٹ گھٹ کر
روتے محسوس کیا۔ اس کے پاس زندگی بھر سب کچھ ہمیشہ
وافر مقدار میں رہا تھا۔ اسے ہاتھ پھیلائے، مانگنے کی بھی
ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے کبھی رب کا اس کی
دی گئی نعمتوں پر شکرا ادا کرنے کا خیال نہیں آ سکا تھا۔ مگر اس
پل اس نے زندگی میں پہلی بار خود کو رب سے ہمسکام
ہونے لگا کر گڑا تے محسوس کیا۔

"مجھے بچالے، اس وقت کوئی نہیں ہے جو مجھے نے
اس وقت کوئی نہیں ہے جو مجھے دیکھے اس وقت کوئی بھی
نہیں ہے جو مجھے سنبھالے۔ میں جانتا ہوں تو مجھے سن رہا
ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں تو مجھے دیکھ رہا ہے میں یہ بھی
یقین رکھتا ہوں کہ تو میرے دل کی بدلتی کیفیت سے غافل
نہیں ہے اس وقت اگر کوئی مجھے بچا سکتا ہے تو وہ صرف تو
ہے مجھے بچالے مجھے اس شرمناک موت سے دوچار نہ
کر۔" وہ رو رہا تھا بلکہ رہا تھا ترپ رہا تھا اور مسک رہا تھا۔
پیر سے اٹھتا اور دکھائی دیتا جیسے کوئی ملوثان تھا۔ جو آگ کی
طرح بڑھتا پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ پھر
تکلیف اس کے سینے سے گردن اور گردن سے حلق تک جا
چکی وہ سہم گیا خوف سے سر د پڑنے لگا۔ اس نے منہ ہال
ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس سر طے پر اسے فرعون کا انجام
یاد آیا وہ انجام جو عبرت انگیز تھا اور جو ان کے قاری صاحب
نے قرآن پاک پڑھاتے ہوئے بہت تفصیل سے سمجھایا
تھا جسے وہ اب تک بھولا رہا تھا مگر اب اچانک وہ تمام واقعہ
اس کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"تو کیا فرعون کی طرح میری بھی آخری وقت کی توبہ
اللہ نے رد کر دی ہے؟" اس نے سوچا اور اس کے حلق میں
نوکلیے کانٹے اُگائے تھے۔ اگر ایسا تھا تو کچھ عجب نہیں
تھا۔ یہی قانون قدرت ہے اللہ نے تو اپنا طریقہ پہلے سمجھا
دیا۔ موت کو سامنے پا کر مانگی توبہ قابل قبول نہیں وہ اب
کیوں حراساں ہے اس نے اپنا وقت گنوا دیا تھا مایوسی نے
اس کے وجود میں اپنے نیچے گاڑھے اور اسے اپنے سیاہ

سوز و گداز اور کشش تھی۔
 ”اے گمروہ جن وائس اگر تم سے ہو سکے کہ سناؤں اور
 زمین کے کناروں سے نکل بھاگو (ڈرا) نکل کر تو بھاگو۔
 تم زور کے سوا نکل بھاگو گے (اور زور تم میں ہے ہی نہیں)
 تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

وفا میں گولگ رہا تھا کہ اس کا رب اپنے کلام کے
 ذریعے باقاعدہ جتنا دیا تھا کیا نہیں ہو چکا تھا اس کے ساتھ
 یہی معاملہ؟

خدا نے اسے اپنے آگے ہاتھ دیر باندھ کر لیا تھا اور
 اس کی طاقت چھین لی تھی۔ وہ طاقت جو اسی نے عطا بھی
 کی تھی اس کے روٹنے کھڑے ہو گئے اور آنکھوں میں
 آنسوؤں کی طغیانی بڑھنے لگی۔ وہ حرف بہ حرف تلاوت سنتا
 اور ترجمہ پر غور کرتا اپنے اندر تبدیلی و تغیر رونما ہوتا محسوس کرتا
 آنسو بہا مار بہتا۔

”محرم پہچانے جائیں گے اپنی پیشانیوں سے پھر وہ
 پیشانیوں (کے بالوں) سے اور قدموں سے پکڑے
 جائیں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ
 گے؟ یہ ہے وہ جہنم جسے گناہ گار جھٹلاتے تھے وہ اس کے اور
 کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان پھریں گے۔ تو تم
 اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

اس کے بعد مغفرت کا اذن تھا پھر انعام و انعام کی
 خوش خبری۔ وہ سورہ رحمن کو پہلی بار دل و ذہن کے درجے وا
 کر کے سن رہا تھا اور جیسے اسی کلام کی خوب صورتی میں تم تھا
 جانہ جنال میں تم تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز ابھری مگر وہ
 چونکا نہیں یہاں تک کہ کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”وفا میں... آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ وہ اس کا
 کاہل حاضری سے چھو کر استفسار کرتی اس کی توجہ کی طالب
 بنی ہوئی تھی۔ وہ... جسے وفا میں نے نہ بھی نرمی سے چھوا
 تک نہ تھا نا مئی طلب کیا تھا مگر وہ پھر بھی کسی مہربان سایہ دار
 بادل کی طرح تھی۔ اگر سمجھا جاتا اگر جانا جاتا تو یہ بھی اس
 کے دلب کی اس پر خاص عنایت تھی۔ اس کی بے بہا نعمتوں
 میں سے ایک بے بہا اور خوب صورت ترین نعمت۔ وفا میں

بے اختیار اس کی جانب پلٹ گیا آج پہلی بار امامہ کو سکتے
 اس کی نظر میں نرمی بھی محبت و احترام کے ساتھ اپنے سلوک
 پر شرمساری کا جاں گداز احساس تھا۔

”آ... آ... آپ کیا درد بردہ رہا ہے؟“ امامہ کی نظر اس
 کے بچھے ہوئے چہرے پر پڑی تو جیسے بے اختیار ترپ اٹھی
 اور اس کا چہرہ ہاتھوں کے نرم پیرالے میں لے لیا۔
 ”نہیں، اب میں ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو امامہ؟“ وہ بولا
 تو اس کی آواز بوجھل تھی۔ اس کے دل کی طرح جہاں
 ملامت و یاسیت کا احساس گہرا تھا۔

”میں...؟“ امامہ کو کہاں تو قیام تھی کہ وہ اس قدر نرمی و
 تحمل سے اس کی خیریت بھی پوچھ سکتا ہے جیسی گڑبڑ والی تھی
 پھر سرکوشات میں ہلا دیا۔

”مجھے آپ سے معافی مانگنی تھی وفا میں، میری تمام تر
 خواہش اور دعاؤں کے باوجود جیسا نہیں ہوا اور...“

”امامہ... بس، کرو پلیز۔“ وہ جیسے گراہ رہا تھا تازیانہ
 ہی ایسا شدید تھا یہ اس کے گناہوں میں سے ہی ایک گناہ
 تھا کہ وہ امامہ پر بیٹھے کے لیے دباؤ ڈالتا رہا تھا۔ حالانکہ
 جاننا بھی تھا کہ وہ اس معاملے میں کسی درجہ بے بس ہے۔
 ”میں غلطی پر تھا ہر لحاظ سے، مجھے احساس ہو چکا ہے
 امامہ، کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو ان تمام زیادتیوں کے لیے
 جو میں تمہارے ساتھ کر چکا ہوں؟“ اس کے نرم ہاتھ اپنے
 لرزیدہ ہاتھوں میں لے کر انہی پر پیشانی نکائے وہ سسک
 اٹھا تھا امامہ کے تو جیسے اوسان ہی خطا ہو کر رہ گئے۔

(جاری ہے)





تعب و تعب

سمیرا انیس



آیا ہوں کہاں سے سر شام نہ پوچھا
بہستی کے چراغوں نے مرا نام نہ پوچھا
میں نے بھی اسے دیکھ کے رخ پھیر لیا تھا
اس نے بھی مرا حال سر عام نہ پوچھا

ہاں باپ سے ملنے جا رہی تھی۔ ٹرین کو بھی آج ہی لیٹ
ہو چکا تھا۔ وہ منہ میں پڑ پڑاتی اسے محسوس ہوا کہ اسے کوئی
آنکھ مسلسل گھور رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر دائیں طرف
گردن گھمائی۔ دوپہ اشتیاق مردانہ نکلیں اسے گھور رہی
تھیں۔ اس مرد کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ اس کا
شیوہ بڑھا ہوا تھا اور اس کے سر پر فلیٹ کیپ تھی۔ ناہید کے
بدن پر سوئیاں ہی جیسے لگیں اس کے لیے بحیثیت عورت یہ
کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن اس کی ایسی حالت پہلی دفعہ
ہوئی تھی عجیب وحشت تھی اس کی آنکھوں میں اس نے
گھبرا کر دوسری طرف کر لیا اسے شہباز پر غصہ آنے لگا۔
اس نے تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ دیکھا تو وہ شخص اسے
مسلسل گھور رہا تھا۔ اس نے لوگوں کے باوجود اس کا بدن
کاٹنے لگا وہ شہباز کو دیکھنے کے لیے ابھی کھڑی ہی ہوئی تھی
کہ وہ خود انتظار گاہ میں داخل ہوا۔

”کہاں رہ گئے تھے؟“ ناہید نے نیم خنکی سے پوچھا۔
”میرے اتنے بچے چل رہے ہیں تمہیں اب کچھ پسینہ
آ رہا ہے۔“ شہباز نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

انتظار گاہ کی دیواروں پر لٹکے ہوئے ریلوے نظام کے
مختلف چارٹ کو کئی وقفہ پڑھنے کے بعد ناہید نے اپنے
پائیں طرف والی نشست پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جس پر
ابھی ابھی بھاری بھر کم عورت آ کر بیٹھی تھی۔ اس عورت نے
دوستانہ مسکراہٹ سے ناہید کی طرف دیکھا ناہید نے بھی
صرف مسکراتے پر ہی اکتفا کیا وہ نہایت خاموش تھی اور
اجنبیوں سے تو ویسے ہی بہت کم۔ بے تکلف ہوئی۔ اس
دوران ناہید کے سامنے والی نشست پر نیچے نقوش کی ایک
دلی پلی لڑکی نے قبضہ جما لیا اس کے ساتھ ایک مرد بھی
تھا۔ جو غالباً اس کا شوہر ہوگا ناہید نے دلچسپی سے اس
جوڑے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگی
اسے ڈر تھا کہ یہ عورت کہیں اس سے بات چیت نہ شروع
کر دے۔ اسے اب اپنے شوہر پر غصہ آنے لگا تھا جو کسی
کام کا کہہ کر باہر گیا تھا اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ ناہید
نے وقت گزاری کے لیے چارٹ کو دوبارہ پڑھنا شروع
کر دیا۔ پڑھنا کیا بلکہ صرف نظریں ہی اس پر تھیں دل
کہیں اور تھا۔ وہ شادی کے پورے ایک سال بعد اپنے

رہے ہیں۔ چنانچہ اسے موت کیوں نہیں آتی۔ وہ قنبر سے بولی۔

یہ وہ بھونچی جیسے وہ عمر کی پسند کے خلاف بہو بنا کر لائی تھی۔ کیونکہ زبیرہ کی ماں اس کے بچپن میں وفات پا گئی تھیں۔ وہ ماں بھی اور ممتا کے ہاتھوں مجبوراً اس نے عمر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ میری بہن کی بیٹی سے شادی کر لو، یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا۔ دل کے نا چاہتے ہوئے بھی عمر آقندی کو ماں کی بات ماننی پڑی اور آج وہی بھانجی، وہی بہو اس کے مرنے کی دعائیں مانگ رہی تھیں نہ جانے کتنے آنسو اس کمزور آنکھوں سے بہنے لگے۔

”زونی پلیز ختم ٹینشن مت لو، بڑھاپے میں دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ تم کمرے میں چلو۔“ وہ بیوی کا موڈ ٹھیک کرنا چاہتا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ جس ماں نے پال پوس کر بڑا کیا ایک لمحے میں اس نے اس ماں کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ عمر جب 4 سال کا تھا تو اس کا شوہر وفات پا گیا ہارٹ اٹیک نے اس کی ہستی ہستی زندگی تباہ کر دی۔ لیکن عمر کی خاطر اس نے دوسری شادی نہیں کی کہ ماں سے چھٹ کر۔ اسے ماں جیسا پیار کون دے گا۔ سب نے کہا کہ وہ شادی کر لے لیکن عمر سے والہانہ محبت نے اسے یہ قدم اٹھانے سے منع کر دیا۔ آخر عمر بڑا ہو کر اس کا سہارا بنے گا۔ یہ سوچ اسے خوشی دیتی اور اس نے ہنس کر یہ قربانی قبول کر لی۔

”ماں، مجھے سائیکل چاہیے سب لڑکے سائیکل پر اسکول جاتے ہیں میں اتنی دور پیدل جاتا ہوں اتنی گرمی ہوتی ہے اور سب لڑکے میرا مذاق بناتے ہیں۔“ وہ 10 سالہ عمر ماں سے ٹیک نی فرمائش کر رہا تھا پہلے لڑ رہا تھا بہت مشکل سے ہو رہی تھی مگر اب تو عین ہزارویں بھاری رقم نہیں کی صورت میں، ادا کی بھی اب نی فرمائش۔ وہ بیٹے کا دل بھی تو زنا نہیں چاہتی تھیں۔

ایاز آقندی کی وفات کے بعد اس نے اپنی ذات اور

بیٹے کو کسی پر بوجھ نہیں بننے دیا تھا۔ ایاز آقندی کے چھوٹے سے گھر میں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بہت سادہ اور پرسکون زندگی بسر کر رہی تھی۔ سچ سے دو پہر تک وہ دو، تین گھروں میں کام کرتی اور پھر رات دیر تک سلائی کرتی، وہ عمر آقندی کا مستقبل روشن بنانا چاہتی تھی۔ اس کے لبوں سے نکلے ہر خواہش کو پورا کرتا چاہتی تھی کہ اسے باپ کی کچی محسوس نہ ہو وہ احساس کسری کا شکار نہ ہو۔ وہ خود بھوکا رہ کر اس کے لیے کھانا بچا کر رکھتی تھی۔ کئی سالوں سے نئے کپڑے بنانے کا خیال اسے آیا ہی نہیں۔ ہاں، ہر تہوار پر وہ عمر آقندی کے لیے دو، تین قیمتی سوٹ ضرور بناتی تھی۔ بہت محبت تھی اسے اپنے عمر آقندی سے اور عمر بھی بہت محبت کرتا تھا ماں سے اس لیے وہ شہر کے اعلیٰ انگلش اسکول میں عمر آقندی کو پڑھا رہی تھی کہ بڑا ہو کر اس کا بیٹا ڈاکٹر بنے، وہ دن رات محنت کر کے اس کی بھاری فیس بھرتی، لیکن اب اس کے پاس صرف دو ہزار روپے تھے اور گھر کا راشن بھی ختم تھا۔ ایک معمولی سائیکل بھی پانچ، چھ ہزار سے کم نہیں ملنی تھی۔ ماں کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہ دوبارہ بولا۔

”ماں میں نے کچھ کہا ہے، اگر مجھے سائیکل نہ ملے کر دی تو میں اسکول نہیں جاؤں گا۔“ عمر آقندی نے غصے سے کہا۔

”میرے بچے بس دو دن صبر کر لے، میں اپنے چاند کو ضرور سائیکل لے کر دوں گی۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تو وہ ماں سے لپٹ گیا۔

”میری امی بہت اچھی ہیں، مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔“ وہ خوشی سے بولا۔

”ہاں میں اپنے چاند سے بہت محبت کرتی ہوں تو ہی تو میری کائنات ہے۔“ اواز کتنی بھی بڑی ہو جائے ماں کے لیے کتنی ہی رہتی ہے۔

”عمر جینا حرام کر دیا ہے تمہاری ماں نے میرا کبھی کوئی فرمائش، کبھی کچھ نہ جانے کب جان چھوٹے کی اس

انجیل

رفعت نواز

اسلام علیکم آج کل اشاف اور آنجل کی پیاری قارئین کو دلی سلام قبول ہو۔ میرا نام رفعت نواز ہے میں 15 دسمبر کی شام کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئی، بہن بھائیوں میں میرا نمبر چوتھا ہے، ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ بھائی دونوں بڑے ہیں اس کے بعد میری بہن ہے اور وہ بھی میری طرح آنجل کی دیوانی ہے۔ چھوٹی بہن شازیہ کو بھی آنجل پسند ہے میں 6 سال سے آنجل کی خاموش قاری رہی ہوں۔ مجھے آنجل کے تمام مسئلے بے حد پسند ہیں فیورٹ ڈائجسٹ آنجل فیورٹ رنگ سیاہ ہے۔ پسندیدہ شخصیت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پسندیدہ راز میں میرا شریف طور، نازیبا نہ ہو، نازیبا نہ ہو، احمد انیسویں، احمد ام مریم، عجبت عبد اللہ، اقراء، تغیر، احمد ہیں۔ مجھے اپنی زندگی میں بہت سے رشتے بے حد عزیز ہیں لیکن اظہار نہیں کر سکتی مجھے اپنی تین ٹمین جو کہ میری دوست بھی ہے بے حد پسند ہے۔ خوبی مجھے نہیں بتا کہ مجھ میں کون سی خوبی ہے شاید اعتبار اور بھر دے کر نا لیکن کبھی کبھی اپنی ہی خالی بھی لگتی ہے۔ میں رشتوں سے جلد بدگمان ہو جاتی ہوں اور غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور سارا خود پر ہی آتا رہتی ہوں، کبھی کبھی میں خود کو بہت تنہا محسوس کرتی ہوں جب ایسا ہوتا ہے تو میں آنجل کو دوبارہ پڑھنے لگتی ہوں تو پھر تنہائی ختم ہو جاتی ہے اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتی ہوں کہ کوئی اور جیسا ہے یا نہیں لیکن آنجل تو میرا اپنا ہے۔ میری تمام لوگوں سے ایک ہی درخواست ہے کہ پلیز کبھی کو دھوکہ نہ دیں دھوکہ دینے والے یہ نہیں سوچتے وہ جن کو دھوکہ دیتے ہیں وہ زندگی پھر کسی اور پر اختیار نہیں کر پاتے اور کسی کا مان بھی نہ توڑیں شکر یہ اللہ حافظ۔

کس گناہ کی سزا مل رہی ہے مجھے۔" وہ بابا پر دھاڑ رہا تھا اور وہ بوڑھی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو چکی تھیں۔

"نہیں عمر پتر، زہیرہ دھی کو غلط نہیں ہوئی ہے وہ گھر (ڈیکوریشن میں) میں نے نہیں توڑا میں تو سنی کے رونے کی آواز پر اندر گئی تھی۔ کوئی چیز نیچے تری تھی۔ مجھے لگا جیسے سنی گر گیا اور وہ گھر تو سنی سے گرا تھا۔"

"تو اس کرتی ہے یہ خود قصاص نہ کر کے میرے بیٹے پر الزام لگا رہی ہے کیا سنا بھولی گئی ہو، دیکھو کیسے بیٹے کے سامنے مظلوم بن رہی ہے۔" زہیرہ چنا کر بولی۔

"جانتی ہیں اس مصیبت سے کب میری جان چھوٹے گی۔" یہ کہتے ہوئے عمر آفتدی وہاں سے نکل گیا۔

بوڑھی آنکھوں نے روتے دل سے مرجانے کی دعا

کی جب والدین اولاد پر بوجھ بن جاتے ہیں تو پھر ان کا مرجانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ زہیرہ نے ایک زہریلی مسکراہٹ سے اس بے بس بوڑھی عورت کو دیکھا پھر

مصیبت سے میری۔" زہیرہ شوہر کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر بلند آواز سے چلائی۔ وہ جو آفس سے تھکا ہارا آیا تھا بیوی کو غصے میں دیکھ کر اسے ماں پر مزید غصہ آیا۔

"اس گھر کا ماحول کبھی خوشگوار نہیں رہ سکتا۔ جب تک یہ بدھیا نہیں مرے گی۔" زہن کی آخری حد کی غلاظت کے ساتھ عمر آفتدی نے ماں کے بارے میں سوچا۔

"زونی اب کیا ہوا ہے؟" وہ محبت سے بیوی کو دیکھ کر بولا۔

"ہوتا کیا ہے، صبح میرے کمرے میں رکھا وہ ڈیکوریشن میں توڑ دیا جیسا آپ نے میری پر تھوڑے پر دیا تھا۔" کہنے کے ساتھ زہیرہ آنسو بہانے لگی اور وہ غصے سے دھاڑتا ہوا ماں کے پاس پہنچا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ، کیوں جینا حرام کر رکھا ہے۔ کبھی اس گھر میں کوئی دن سکون کا جھنڈا بھی نہیں یا اس طرح اپنی محسوس اس گھر پر رکھو گی، نبھانے

”نہیں ماں! مجھے اکیلے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے اکیلے نہیں سونا مجھے آپ کے ساتھ سونا ہے۔“ وہ بہت خدی لہجے میں بولا تو نصرت بیگم سب کام چھوڑ کر بیٹے کو لے کر کمرے میں آ گئی اور پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بیٹھی گہری نیند سو گیا۔



”عمر! مجھے ساری رات نیند نہیں آتی، یہ تمہاری دینار ماں ساری رات کھا سستی رہتی ہے۔ مجاں ہے جو ایک منٹ کے لیے بھی سونے دے، تنگ آ گئی ہوں میں اس زندگی سے۔“ عمر دوپہر کا کھانا کھانے گھر آیا تو بیوی کی ایک نئی شکایت سن۔

”تو میں کیا کروں۔“ اس نے بیزاری سے بیوی کو دیکھا۔

”تم اسے کوارٹر میں شفٹ کر دو، وہاں ملازم بھی تو رہتے ہیں۔“ اس نے دل کی بات شوہر کو بتا دی۔

”کیا؟ تم پاگل ہو گئی ہو، اماں وہاں اکیلی کیسے رہیں گی۔“ بہت اٹلی ظریفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے بیوی سے کہا۔

”لو، کیا ملازم انسان نہیں اگر یہ وہاں رہے تو قیامت تو نہیں آ جائے گی۔“ عمر کی خاموشی پر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم فرمانبرداری کرو، رہو اپنی ماں کے پاس رہو میں اپنے گھر جا رہی ہوں وہ ہمیشہ کی طرح پھر دھمکی دے رہی تھی۔ جس کے آگے عمر آئندہ ہمیشہ ہار جاتا تھا۔

”نہیں تم کہیں مت جاؤ، بچے پریشان ہوں گے۔ امی کا بستر کوارٹر میں لگوا دیتے ہیں۔“ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ زبیرہ نے محبت سے شوہر کو دیکھا۔

عمر آئندہ ماں کے کمرے میں آیا تو وہ بھی شوہر کے پیچھے آ گئی تھی۔ دو بوڑھی عورت بخار میں تپ رہی تھی۔ صبح سے کچھ کھانا بھی نہیں تھا۔

”اماں آج سے تم کوارٹر میں سو جانا، رونی کو نیند نہیں آتی تمہارے کھانسنے سے۔“ وہ دھیسے لہجے میں ماں

قریب آ کر بولی۔
”بہت ماں تھا نا بیٹے پر، یہی بیٹا تجھے خود ایک دن اس گھر سے نکالے گا۔“

”نہیں میرا عمر ایسا نہیں کر سکتا۔“ نجانے کس ماں کے تحت اس نے یہ کوئی بھی آواز میں کہا۔
”یہ تو وقت بتائے گا۔“



رات کا بیٹا نے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ اسے کمرے میں ماں کہیں نظر نہ آئی۔ رات کے اس پہر اس کی ماں کہاں جا سکتی ہے اس نے اچھتے ذہن کے ساتھ سوچا اور پھر وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس کی ماں سردی میں بیٹھی کپڑے سٹانگی کر رہی تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے اور وہ سردی سے بے نیاز اپنے کام میں مگن تھی۔ پاس چائے کا ایک کپ پڑا تھا۔ جسے شاید اس نے نیند نہ آنے کے لیے رکھا تھا۔
”ماں، آپ اب تک جاگ رہی ہیں۔“ عمر نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ آج سے پہلے تو اس نے اتنی رات تک سلائی نہیں کی تھی۔

”صبح کچھ کپڑے سلائی کے دینے تھے تو سوچا کہ ابھی بیٹھ کر سلائی کروں۔ صبح تو کام پڑ جاتا ہوتا ہے نا۔“ ماں نے محبت سے بیٹے سے جھوٹ بولا۔

وہ کیا بتاتی کہ اسے دن رات محنت کر کے اس کے لیے سائیکل خریدنی تھی جس پر اس کا بیٹا اسکول جائے تو اسے گرمی نہ ملے۔ صبح اس کام کے چار ہزار روپے ملنے تھے دو ہزار روپے کے وہ کپڑے سلائی کر چکی تھی۔ صبح وہ اپنے بیٹے کے لیے سائیکل خریدے گی یہ بات اسے خوشی دے رہی تھی کہ سائیکل کو پا کر اس کا بیٹا کتنا خوش ہوگا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ سائیکل خریدنے کے بعد پورا مہینہ کیسے گزارے گا اور پھر نہیں، بہت ساری سوچیں ذہن میں آئیں لیکن بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں تھا۔

”بیٹا تم جا کر سو جاؤ میں آتی ہوں۔“

صائمہ مشتاق

ڈیر آئجل اسٹاف اور قارئین کرام کیا حال ہے جی آپ سب کا؟ امید کرتی ہوں کہ تمام لوگ خیریت سے ہوں گے تو جناب آتے ہیں اپنے تعارف کی جانب آہم آہم میرا نام صائمہ مشتاق ہے مابدولت دس نومبر کو دس دنیا میں تشریف لائیں اور حال ہی میں 10th کلاس کے پیپر دیتے ہیں اور ہم جوائنٹ فیملی ہیں ہم چار بہن بھائی ہیں میرا سب سے پہلا نمبر ہے پھر مجھ سے چھوٹا بھائی احسن پھر ایک بہن اقرام اور سب سے چھوٹا بھائی وقاص ہے جو ہم سب کا لاڈلہ ہے۔ کھانے میں چنا چاول پسند ہے لباس میں شغور اقبیس اور فراق پسند ہے۔ پھولوں میں گلاب اور موتیا کے پھول پسند ہیں۔ شاعری جنون کی حد تک پسند ہے کچھ خود بھی شاعری کرتی ہوں۔ جیلری میں مجھے انیر رنگز بہت پسند ہیں شاعروں میں حسن نقوی اوصی شاہ امجد اسٹام امجد پروین شاکر سب بہت پسند ہیں۔ رائٹرز میں میرا تشریف ناز یہ کنول نازی سباس گل ام مریم نمرہ احمد عمیرہ احمد گھٹ عبد اللہ پسند ہیں۔ خواباں یہ ہیں کہ ہر کسی سے بنا کر رہتی ہوں اگر کوئی ناراض ہو جائے تو چاہے میری غلطی نہ ہو تو پھر بھی سوری کر لیتی ہوں اور خامیاں یہ ہیں کہ ہر کسی پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں جس کا بہت نقصان اٹھا چکی ہوں میری بہت زیادہ فریڈز ہیں نرگس صبا شمیمہ اقرام راہیلہ ہم سب فریڈز ہیں اور میری آئیڈل میری پھوپھو جانی شگفتہ فاروق ہیں بالکل ان جیسا بننا چاہتی ہوں۔ سردیوں کا موسم بہت پسند ہے بارش بہت دھی کر دیتی ہے رسالوں میں مجھے آئجل خواتین شعاع اور کرن پسند ہے۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ آئجل کو اور بھی ترقی عطا فرمائے اور ملک پاکستان کی خیر فرمائے آمین۔ میرا تعارف کیا لگا ضرور بتائیے گا۔

ہے بولا۔ دن رات کی محنت اور مہینے بھر کی کمائی سے اس نے

اپنے بیٹے کو سناٹا لگایا لے کر دی گئی عمر آئجل نئی سائیکل پا کر بہت خوش تھا اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے بیٹے کو خوش دیکھ کر نصرت بیگم خوش ہو رہی تھیں۔ زندگی اسی طرح گزر رہی تھی عمر آئجل نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا اور ماں کی دن رات کی محنت اور دعاؤں سے وہ کامیابی حاصل کر رہا تھا۔ وہ ایف اے کے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوا تو حکومت نے اس کا رشب دے دی۔ اس طرح وہ اپنے اخراجات پورے کر کے پڑھتا رہا اور پھر ایک دن وہ پروفیسر بن گیا البتہ ڈاکٹر نہ بن سکا۔



کئی دن بعد وہ ماں کے کوارٹر میں آیا تو ماں کو سسکتے پایا۔ ملازم ہی اس بوڑھی عورت کا خیال رکھتے تھے۔

”ماں کسی طبیعت ہے وہ نمبر سے خفا تھی بھی بات

بوڑھی عورت کو پہلی حیرت تو بیٹے کے آرام سے بات کرنے پر ہوئی اور دوسری حیرت اس کی بات پر۔ لیکن بیٹا مجھے کوارٹر میں ڈرنگے گاؤں نیچے کمزور آواز میں بولی۔

”ہاں تب میں تو اپنے ساتھ بالائی گارڈ لے کر جائے گی۔“ زہیرہ نے تنفر سے نصرت بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا اور وہ خاموش ہو گئی دل پر کسی نے تھپڑا بھونپ دیا تھا۔

”وہاں ملازم ہوتے ہیں مڈ نہیں لگے گا۔“ اور پھر اسی شام کو بوڑھی عورت کو کوارٹر میں شفٹ کروا گیا۔ وہ کمزور بوڑھی آنکھیں ساری رات اپنی بے بسی پر روئی رہی۔ ساری رات اس نے موت کی دعا مانگی۔ کسی کروش اسے نیند نصیب نہ ہوئی، بخار شدید ہو گیا تھا۔



نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن عمر کو دیکھ کر وہ ساری ناراضگی بھول گئی تھی۔

”بھاری ہے بیٹا۔“ وہ کمزور آواز میں بولی۔

”چل ماں تجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔“
نجانے اس کے دل میں کیا آیا اور پھر وہ ماں کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلا آیا۔ ڈاکٹر کے پاس جا کر اس پر انکشاف ہوا کہ اس کی ماں کینسر کی مریضہ ہے۔ عمر آفندی کو اس خبر سے بہت دھچکا لگا اور پھر وہ ماں کو کچھ بتائے بغیر گھر لے آیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی کو ماں کی بیماری کے متعلق بتایا تو گھر میں ایک قیامت مچ گئی۔

”تمہاری ماں کو کینسر ہے، ہائے میرے بچوں کو کچھ نہ ہو جائے مجھے نہیں رہتا اس گھر میں، تمہاری ماں اس گھر میں رہے گی یا پھر میں۔“ اس نے فیصلہ سنایا تھا اور ایک بار پھر بوڑھی کمزور ماں اولاد کے ہاتھوں ہار گئی۔
اب وہ ایڈمی سینٹر جا چکی تھی۔ ان بوڑھی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا۔ لیوں پر کوئی شکوہ نہیں تھا۔ اس کے بیٹے نے اسے زندہ قبر میں اتار دیا تھا اور اس نے خود پر مٹی ڈال کر خود کو دفن کر لیا تھا۔



ایک دن ایڈمی سینٹر سے فون آیا کہ اب کی ماں ہرنگی ہے۔ اس نے خیر کسی انسوس کے ماں کو وین کیا کہ اب اس کی زندگی پر سکون ہو چکی ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے لیے دن رات دعا کرنے والے ہاتھ اب منوں مٹی سے دب چکے ہیں اور زندگی کی آفات اب اس پر اترنے والی نہیں۔



دو سال بعد وہ خود بستر مرگ پر تھا اس کی بیوی اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ جب اسے علم ہوا کہ عمر آفندی کو کینسر ہے تو وہ اپنے بچوں کے ہمراہ اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔ اس کے بچے اس کے مافرمایاں ہو گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ شفر سے بولی تھی۔

”نہم جیسے انسان کا یہی حال ہونا چاہیے۔ جس ماں

نے تیس سال تمہیں پالا پوسا..... میرے پیچھے لگ کر تم نے اس ماں کو قبر میں اتار دیا۔ جب تم اتنے مافرمایاں اولاد ثابت ہوئے تو اب اپنی اولاد سے کس فرما برداری کی توقع رکھتے ہو۔ تم اپنی ماں سے غلط نہیں تھے، جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی تو میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرو گے۔ مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا جونگی ماں کا نہیں ہو سکا وہ مجھ سے کہاں غلط ہوگا۔ مجھے طلاق چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ جا چکی تھی۔

”ہر عمل کا مکافات عمل ضرور ہوتا ہے۔“ عمر آفندی نے بھنگی آنکھوں سے سوچا۔ شدت کرب سے اس نے مرجانے کی دعا کی لیکن زندگی کا ابھی امتحان باقی تھا۔ اس نے بھنگی آنکھوں سے ماں کو پکارا۔

”ماں..... ماں..... میری پیاری ماں..... صرف ایک بار آ جاؤ۔ میں بھی آپ کی مافرمائی نہیں کروں گا۔ میں اپنے ہر گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔ ماں میری پیاری ماں..... صرف ایک بار آ جاؤ، بچپن میں میری ایک آواز پر تم آ جاتی تھیں، ماں اب بھی آ جاؤ..... ماں صرف ایک بار.....“ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔
ہم جتنو تھے ہم ٹکلی تھے ہم رنگ برنگے تھے

کچھ ماہ و سال کی جنت میں ماں ہم دونوں بھی سانجھی تھے

میں تھوٹا سا اک بچہ تھا تیری اٹلی تھام کر چلا تھا.....!

تو دور نظر سے ہوتی تھی میں آنسو آسور دیتا تھا.....!

اک خوابوں کا روشن بستہ تو روز مجھے پہتا ہی تھی.....!

جبہ! رتا تھا میں راتوں کو تو اپنے ساتھ سلاتی تھی
ماں تو نے کتنے برسوں تک اس پھول کو پیچھا پاتھوں سے
جیون کے گہرے پھیروں کو میں سمجھا تیری باتوں سے
میں تیرے ہاتھ کے تکیے پر اب بھی رات کو سوتا ہوں
ماں میں اک چھوٹا سا بچہ تیری یاد میں اب بھی روتا ہوں



آیا ہوں کہاں سے سر شام نہ پوچھا
 بستی کے چراغوں نے مرا نام نہ پوچھا
 میں نے بھی اسے دیکھ کے رخ پھیر لیا تھا
 اس نے بھی مرا حال سر عام نہ پوچھا

ہاں باپ سے ملنے جا رہی تھی۔ عرین کو بھی آج ہی لیٹ ہونا تھا۔ وہ منہ میں بڑبڑاتی اسے محسوس ہوا کہ اسے کوئی آنکھ مسلسل گھور رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر دائیں طرف گردن گھمائی۔ وہ بڑا اشتیاق مردانہ نکلیں اسے محسوس رہی تھیں۔ اس مرد کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ اس کا شیوہ بڑھا ہوا تھا اور اس کے سر پر فیٹ کیپ تھی۔ ناہید کے بدن پر سوئیاں سی جیسے لگیں اس کے لیے بحیثیت عورت یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن اس کی ایسی حالت پہلی دفعہ ہوئی تھی عجیب وحشت تھی اس کی آنکھوں میں اس نے گھبرا کر دوسری طرف کر لیا اسے شہباز پر غصا نے لگا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ دیکھا تو وہ شخص اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اتنے لوگوں کے باوجود اس کا بدن کاہنے لگا وہ شہباز کو دیکھنے کے لیے ابھی کھڑی ہی ہوئی تھی کہ وہ خود انتظار گاہ میں داخل ہوا۔

”کہاں رہ گئے تھے؟“ ناہید نے نیم خفتگی سے پوچھا۔
 ”مرے اتنے پتکے چل رہے ہیں تمہیں اب بھی پسینہ آ رہا ہے“ شہباز نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

انتظار گاہ کی دیواروں پر لٹکے ہوئے ریلوے نظام کے مختلف چارٹ کوئی دفعہ پڑھنے کے بعد ناہید نے اپنے بائیں طرف والی نشست پر ایک غائرانہ نظر ڈالی جس پر ابھی ابھی بھاری بھر کم عورت آ کر بیٹھی تھی۔ اس عورت نے دوستانہ مسکراہٹ سے ناہید کی طرف دیکھا۔ ناہید نے بھی صرف مسکرائے پر ہی اکتا کیا وہ نہایت خاموش بیٹھی تھی اور اجنبیوں سے تو ویسے ہی بہت کم بے تکلف ہوتی۔ اسی دوران ناہید کے سامنے والی نشست پر تھکے نقوش کی ایک دہلی چلی لڑکی نے قبضہ جما لیا اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔ جو غالباً اس کا شوہر ہوگا ناہید نے دلچسپی سے اس جوڑے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگی اسے ڈر تھا کہ یہ عورت کس اس سے بات چیت نہ شروع کر دے۔ استہاب اپنے شوہر پر غصا نے لگا تھا جو کسی کام کا کہہ کر باہر گیا تھا اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ ناہید نے وقت گزاری کے لیے چارٹ کو دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھنا کیا بلکہ صرف نظریں ہی اس پر تھیں دل کہتی اور تھا۔ وہ شادی کے پورے ایک سال بعد اپنے

”نہیں میں ٹھیک ہوں۔ آپ نے بہت دیر کر دی۔“
وہ بہت دیر بعد نکلی تھی۔

”ہاں بس آدھے گھنٹے بعد گاڑی آ جائے گی۔“ شہباز نے اسے مطلع کیا۔

”ابھی آ بھاگھٹا اور پشیمان نہ ہو گا۔“ ناہید نے سوال کیا۔
”تو اور کیا اتنی جلدی کیے تھوڑی سی جگہ جاؤ گی۔ یہ سسرال کی زمین ہے۔ اتنی جلدی پیچھا تھوڑی چھوڑے گی۔“ شہباز نے ہنس کر کہا۔

ناہید کو اس کا مذاق اچھا لگا۔ اس نے شرما کر گردن جھکا لی۔ ناہید نے بے خیالی میں نظریں گھمائیں تو اس کی نظر پھر سے اسی مرد پر پڑ گئی جو ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔ ناہید نے بے چینی سے شہباز کو باہر پھانے کو کہا۔

”چلو ٹھیک ہے کچھ دیر باہر نہیں لیتے ہیں۔“ شہباز سامنے بیٹھنے ہوئے مرد سے سامان کی حفاظت کا کہہ کر باہر چلا گیا۔ ناہید کو اب اطمینان تھا کہ وہ نظریں اس سے اب بہت دور تھیں لیکن اس کا یہ اطمینان پانی میں نمک کی طرح گھل گیا وہ ابھی اسے پلیٹ قارم پر بھی نظر آ گیا۔ اس کی نظریں مسلسل ناہید کے تعاقب میں تھیں۔

”آؤ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔“ ناہید نے شہباز کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے ابھی تو تم باہر آنے کی ہمدردی تھیں اور اب اندر آ جاؤ۔“ جتنی دیر میں شہباز نے یہ کلمات ادا کیے ناہید انتظار گاہ کی طرف بڑھ چکی تھی۔ شہباز حیرت سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو یہ ایسی نہیں تھی۔ اب اسے کیا ہو گیا ہے پہلے تو اس نے کبھی بھی ایسی حرکتیں نہیں کی تھیں۔ اب اتنی اکثری اکثری کیوں ہے پھر خود ہی یہ سوچ کر خوش ہو گیا کہ وہ یہ سب اس کی محبت میں کر رہی ہے۔ وہ اتنی ناہیہ سوچ رہی ہوگی کہ میں تو اسے چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا اور پھر اسے پورے ایک مہینے میرے بغیر رہنا ہو گا بس ابی غم میں یہ اوت چٹانگ حرکتیں کر رہی ہے۔ شہباز نے ابھی اٹھائی اور انتظار گاہ سے باہر نکل آیا۔ گاڑی پلیٹ قارم سے نکلنے سے پہلے ہی لوگ پلیٹ قارم پر آ چکے

تھے۔ اتنے بڑے اسٹیشن پر لوگ بہت کم تھے۔ جو گاڑی کے پلیٹ قارم پر رکتے ہی مختلف ڈبوں میں سما گئے شہباز بھی اسی ڈبے میں داخل ہوا جہاں اس نے بنگلہ کروائی تھی۔ گاڑی نے ریل دی اور آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوئی۔ ناہید اب مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ابھی شخص کسی اور ڈبے میں سوار ہو چکا ہوگا پھر وہ اپنا سب قوتی پر خود ہی مسکرا دی۔

ایسی آوارہ مزاج مرد دنیا میں ہوتے ہیں میں تو خواہ مخواہ ڈر رہی تھی۔ اور یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص مجھے ہر جگہ ملے۔ ہاتھ ممکن ہے یہاں ہو جیسا میں سوچ رہی تھی۔ اس نے خود سے کہا اور شہباز سے باتوں میں مصروف ہوئی مردانہ ذہن تھا۔ اس لیے اس کی ابھر اور دیکھنے کی بہت نہ ہوئی لیکن آخر تک شہباز سے وہ کتنی باتیں کرتی اس نے وقت گزاری کے لیے گاڑی کی کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کر دیا۔ جب اس مصروفیت سے بھی تھک گئی تو اس نے ڈبے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ طرح طرح کے لوگوں سے ڈبا بھرا ہوا تھا۔ اس نے لاشعوری طور پر اس بھینر میں اس بھینر کو دیکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک اس کی نظریں جاسکتی تھیں اس نے دیکھا لیکن وہ ابھی اسے کبھی نظر نہ آیا۔ ”وہ یہاں ہے ہی نہیں۔“ اس نے بے خیالی میں یہ الفاظ اتنی زور سے ادا کیے کہ شہباز بھی چونک پڑا۔

”کون یہاں نہیں ہے۔“ اس نے پوچھا۔
”کچھ نہیں نہ جانے بے خیالی میں کیا کہہ گئی۔“ اس نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

ابھی کو وہاں نہ پا کر ناہید مطمئن ہوئی۔ ان کی شادی کو ابھی سال ہی گزرا تھا اس لیے ان کی محبت ابھی تازہ تھی یوں بھی شہباز نے اکیلے سن کی زندگی بہت گزار دی تھی۔ ناہید اس کے گھر میں چراغ کی طرح داخل ہوئی لہذا وہ اس چراغ کی بہت حفاظت کر رہا تھا۔ باتوں باتوں میں انہیں محسوس ہئی نہ ہوا کہ کتنے اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ دن شب میں تبدیل ہونے کے لیے کمر بستہ ہوا تو انہیں بھوک کا احساس ہوا کھانے سے قانع ہونے کے بعد

شہباز نے ناہید سے کہا۔

"تم تھک گئی ہوگی۔ برتھ بھی میں نے بک کروائی ہوئی ہے تم برتھ پر جا کر آ رام کر لو۔"

"ہاں تھک تو میں گئی ہوں۔ ویسے بھی ابھی رات بھر کا سفر ہے۔" ناہید نے جواب دے ہوئے لاشعوری طور پر نگاہیں اوپر کی تو اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔ سامنے والی برتھ پر وہی اجنبی نیم دراز تھا۔ اس کی فلیٹ کیپ ابھی تک اس کے سر پر تھی ہوئی تھی ناہید پھر نرموز ہوئی۔

"برتھ پر تم سو جاؤ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے شہباز سے کہا اور پھر خود ہی ہوئی۔ "نہیں بلکہ تم بھی نہ سوؤ یہاں میرے پاس بیٹھے رہو ہم ایک رات نہیں سوئیں گے تو کیا ہو جائے گا۔" شہباز حیرت سے اس کا منہ تک رہا تھا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ خود ہی ایک بات کہتی ہو اور خود ہی اس سے انکار کر دیتی ہو۔"

"کچھ نہیں مجھے کچھ نہیں ہوا مگر زیادہ پوچھوں گے تو کچھ ہو جائے گا بس تم مجھے کیا نہیں چھوڑنا۔"

"اچھا بابا نہیں چھوڑوں گا تم کو کیا نہیں جانتا برتھ پر۔" شہباز نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی۔ "ارے یہ کیا تمہارے ہاتھ تو برف کی طرح سرد ہوتے ہیں۔" شہباز نے اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے اس سے کہا۔

"شہباز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اگلے آئینش پر ہم ڈبا تہریل کر لے کسی اور ڈبا میں بیٹھ جائیں یہاں تو میرا دم گھٹ رہا ہے۔" ناہید نے اپنا ہاتھ پھیرا تے ہوئے کہا۔

اسے معلوم تھا کہ اوپر بیٹھا اجنبی اس کی حرکتوں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

"پاگل ہو گئی ہو دوسرے ڈبے میں کیا دوسری دنیا ہے وہاں بھی ان جیسے دوسرے انسان ہوں گے۔ انہی سے ملتے جلتے لوگ یہی بھینر ہوگی یہاں تم از کم سیٹ تو ہے اور وہاں سیٹ بھی نہیں ملے گی۔" ناہید اسے کیا بتاتی کہ دوسرے ڈبے میں کون ہوگا۔ اسے احساس تھا کہ اس کی پریشانی شہباز کو بھی پریشان کر دے گی۔ اس لیے مزید ضد

کرنا اس نے مناسب نہیں سمجھا اور وہ خاموش ہو گئی۔

وہ اس ڈبے میں تنہا نہیں ہے دوسرے لوگ اور شہباز بھی تو ہے اس سوچ نے اس کی ذہن میں بندھائی مگر وہ فکر مند ضرور تھی کہ یہ مرد کون ہے اس کی آنکھوں میں اتنی وحشت کیوں ہے اور وہ اس طرح اس کا چپچہا کیوں کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ اس اجنبی کو اس نے نہیں دیکھا ہے لیکن کہاں؟ اسے یہ یاد نہیں۔ خیالات کی اس پورش نے اسے تھکا دیا رات کی تاریکی میں پٹری پر ریل گاڑی پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ ڈبے میں خاموش زندگی تھی باہر سناٹا تھا۔ ناہید نے شہباز کے کندھوں پر اپنا سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھ کھلی تو ڈبے میں ٹھیک اندھیرا تھا۔ پتھے بند ہو چکے تھے وہ سینے میں شراہور ہو چکی تھی۔ اس کے منہ سے اچانک چیخ نکلی تھی۔

"شہباز کہاں ہو تم؟"

"ناہید میں یہاں ہوں تمہارے قریب۔" ایک ہاتھ نے اسے گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟" آواز میں ابھی تک خوف کے رجحان پائی تھے۔

"کچھ نہیں ناہید ڈیر لائٹ چلی گئی ہے۔" شہباز نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں شہباز کچھ ہونے والا ہے۔ مجھے شام ہی سے پتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔ شہباز مجھے پچا لو مجھے کچھ ہونے والا ہے۔" ناہید چلائی۔

"ناہید یہاں بہت سے لوگ ہیں اگر کچھ ہوگا تو صرف تمہیں نہیں ہوگا۔"

"بہم پتا آئے گی بلکہ صرف مجھ پر ہی آئے گی۔" "نہیں شہباز بہم پکھڑنے والے ہیں آخر اس شخص کا ہم پر واؤ چل ہی گیا وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ شہباز اس کی معصومیت پر سوائے مسکراتے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ ناہید نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ کوئی سخت ہاتھ اسے ٹھک کرنے کے لیے اس کی جانب

بڑھ رہا ہے۔ اچانک ڈبے میں روشنی پھیل گئی۔ لائٹ آگئی۔ آنکھوں نے ٹروٹ شروع کر دی۔

ندوارہ دست ہوئی نہ کوئی کل ہوا یہاں تک کہ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک شہباز سے نفی ہوئی ہے۔ وہ شرمناک اس سے الگ ہو گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سامنے والی برتھ کو دیکھا پرندے کے بغیر پنجرے کی طرح برتھ خالی پڑی تھی۔ ناچھی تھا نہ اس کی غلیٹ کیسے پہنچے تو اس نے سوچا کہ وہ باہر ابھر ہوگا ابھی لوٹ آئے گا لیکن جب بیچ نمودار ہوئی تو ابھی تک برتھ خالی تھی۔ اسے ایک انجانی خوشی ہوئی اس کی مدد کو رہائی مل گئی۔ برتھ خالی ہونے کا مطلب تھا کہ وہ ابھی رات میں کسی اسٹیشن پر اتر گیا۔ اسے بغیر کوئی نقصان پہنچائے ناہید کے انداز سے غلط ثابت ہوئے اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ اس نے اپنے ہی اس شخص پر شک کیا۔ اس نے دل ہی دل میں توبہ کی اور کھڑکی سے باہر کے منظر سے لطف اندوز ہونے لگی۔ گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی شاید اسٹیشن آگیا یہ ایک چھوٹا اسٹیشن تھا۔ یہی وہ زمین تھی جہاں سے وہ ایک سال پہلے دین من کر وانا ہوئی تھی۔ یہ اسٹیشن اتنا چھوٹا تھا کہ گاڑی برائے دم ہی رکنے کا تکلف کرتی وہاں شاید ان کے سوا کوئی اور سواری بھی نہ اتری ہوگی یہ تھی وہ پھوٹا سا قصبہ تھا جہاں ناہید کے والد ایک دکان چلتے تھے۔ اب تو بیچارے بیمار رہنے لگے تھے۔ کمزوری بھی کافی ہوئی تھی۔ ورنہ جوانی میں وہ غصہ کا صحت مند ہوا کرتے تھے۔ قاترین تھے اور کئی میل چل کر اپنی ڈیوٹی پر چلا کرتے تھے۔ اب وہ کئی برس سے دروازہ منٹ کی زنجیر لگا رہے تھے۔ ناہید کی شادی کے بعد وہ دوران کی بیوی بن گئی ناہید کی ماں دونوں اکٹھے رہ گئے تھے۔ کوئی اور ادا بھی نہیں تھی کہ گھر میں چھیل پھیل رہتی ناہید نے شادی کے بعد بہت فصد کی کہ وہ اس گھر کو چھوڑ کر ان کے ساتھ رہے لیکن وہ نہیں ماسے ناہید نے اسٹیشن سے گھر جاتے ہوئے شہباز سے پھر یہی ذکر پھیر دیا کہ وہ بابا سے بات کریں کہ ہمارے ساتھ رہیں۔ شہباز نے بھی اس کی تائید کی۔

چند گھنٹوں سے گزرنے کے بعد جب ناہید کا گھر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تو آنکھوں میں خوشی کے آنسوؤں نے بسرا کر لیا وہ پورے ایک سال کے بعد اپنے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں اس کا بچپن گزارا تھا۔ جہاں اس نے اپنی جوانی کو اپنے آنگن میں اترتے دیکھا تھا۔ وہ اس دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں سے اس کی ڈولی اٹھی تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو۔ اب چلو گی۔“ وہ شہباز کی آواز پر چونکی اور گھر میں داخل ہوئی گھر میں عجیب ویرانی برپا رہی تھی۔ جیسے کوئی یہاں رہتا ہی نہ ہو۔ ایک سال بعد اتنا کچھ بدل گیا ہوگا اسے اندازہ ہی نہ تھا۔ بابا نے انہیں ہی خوش ہو کر محسوس کیا اور پلٹ کر بڑھ گیا۔

”ارے ناہید شہباز بیٹا آؤ۔“ نہ فط نہ خیر نہ خیر ناہید کی ماں دیکھ کر گون آیا ہے۔“ وہ خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔

شور مچ کر ناہید کی ماں باہر آئی۔ ماں بیٹی نے مل کر خوب ساواں بھاؤوں پر سایا۔ چھوڑو کے گلے شکوے کے بعد پھر سے قصبے اس گھر کا مقدر بن گئے۔ شہباز ایک ہفتے کی پٹائی پر یا تھا۔ ایک ہفتہ ایک دن کی طرح گزر گیا۔ لہذا وہ ناہید کو چھوڑ کر واپس آ گیا۔ ناہید کے بغیر اس نے بیس دن بھی بڑی مشکل سے کالے اور ناہید کو لینے سسرال پہنچ گیا۔ ناہید کو اس کی بے تابی اچھی بھی تھی اور غصہ بھی آیا اس کا دل ابھی بھرا نہیں تھا۔ وہ انکار کرنا ہی نہیں لیکن بابا نے اسے مجبور کیا لہذا وہ اپنے بابا سے اس بات کو منوانے کے بعد واپس آ گئی کہ وہ انہیں ملے ضرور آئیں گے۔ واپس آنے کے بعد شہباز اور ناہید کی زندگی پھر طبعیتان کی ڈگر پر رواں دواں ہوئی۔ دن گھر کے کام کاج میں گزارنا چاہتا تھا شہباز کے گھر آنے کے بعد دونوں بھونٹنے پھرنے لگے۔

زندگی اچھی لگے بندھے اصولوں کے سہارے قندہ اٹھارہ تھی کہ ایک زوردار جھٹکے نے ناہید کو چھوڑ کر رکھ دیا وہ ابھی مرد اسے پھر نظر آ گیا۔ جواست اسٹیشن پر ملا تھا۔ وہ اس طرح کہ شہباز کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ گھر وہ خلاف معمول اب تک گھر نہیں آیا تھا۔ ناہید نے چھت پر جا کر

نہیں ہے۔ اس نے ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
 ”اچھا بابا ہم ڈاکٹر کے پاس نہیں چلتے مگر یہ تو بتاؤ کہ
 تمہیں ہوا کیا ہے۔“
 ”کچھ نہیں میں ڈر گئی تھی۔“ شہباز کو بے اختیار
 ہنسی آ گئی۔

”یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے۔ اگر آپ میری زندگی
 چاہتے ہیں تو وقت پر گھبرا جلیا کریں۔“ معاملے کی
 سنگینی کا شہباز کو اب احساس ہوتا جا رہا تھا۔ شہباز سوچ
 رہا تھا کہ یہ دن بھر تنہا رات کی ہے پھر اسے کی نہیں تو کیا ہوگا
 لیکن پہلے بھی تو یہ تنہا ہی رہتی تھی پہلے تو بھی ایسا نہیں ہوا
 وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”کیا سوچتے تھے چلے مت ہاتھ دھو لیجیے میں کھانا
 نکالتی ہوں۔“ آواز میں پہلے جتنی نرمی اور نرم لہجہ دیکھ کر
 شہباز کے چہرے پر ہنسی گھسے دھل گئی۔ وہ مطمئن ہو گیا۔
 شہباز تو کھانے کی چیز پر مطمئن اور شاداب نظر آ رہا تھا
 لیکن ناہید بھیجی کی ہنسی کی گئی۔ شہباز نے ناہید سے کہا کہ آؤ
 کھانا کھانے کے بعد باہر گھر منے چلتے ہیں۔

”نہیں۔ نہیں اتنی رات کو نہیں نکلنے ڈر لگتا ہے۔“
 ناہید نے شہباز کی خوش کش کو دیکھ کر دیا۔

”ارے ناہید اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ میں
 ہوں نہ تمہارے ساتھ کیا تم نے شام سے دروازہ کی دھک
 رکھی ہے۔“ شہباز کو نقصان لگ گیا۔

”کل تم جلدی آ جانا پھر چلیں گے۔“ ناہید نے اس
 کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اس رات شہباز نے
 اس نئی صورت حال پر بڑی دیر تک غور کیا وہ سوچ رہا تھا کہ
 ناہید کو اس گھر میں آئے ہوئے ایک سال سے زائد کا
 عرصہ ہو چکا ہے لیکن وہ اتنی غیر مطمئن اور پریشان لگتی نہیں
 ہوئی اور نہ ہی آج تک ڈر رہی ہے یہ اچانک اسے کیا ہو گیا
 ہے کچھ بھی جب اس کی سمجھ میں نہ آیا تو اس نے اسے
 اتفاق سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور غصہ نے اسے اپنی آنکھوں میں
 ملے لیا۔

دوسرے دن وہ بہت دیر تک سوتا رہا ناہید نے بھی

ٹہلنا شروع کر دیا۔ چست پرستے اس نے سڑک پر جھانکنا
 شروع کر دیا اس ٹانگ جھانک میں اس کی خواہش کا بھی
 دخل تھا کہ شاید اسے شہباز نظر آ جائے۔ اچانک اس کی
 آنکھوں میں گنگر بھرا آئے لوگوں کے جھوم میں اسے وہ
 فلیٹ کیپ صاف نظر آ گئی۔ اس کا دل زور زور سے
 دھڑکنے لگا اسے اپنی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔ اس
 نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا اور نیچے آ گئی
 اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا اس کے ارد گرد اندھیرا پھیلنے لگا
 اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر بجلی کا سوچ ہی آن
 کر سکے وہ یہ سوچ سوچ کر مکان ہو رہی تھی کہ قافلے نے
 اب تک اس کا دروازہ کیوں نہ کھولا تھا۔ اچانک دروازے
 پر تپ کی آواز نے ناہید کو اندر تک بلا دیا اس نے تکیہ منہ پر
 رکھ لیا اور اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ شہباز کے آنے کا وقت
 تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ باہر شہباز ہی
 ہے۔ اس نے بھاگ کر دروازہ کھولا دیا اور سہم کر ایک
 طرف ہو گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خشکی تھی۔ بال شانوں پر
 ٹھہرے ہوئے تھے۔

”کیا ہوا ناہید۔ یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔“
 اس نے ناہید چکر کر زمین پر گر گئی اور گرتے ہی بے
 ہوش ہو گئی۔

”ناہید۔۔۔ ناہید۔۔۔“ زور زور سے چیختے لگا۔
 لیکن بے سود۔ اس نے روایتی طور پر قہقہہ زبیا اور اس کے منہ
 پر پانی کے چھینٹے مارے اور یہ طریقہ کامیاب ہوا ناہید کو
 ہوش آ گیا۔ ناہید کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اس
 سے شہباز کو تھوڑی تسلی ہوئی لیکن یہ سب کیوں ہوا وہ تو
 ڈاکٹر ہی جاسکتا ہے۔

”شہباز اب تم تیار ہو جاؤ تمہارا ڈاکٹر کے پاس جانا
 بہت ضروری ہے۔“

”نہیں۔ نہیں شہباز! میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں
 نہیں جانا۔ مجھے میسر تھا تھوڑا دو۔“ ناہید نے تیج کر کہا
 شہباز گھبرا گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ بھی اپنی آواز میں
 نہیں ہوئی تھی۔ شہباز کو یقین ہو گیا کہ اس کی طبیعت ٹھیک

خوف رہا ہے۔

”بابا میں ہونٹوں میں ہی ہوں۔ ہونٹوں سے باہر نہیں جا رہا۔“ شہباز نے آرڈر کنسل کروایا اور اسے لے کر گھر آ گیا۔

شہباز اسٹےشن غصے میں تھا کہ اس نے ناہید سے راستے میں کوئی بات نہیں کی۔ اسے اپنی بیوی کی حالت پر رشک ہونے لگا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس نے ناہید کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ یہ ان کی ازدواجی زندگی کا پہلا جھگڑا تھا۔ لیکن ایک طرف شہباز چیخا رہا اور ناہید آنسو بہاتی رہی اور آنسوؤں نے غصے کو شکست دی۔ شہباز اپنی قسمت پر رنجست بچھ کر بستر پر دراز ہو گیا۔

ناہید اپنے کیے پر تادم ہو رہی تھی لیکن وہ مجبور تھی اسے احساس تھا کہ شہباز پر کیا گزرتی ہوئی لیکن اسے وہ قاتل پھر نظر آ گیا تھا۔ جو دیگر کے رخصت ہوتے ہی بال میں داخل ہوا تھا۔ وہی قیث کیپ بڑھی ہوئی شیوہ... اس نے سوچا کہ شہباز کو سب کچھ بتا دے۔ پھر خود ہی اس خیال کی غمی کردی کیونکہ ابھی تک وہ اسے صرف اس کا پاگل بن سمجھ رہا ہے مگر حقیقت معلوم ہونے پر وہ اور بھی پریشان ہو جائے گا۔ ان دونوں کے درمیان کئی دن تک ہونے والی بندرہ کی لیکن آخر کب تک؟ ناہید نے اسے مٹا ہی لیا۔ کئی شاہیں گھر پر گزارنے کے بعد انہوں نے پھر باہر جانا شروع کر دیا۔ ایک شام جب چہید اور شہباز پارک میں بیٹھے ہوئے تھے تو ناہید کو پھر وہی شخص نظر آ گیا ناہید نے بھاگنا شروع کر دیا۔ شہباز اس کے پیچھے اور تہہ بید آ گئے۔ ناہید نے گھر پہنچ کر دم لیا۔ شہباز کو ناہید پر اتنا غصہ تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی جان لے لے لیکن شہباز نے سوچا کہ اس سے پہلے معلوم کرے کہ یہ سب کر کے وہ کیا ثابت کرنا چاہتی ہے۔ آخر یہ سب وہ کیوں کر رہی ہے۔

”آخر تم یہ سب کیوں کر رہی ہو۔ جب سے تم اپنے بیکے سے واپس آئی ہو تم بدل گئی ہو پہلے والی ناہید تم ہرگز نہیں ہو سکتی۔ آخر تم مجھے بار بار ڈیلی کر کے کیا ثابت کرتی جا رہی ہو۔“ شہباز اس سے یہ سب انتہائی غصے سے پوچھ

اسے نہ جگایا۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ شہباز آج دفتر نہ جائے شہباز دن بھر اس کی ولہاری میں نگارہا کیونکہ کل کے واقعے کو اس کے ذہن سے نکالنا بھی تو تھا۔ شام کے وقت دونوں ٹہلنے نکل گئے۔ شہباز وقت پر گھر آنے لگا روزانہ کھانے کے بعد دونوں ٹہلنے نکل جاتے ناہید کی صحت پر اس خوشی کا اچھا اثر پڑا کہ شہباز اس کی بہت حفاظت اور اسے وقت دے رہا ہے۔ اس کے چہرے کی سرخی دوبارہ بحال ہو گئی تھی۔ شہباز بھی بہت مطمئن تھا۔ اس دن چکی تاریخ تھی۔ شہباز نے باہر ہونٹوں میں کھانا کھانے کا پروگرام بنایا۔ ناہید نے نیا لباس زیب تن کیا اور چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس معیار کے ہونٹوں میں وہ پہلی دفعت آئی تھی۔ قاتلین سے ڈھکے ہوئے پورے ہال کو دیکھتے ہوئے ناہید اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی۔ آج اس کی چالی ہی بلی گئی تھی۔ خوشی کے رنگ اس کے چہرے سے لہک لہک کر گر رہے تھے۔ ایک ٹیبل پر بیٹھے کے بعد وٹر کو کھانے کا آرڈر کیا۔ ناہید خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ہلکی مسکراہٹ سے وہ شہباز سے گفتگو میں لگن لگی کہ اچانک اسے جھٹکا لگا۔

”شہباز یہاں سے اٹھو چلو یہاں نہیں بیٹھنا ہے۔“ اس نے غصہ دینے والے انداز میں کہا۔ شہباز اس کی تہہ پٹی پر بیٹھا ہو گیا۔

”گھر کیوں؟“

”بس میں نے کہہ دیا۔“ اس کی آواز میں غصہ کے ساتھ ساتھ خوف کی لہر بھی تھی۔

”پلیز ناہید میں آرڈر دے چکا ہوں۔“

”آرڈر کنسل بھی ہو سکتا ہے۔“

”مگر پار کوئی وجہ بھی تو ہو یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“

”تم چلتے ہو یا میں اکیلی جاؤں۔“ ناہید نے تقریباً چیخ کر کہا۔ شہباز غصے میں اٹھا اور آرڈر کنسل کروانے چلا گیا۔

”شہباز رو مجھے بھی ساتھ لے چلو مجھے یہاں بہت

اس کو پہلی مرتبہ اسٹیشن پر ہی دیکھا تھا اور دو آج تک سائے کی طرح میرے پیچھے ہے۔
 ”اچھا ٹھیک ہے کل تم ریکسی باہر جانا میں تمہارے پیچھے ہوں گا جب تمہیں وہ شخص نظر آئے تو مجھے اشارہ کر دینا۔“

”نہیں شہباز وہاں بہت خطرناک ہے۔ ہم پولیس کی مدد لیتے ہیں۔“

”پاگل ہو گئی ہو کیا کوئی اتنا نہ پتا پولیس کو ہوا میں دوڑائیں گے؟ بس اب ہم کل ایسا ہی کریں گے۔“
 دراصل شہباز کو یقین تھا کہ ناہید وہم کا شکار تھی۔ دوسرے دن پر دوڑا سر کے مطابق وہ گھر سے نکلی شہباز بھی اس کے پیچھے تھا۔ ناہید کو جہاں اس کے ملنے کی امید تھی وہاں لٹی لیکن بے سود پہلے قاتل اسے تلاش کر رہا تھا اور اب وہ قاتل کو تلاش کر رہی تھی۔ کئی دن کی جنگ دو دو کے بعد بھی وہ شخص نہیں نظر آتا۔ شہباز دل میں نہیں رہا تھا کہ اس کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے۔ دن رات کی تلاش میں ناہید کے دل میں قاتل کا خیال پیوست ہو کر رہ گیا اب تو اس کی جیسی قاتل نے ناہید کی رات کی نیند یعنی خوابوں میں بسرا کر لیا وہ نیند میں اس طرح ڈرتی کہ چیخ چیخ کر پورا گھر ہل رہا تھا لیتی۔ اس کے بعد وہ خود روٹی رات کی اور شہباز جاگتا رہتا۔ شہباز نے تسلیوں سے لے کر دواؤں تک ہر کام کر کے دیکھ لیا مگر اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اب یہ سب شہباز کے بس سے باہر ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ شہباز کچھ فیصلہ کرنا ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جس نے شہباز کی سوچ کے دھارے کو ہی بدل دیا۔

ہوا بولیں کہ ایک دن دروازے پر تپل ہوئی اس دن شہباز کی چھٹی تھی وہ گھر پر ہی تھا ناہید کی طبیعت آج قدرے بہتر تھی تین راتوں سے وہ ڈری بھی نہیں اور دروازے کے قریب ہی جھانڈ لگا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ گھنٹی کی آواز سن کر شہباز دروازے پر پہنچتا اس نے خود ہی باہر بھاگنا۔ سر پر وہی فلیٹ کیپ بڑھی ہوئی شیو۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور دیکھتی اس نے چیخ ماری اور صرف

رہا تھا۔
 ”نہیں شہباز تم مجھ پر شک کر رہے ہو۔“ ناہید نے بے بسی سے کہا۔

”ابھی تو نہیں لیکن شک ضرور کرنے لگوں گا اگر تم مجھے صحیح صورت حال نہیں بتاؤ گی۔“

”کچھ بھی تو نہیں۔“ ناہید انجان بن کر کہا۔

”کون ہے ناہید جس کو دیکھ کر تم بوکھلا جاتی ہو۔ اس دن ہوٹل میں اور آج پارک میں مجھے صحیح صورت حال بتا دو ورنہ میں کوئی بھی وجہ فرض کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔“
 ناہید کو بچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ ناہید نے ناخن کترنا شروع کر دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب ناہید کے ساتھ شہباز کو نرمی سے کام لینا چاہیے تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

”ناہید پلیز مجھے بتا دو یہ میں بھی تمہارے ساتھ ہر دکھ درد پریشانی میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔“

”میری جان کو خضر دے کوئی مجھے مار دینا چاہتا ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم وہ مجھے کیوں مارنا چاہتا ہے لیکن وہ۔۔۔۔۔ وہ پیشہ ور قاتل ہے۔“ ناہید نے کہا۔

”ارے پاگل لڑکی کون تمہیں مارنے گا اور کیوں۔۔۔۔۔؟“

”نہیں اس کی آنکھیں بہت وحشت ناک ہیں۔ وہ مجھے مار دے گا۔“ شہباز کے دھم دھماکے میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ اس قدر گہیر ہو چکا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا اگر ناہید کا اندازہ غلط بھی ہے تو اس وقت اسے جھٹانا نہیں چاہیے۔ پھر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔

”کون کہتا ہے کہ عورتیں عقل مند ہوتی ہیں چند اتفاقات کو تم حقیقت سمجھ بیٹھی اور لگیں تا سو بہانے۔ بھی تم سے کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔“

”میں پہلے ہی جانتی تھی اس لیے بتا نہیں رہی تھی کہ تم اسے طاق ہی سمجھو گے۔“ ناہید نے غصے میں کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ تم اسے پہلے سے جانتی ہو میرا مطلب ہے شادی سے پہلے۔۔۔۔۔؟“

”تم مردوں کو شک کے سوا کچھ نہیں کیا ہے؟ میں نے

ہوتے ہیں۔ چہرے سے ٹکس کل میں اپنا حلیہ تبدیل کر کے ڈس گا۔

”یار میں سمجھا نہیں۔“ شہباز نے کہا۔

”ارے یار اتنی آئی یا ستا آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی وہ تم سے کیوں نہیں ڈرتی کسی اور سے کیوں ڈرتی ہے۔ مجھ سے ہی ڈرتی ہے اس کا مطلب ہے میرا حلیہ ایسا ہے جو اس کے نفسیات کے ڈر سے اچھڑ ہے۔ جب کہ وہ مجھ جانتی تک نہیں میرے جوتے یا میری ٹوپی یعنی یہ فلیٹ کیپ یا یہ کوٹ کوئی ایسی چیز ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ سے ڈرتی کل میں کوئی نہ کوئی چیز تبدیل کر کے ڈس گا۔“ ٹکس چیز کی تبدیلی سے وہ ہارن ہوتی ہے۔ اچھا دوست میں کل آؤں گا۔“ است اسی طرح لیٹے رہے دو۔ ایسے مریض خود بخود ہوش میں آ جاتے ہیں۔“ آصف نے ہاتھ دلا یا اور رخصت ہو گیا۔

دوسرے دن وہ پھر آ یا اس نے فلیٹ کیپ نہیں پہنی ہوئی تھی اور باقی لباس وہی تھا۔ شہباز نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور تہید کو آ زادی۔ دونوں دم بخود تھے کہ نہ جانے رد عمل کیا ہوگا۔ پردے کو جنس ہوئی اور تہید کمرے میں داخل ہوئی۔

”یہ میرے دوست ہیں پچھلے بننے امریکہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس آئے ہیں۔“ شہباز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تہید نے اسے مسکرا کر خوش آمدید کہا اور چائے بنانے کا کہہ کر رخصت ہوئی۔ دونوں دوست خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے لگے۔

”دیکھا دوست ساری گز بڑا اس ٹوپی کی تھی جو آج میرے سر پر نہیں ہے۔ شکر ہے پہلی تبدیلی پر ہی معاملہ حل ہو گیا۔ اب مجھے بھابی سے کچھ سوال کرنا ہیں۔“

”کر لو..... ابھی وہ چائے لے کر آئی ہی ہوگی۔“

”نہیں شہباز مجھے اس سے اکیلے میں سوال کرنا ہیں۔ اگر تم ہاسٹڈ نہ کرو۔“

”کوئی بات نہیں تم میرے دوست ہو مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔“ آصف نے کہا۔

استنے ہی لفظ ادا کیے کہ قاتل دروازے پر ہے اور بے ہوش ہوئی۔ شہباز بھاگ کر دروازے پر پہنچا وہاں اس کا دوست آصف کھڑا تھا۔ آصف بہت حیران اور پریشان ہوا۔

”ارے آصف تم تمہیں امریکہ سے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا اور تم مجھ سے ملے اب آئے ہو۔“

”وہ تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ چی کیسی تھی۔“ شہباز کو اچانک یاد آیا کہ تہید کو تو وہ بے ہوش چھوڑ کر آ یا ہے۔ وہ واپس پلٹا اسے اٹھا کر کمرے میں لے آیا۔ اسے معلوم تھا کہ تہید کس طرح ہوش میں آئے گی لیکن اس سے پہلے وہ آصف کو فارغ کرنا چاہتا تھا۔ وہ باہر آیا تو آصف تخت پریشان تھا۔

”مجھے لگتا ہے شہباز تم کسی مشکل میں ہو مجھے اپنے دوست کو نہیں بتاؤ گے۔“

”کچھ نہیں آصف ضرور بتاؤں گا۔ مجھے بھی اس وقت کسی ہم خیال دوست کی سخت ضرورت ہے۔ مگر یار ابھی نہیں ابھی تم چلے جاؤ بعد میں بتاؤں گا۔“

”نہیں دوست مجھے ابھی بتاؤ آخر مسئلہ کیا ہے۔“

”مگر یار وہ بے ہوش ہے۔“

”کون.....؟“

”میری بیوی یار۔“

”تم بھول رہے ہو شہباز کہ میں امریکہ سے ڈاکٹری کسپیٹ کر کے آیا ہوں اور ڈاکٹر بھی سائیکالوجی کا اور تمہاری بیوی مجھے نفسیاتی مریض معلوم ہوتی ہے۔ تم اسے بے ہوش رہنے دو اور مجھے اندر چل کر ساری اسٹوری آرام سے سناؤ۔“ شہباز کیا کرتا اسے اندر لے آیا اور اٹک سے کی تک ساری اسٹوری سنا دی۔

”تم گھبراؤ نہیں میں تمہارے کیس کو سمجھ چکا ہوں۔ کوئی نادیدہ خوف ہے جو اس کے لاشعور میں دفن ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بھابی سے کچھ سوال کرنا ہیں اس کے لیے میں کل حاضر ہوں گا۔“

”لیکن یار وہ تو تمہیں قاتل سمجھتی ہے۔“

”کل نہیں سمجھے گی ایسے مریض علیے سے خوف زدہ

”ٹھیک ہے شہباز اب آپ تشریف لے جائیں
میں ان سے بات کروں گا۔“ شہباز نے بنا اعتراض
وہاں سے جانے کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر آصف نے ناہید کے
والد سے کہا۔

”دیکھیے آپ ناہید کے بارے میں جو بھی جانتے ہیں
پلیز سب بتادیں۔“ پہلے تو ناہید کے والد نے تکلف سے
کام لیا لیکن جب آصف نے یہ کہا کہ آپ کی بیٹی ایسے
مرض میں مبتلا ہے کہ اس سے اس کی جان بھی جاسکتی ہے تو
وہ پکھل گئے۔ انہوں نے ساری تفصیل بتائی شروع کی۔
”اصل میں ناہید میری بیٹی نہیں ہے۔“

”جی.....؟“ آصف کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

”جی آصف صاحب ناہید میری بیٹی نہیں ہے آپ کو
شاید معلوم نہ ہو میں قازمین تھا ایک رات میرے قہقہے کے
ایک گھر میں آگ لگ گئی۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر تھا قازم
برغیڈ والوں کا دفتر یہاں سے بہت دور تھا گاڑی پہنچنے
میں بہت دیر لگ سکتی تھی اور یہاں یہ حال تھا کہ آگ اپنے
پورے عروج پر تھی۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ آگ کے قریب
جانا اس وقت میری تربیت میرے کام آئی میں نے اپنے
جسم پر کمبل لپیٹا اور آگ میں داخل ہو گیا۔ اس امید پر کہ
شاید کوئی زندہ بچ گیا ہو باقی سب سمجھے تو خاکستر ہو گیا۔
اتفاق اور معجزات طوع پر ایک بچی زندہ بچ گئی۔ میں اسے لے
کر باہر آ گیا۔ میرے ہاں کوئی ادا نہیں تھی اور اس بچی کا
کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں نے اس بچی کو اپنی بیٹی بنا لیا۔
ایک اور بات بتا دوں، جہاں آپ وعدہ کریں گے شہباز کو نہیں
بتائیں گے۔ اس گھر کو آگ لگانے والا شہباز کا والد تھا۔
جس نے اسے کسی دشمنی کی وجہ سے آگ لگائی تھی۔ لوگوں
نے اسے موقع پر پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اسے عمر
قید ہو گئی۔ شہباز کا والد جیل میں ہی مر گیا۔ کچھ دنوں بعد
اس کی ماں بھی چل بسی شہباز کو اس کے چچا نے پالا اس کا
چچا میرا بہترین دوست تھا۔ اس کی درخواست پر میں نے
ناہید کی شادی شہباز سے طے کر دی اس شادی پر میں دل
سے تیار نہیں تھا۔ مگر میرے دوست کی اس بات نے مجھے

”تو اس پھر ٹھیک ہے جیسے ہی بھابی چائے لے کر
آئے گی تم سگریٹ لینے کے بہانے باہر چلے جانا اور تقریباً
آدھے گھنٹے بعد ٹھیک ہے۔“ ناہید کے آنے سے پہلے
اسکیم تیار ہو چکی تھی۔ شہباز نے چائے کا آخری گھونٹ حلق
میں اتارتے ہوئے کہا۔

”آصف تم سگریٹ پیتے ہو۔“

”جی جناب میں سگریٹ پیتا تھا اور اب بھی پیتا
ہوں۔“ ڈاکٹر آصف نے شہباز سے کہا۔
”لیکن شہباز اس وقت میں سگریٹ لانا بالکل بھول
گیا۔“

”ارے کوئی بات نہیں۔ میں لا دیتا ہوں۔“ شہباز اپنی
جگہ سے کھڑے ہو کر بولا۔

”ارے نہیں..... نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔“
آصف بولا۔

”ارے نہیں جناب میں لا تا ہوں۔“ شہباز وہاں سے
چلا گیا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد واپس آیا ڈاکٹر آصف نے
سگریٹ سلگایا اور چپٹے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں اسے باہر تک چھوڑ کر آتا ہوں ناہید۔“ آصف
اور شہباز دونوں باہر آ گئے۔

”تو کچھ بولا ناہید نے۔“ شہباز نے کہا۔

”میں اسے درست یا تو یہ چوڑا کی سے کام لے رہی ہے یا
اسے واقعی میں کوئی بات یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی واقعہ
اس وقت پیش آیا ہو جب یہ تین چار سال کی ہوگی آپ
یہ بتائیں ناہید کے والدین حیات ہیں۔“

”جی ہاں میں ان سے آپ کو ملوا دیتا لیکن وہ یہاں
نہیں رہتے میں انہیں خط لکھتا ہوں جب وہ دونوں
آجائیں گے تو میں آپ کو ملوا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے شہباز میں انتظار کروں گا۔“ شہباز
نے ناہید کی بیماری کا خط اس کے والد صاحب کو لکھ دیا۔
تیسرے ہی دن دونوں سہنس اور سسر آ گئے۔ شہباز
اپنے سسر یعنی ناہید کے والد کو لے کر ڈاکٹر آصف کے
پاس چھا آیا۔

"دوست مبارک ہو آپ کی بیوی اب بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن تھوڑی بہت کمزوری ہو سکتی ہے۔ تم ایسے کرو کہ اسے لے کر کسی پہاڑی مقام پر گھوم پھر آؤ۔" شہباز نے اب تک اس کی کون سی بات مان لی تھی۔ جواب مانا ناہید کو لے کر وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر روانہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ ناہید پہلے جیسی خوش شکل ہو چکی تھی۔ آج انہیں واپس آنا تھا۔ شہباز نے بلندی پر چڑھتے ہوئے ناہید سے کہا۔

"آؤ اس پہاڑی کے اوپر چلتے ہیں۔ پھر نہ جانے کیا ہو۔"

"شہباز کے بچے کیا سمجھتے ہو میں تھک جاؤں گی۔" دونوں نے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر فاتحانہ تہنید لگایا لیکن ناہید بہت تھک چکی تھی۔ اب آپ مجھے خود میں لے کر نیچے اتار دے گا میں تو تھک چکی ہوں۔" ناہید زمین پر جینٹھ کر لیے لیے سانس بھر نے لگی۔ شہباز کو نہ جانے کیا شرارت سو گئی وہ فلیٹ کیپ پہن کر اس کے سامنے آ گیا۔ نہ جانے وہ اس کی صحت کا امتحان لینا چاہتا تھا یا پھر وہ اس کو خوف زدہ کر کے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا ناہید کچھ دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر جیسے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "قاتل" اور شہباز کو دھکا دے دیا۔ شہباز اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گرتے وقت صرف اتنا کہہ سکا ناہید یہ میں ہوں شہباز۔ یہ الفاظ ناہید کی ماعت سے ٹکرائے اور اس کو جیسے ہوش آ گیا لیکن شہباز کے تعاقب میں اس نے بھی پہاڑی سے چھلانگ لگا دی۔

دھکا دینے والے ہاتھ اس بچی کے تھے جس کے ماں باپ کو شہباز کے والد نے زندہ جلا دیا تھا۔ جان قربان کرنے والی وہ لڑکی تھی جو شہباز کی بیوی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں اپنی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔



لا جواب کر دیا کہ ناہید کا گھر شہباز کے والد نے اجاڑا تھا اب اس کو یہ موقع دو کہ وہ اب ناہید کا گھر آباد کر کے اپنے والد کے دکھ کا ازالہ کریں۔" ڈاکٹر آصف نے اپنی فلیٹ کیپ دکھاتے ہوئے پوچھا کہ شہباز کا باپ انہی یا اس سے ملتی جلتی ٹوپی پہنتا تھا۔ ناہید کے والد نے اس ٹوپی کو غور سے دیکھا۔

"شہباز کا باپ کسی دفتر میں نوکرتھا اور ہاؤس بننے کے لیے ہر وقت ایسی ٹوپی پہنے رکھتا تھا۔" اس انکشاف کے بعد آصف گہری سوج میں ڈوب گیا۔

"کیا ہونا ڈاکٹر آصف آپ کی نیچے پر پہنچے یا نہیں۔" "اے انکل آپ نے تو بات ہی صاف کر دی۔ بات یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ناہید نے شہباز کے والد کو آگ لگانے دیکھ لیا تھا۔ بعد میں وہ اس وقت کو بھول بھال گئی۔ پھر اچانک کسی وقت اس کے ذہنی خلیوں میں ایسی تہذیبی واقع ہو گئی کہ اسے وہ واقعہ تو یاد نہیں آ سکا مگر وہ فلیٹ کیپ اس کے ذہن میں آ گئی۔ اب وہ جس کسی کو بھی فلیٹ کیپ میں دیکھتی ہے تو وہ اسے قاتل سمجھتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ اس کی جان لے لے گا۔ اب ہر چہرے میں اسے وہی چہرہ نظر آتا ہے جو اس نے کبھی دیکھا بھی نہ ہو اس نے تصور میں کوئی چہرہ تخلیق کر لیا۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ کی باتیں میری تو سمجھ میں نہیں آئیں اب مجھے یہ بتائیں کہ اس کا علاج ہو سکتا ہے یا نہیں۔"

"جی انکل سبب معلوم ہو جائے تو علاج میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ اب وہ مکمل نارمل لڑکی بن جائے گی۔" آصف نے یقین دلایا۔

اور وہی ہوا دیر تو ضرور لگی مگر ڈاکٹر آصف ناہید کو حقیقی دنیا میں واپس لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنی کامیابی کا مظاہرہ کرنے کے لیے وہ ناہید کے سامنے فلیٹ کیپ پہن کر آیا شہباز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ناہید چیخنے چلانے کے بجائے مسکرا کر کہنے لگی۔

"آصف بھائی آپ پر یہ کیپ بہت فخری ہے۔"

ہمارے گنگ

نیا طبع خن

اب کوئی مجھ کو دلائے نہ محبت کا یقین
جو مجھ کو بھول نہ سکتے تھے وہی بھول گئے
کیا کہیں، کتنی ہی باتیں تھیں جو اب یاد نہیں
کیا کریں ہم سے بڑی بھول ہوئی بھول گئے

اس کے بعد وہ اپنی مائیں کے گھر آ گیا پھر بچانے کتنے دن وہ
مائیں کے گھر رہا کہ ایک روز اس کے بابا اس کو لینے کے لیے
آ گئے۔ ماما اس روز بہت خوش تھیں۔ ماما اور ماما نے بابا کو
اچھا سا لچ بھی کرایا تھا۔

شانی اس روز بہت خوش تھا کہ اب وہ پھر سے اپنے
پرانے اسکول جاسکے گا اور دوستوں سے بھی ملے گا مگر بابا
اسے دادو کے گھر کے بجائے ایک اور گھر میں لے گئے یہ
گھر اس کے بابا کا تھا تب اسے پتا چلا کہ دادو کا گھر اور ہوتا
ہے اور بابا کا گھر اور ہوتا ہے۔ اس کے شب و روز اب اس
گھر میں گزرنے لگے۔ دادو کا کچھ سالوں بعد انتقال ہو گیا
اور پچھو شادی کے بعد پشاور چلی گئیں جہاں بد قسمتی سے
شادی کے چند سال بعد ان کے شوہر ایک حادثے کے
نتیجے میں دنیا سے رخصت ہو گئے مگر پچھو نے بھائی کے گھر
آنے کی بجائے بیوگی کی زندگی اپنے شوہر کے گھر میں ہی
گزاردی۔ وہ اپنی بیٹی فارحہ کے ساتھ پشاور میں اکیلی رہتی
تھیں۔ شانی اب ایم پی اے کر چکا تھا اور ایک بہت اچھی
کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ سو پچھو سے اس کا رابطہ بھی ابھی
شروع نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ اپنی پچھو کو بھی بھولی نہیں پایا تھا اور
اب اس رابطے میں اضافہ کی بڑی وجہ سدرہ پچھو کی بیٹی
فارحہ تھی جسے اس نے اپنے ایک کزن کی شادی میں دیکھا
تھا اور تب سے اب تک وہی اس کے خیالوں پر چھائی ہوئی

”پچھو! میں اس بار روزے آپ کے پاس رکھوں گا۔“
شانی بچوں کی طرح ضد کرتے فون پر اپنی پچھو سے
مخاطب تھا۔

”جی بیٹے کیوں نہیں اس بار میرا شانی میرے پاس
روزے رکھئے گا اور ہم سب مل کر سحر و افطار کریں گے۔“
پچھو نے دنیا بھر کا پیارا اپنے لہجے میں سوتے شانی کو اس
کے تک نیم سے نکالا۔

”شانی..... شانی کدھر ہو تم کہاں چلے جاتے ہو۔ یہ
ٹی وی اور پتکھا یونٹی چل رہا ہے اور یہ صاحب کمرے میں
موجود ہی نہیں ہیں۔ اے تمہیں معلوم نہیں ملک میں بجلی کا
کس قدر بحران آیا ہوا ہے اوٹ شیدنگ سے برا حال ہے بجلی
مہنگی سے مہنگی تر ہوتی جا رہی ہے اور یہ صاحب.....!“
شکور صاحب اپنے مخصوص انداز میں گرتے رہے تھے۔

”او کے پچھو پھر فون کروں گا موسم خراب ہو گیا ہے اس
سے پہلے کہ طوفان آ جائے میں چلتا ہوں۔“ شانی ان سے یہ
کہہ کر اپنا موبائل فون جیب میں رکھا اور تیزی سے اپنے
کمرے کی طرف چل پڑا جہاں اس کا سامنا اس کے مقرر نما
والد شکور صاحب سے ہونا تھا مگر اسے ان کے غصے کو رام
کرنا آتا تھا آخر وہ بچپن سے یہی کچھ تو کر رہا تھا۔

شانی عرق شانی صرف سات برس کا تھا جب اس
کی دایگی اس کی دادو اور پچھو سے نہ بدست لڑائی ہوئی تھی

تھی دل و دماغ پر ایک ہی طغیانہ بار بار دھک دے رہی تھی اور دل نے تو اس کو ہم سفر بنانے کی خمد باندھ لی تھی۔

شایان مستکرا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا۔۔۔ صدر یہ تنگ نہایت غصے کے عالم میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔

”تصیب دشمنان آج حراج ہر ہم ہیں۔“ تو منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو ایک نہایت غصیلی آواز آئی۔

”شایان ادھر آؤ اور میری بات سنو۔“

”جی ای جان۔“ اتنا کہہ کر وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”آج تم نے پھر داکٹر انسٹ کی وہ بھی سب کے سامنے۔“ صدر یہ تنگ نہایت غصے کے عالم میں بولیں۔

شایان کے تصور میں ردا کا سر لہرایا جب اس نے اس کے ساتھ شاپنگ پر جانے سے انکار کر دیا تھا۔

”مگر ماما میں نے اس کی کوئی انسٹ نہیں کی۔ اس وقت میں بہت مصروف تھا اس کے ساتھ شاپنگ پر نہیں جا سکتا تھا۔“ شایان نے وضاحت پیش کی۔

”وہ چھو بیٹا ردا میری بہن کی انگلی بیٹی ہے تمہاری خالہ اور خالو دونوں تمہیں بہت پسند کرتے ہیں اور ردا کی پسندیدگی سے تو تم اچھی طرح واقف ہو۔“ بھائی صاحب کا

چلتا ہوا کاروبار شادی کے بعد بھی بے سنبھالنا ہے۔ اشارہ

ابند تمہاری تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ تم پر ہر روز کاروبار تو کپہنی کی طرف سے تمہیں گاڑی بھی ملتی ہے اب میں

منجیدگی سے سوچ رہی ہوں کہ اس عید پر ردا کو اپنی بہو بنا کر گھر لے ہی آؤں۔“ ماما کا لہجہ ایک دم ہارل ہو گیا تھا اور

ان کا یہ حسین منصوبہ بن کر شایان کے ہوش اڑ گئے۔

”پلیز ماما، ایسا مت کریں میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں ردا میں انٹرنشڈ نہیں ہوں۔ ابھی اس بات کو آپ رہے ہی دیں۔“ اتنا کہہ کر شایان اپنے کمرے میں چلا گیا اور صدر یہ تنگ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

.....

”قادر جیٹا اس بار رمضان کے لیے خریداری ذرا زیادہ

کرتی ہے۔ شانی آ رہا ہے بتا رہا تھا کہ اسے پکڑے بہت پسند ہیں اور ساتھ میں فروٹ چاٹ بھی مزیدار قسم کی ہونی چاہیے۔“ صدر یہ تنگ قادر کو ہدایت دیتے ہوئے بولیں۔

”ٹھیک ہے اماں مگر یہ شایان صاحب یہاں کرنے کیا آ رہے ہیں ادھر کراچی میں انہیں سکون نہیں ہے۔“ قادر استہزا کر بولی۔

شایان کو وہ خاندان کی چند شاخوں کی تقریبات میں دیکھ چکی تھی اور فون پر اماں کی اکثر اس سے بات ہو جاتی

تھی مگر وہ ان کے گھر بھی نہیں آیا تھا اور نہ وہ کبھی ماسوں کے گھر گئے تھے۔ اس کے آگے کا سن کر اسے ذرا بھی خوشی

نہیں ہوئی تھی اور جب سے اس نے اپنے آنے کا بتایا تھا اماں ہر روز اس کا ذکر کرتے بیٹھتی تھیں اور اب تو وہ روز شایان

نامہ سن کر تنگ آ چکی تھی۔

”قادر جیٹا تمہیں شایان کیسا لگتا ہے؟“ صدر یہ تنگ نے قادر کے ساتھ یہ سوال رکھ جو وہ پچھلے کئی دنوں سے

پوچھ چھا چا رہی تھیں مگر ایک جھگڑا نہ لے جاتی تھیں۔

”ٹھیک ہے اماں مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔“ قادر کے ایک دم کان کھڑے ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ صدر یہ

تنگ کوئی جواب دیتیں اچانک فون کی بیل بجی۔ انہوں نے فون اٹھایا اور فون پر جو کچھ کہا گیا وہ ان کے ہوش اڑانے کو

کافی تھا۔

”قادر جیٹا پکٹنگ کرو جلدی سے ہمیں ابھی اور اسی وقت کراچی کے لیے نکلنا ہے شانی کا بہت برا ایکسڈیٹ

ہوا ہے۔“ یہ خبر سن کر قادر کے بھی ہوش اڑ گئے۔ صدر یہ تنگ اور قادر اسی وقت کراچی کے لیے نکل گئیں۔

شایان اپنے بستر پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں غم تھا۔ پچھلے چھ دن اس کی زندگی کے بھیا تک ترین دن تھے چھ دن پہلے وہ گھر سے ہٹا مسکراتا اپنے آفس کے لیے نکلا تھا

کہا چانک اس کی گاڑی سامنے سے آنے والے لڑاکے سے ٹکرائی اور وہ زخمی ہو گیا۔

حادثہ بہت خطرناک تھا جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کے لیے اپنی ایک ٹانگ سے معذور ہو گیا اب اس کے

ساتھی اس کا کمرہ اور اس کی تنہائی تھی۔ وہ شہرینڈ پریشن اور مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔ پچھو اور فارحہ کو اطلاع اس کے والد شکور صاحب نے دئی تھی۔ ہر وقت غصے میں رہنے والے شکور صاحب اس حادثہ کے بعد تو جیسے ٹوٹ سے گئے تھے۔ فارحہ اور پچھو نے ماحصر فگر کا انتظام سنبھال لیا تھا بلکہ شایان کا خیال بھی بہت اچھی طرح رکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے آنے سے سعد یہ تنظیم کو بہت حوصلہ ہوا تھا اور نہ شایان کی حالت دیکھ کر تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے ابھی ایک دن پہلے ہی تو وہ اسپتال سے گھرا آیا تھا اور یاور رمضان بھی شروع ہو گیا تھا۔ ابھی وہ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجائیں۔“ اس نے اکٹا ہٹ بھرے لہجے میں کہا دروازہ کھلا اور پچھو مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

”شایان بیٹا افطاری کا وقت ہونے والا ہے۔ آج ہم سب تمہارے ساتھ اس کمرے میں افطاری کریں گے مگر کل سے تم ہم سب کے ساتھ ڈائننگ روم میں افطاری کرو گے۔“ پچھو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مگر پچھو میرا تو روزہ نہیں ہے آپ لوگ کر لیا کریں افطاری جیسے آپ لوگوں کا دل چاہے۔“ شایان نے ناگواری کے تاثرات چھپاتے ہوئے کہا۔

”ابھی مجھے یقیناً رہی ہے میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر کھیل اوزھ کر لیٹ گیا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں مگر وہ یہ روتا ہوا چہرہ پچھو کو نہیں دکھانا چاہتا تھا بچپن میں لپکا کر دیا ہوا سبق ”مرد بھی نہیں روتے“ اسے آج بھی اذیر تھا۔ وہ اسی طرح بیٹا رہا جب تک دروازہ بند ہونے کی آواز نہ آئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے پچھو کو بہت دکھ دیا ہے اس کا رویہ ان دنوں بہت سخت ہو گیا تھا مگر وہ مجبور تھا اس معذوری نے اسے سب سے دور کر دیا تھا۔

سعد یہ تنظیم عمری کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹ گئی تھیں مگر غیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس حادثے نے صرف شایان کو ہی نہیں بلکہ ان کو اور شکور صاحب کو بھی

بہت بدل دیا تھا۔ وہ جو سمجھا کرتی تھیں کہ دروان کے بیٹے کے لیے بہترین شریک حیات ثابت ہوگی اب ان کی رائے تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کی بہن اور وہ ایک بار بھی ان کے بیٹے کی خیریت دریافت کرنے اسپتال اور ان کے گھر نہیں آئیں صرف چند ایک بار فون پر رابطہ کیا تھا اور کل تو ان کی بہن نے فون پر واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا وہ دروان کی شادی کسی لشکرے سے ہرگز نہیں کریں گے۔ ان کی اس بات نے سعد یہ تنظیم کو بہت دکھ پہنچایا تھا اب وہ فارحہ کو اس نظر سے دیکھنے لگی تھیں اور اس سلسلے میں شکور صاحب بھی ان کے ہمنوا تھے۔ سدرہ تنظیم اور فارحہ نے جس طرح اپنا بن کر دکھایا تھا اس پر وہ ان کی بہت مشکور تھیں مگر شایان کا رویہ انہیں بہت پریشان کر رہا تھا وہ اور شکور صاحب روزانہ اپنے بیٹے کے پاس جاتے اس سے باتیں کرتے مگر وہ تو جیسے سب سے غائب تھا۔ اسے اس ذاتی و باڈ سے نکالنا تھا جس کا وہ روز بروز شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے سب دوستوں سے ملنا ترک کر رکھا تھا شکور صاحب مصنوعی ناگہم لگوانا چاہتے تھے مگر شایان کسی سے بات تک نہیں کرتا تھا۔ رمضان کا مہینہ بہت تیزی سے گزر رہا تھا مگر شایان ہنوز اپنے کمرے میں ہی مقید تھا۔

”کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“ فارحہ نے شایان کے کمرے میں آنے سے پہلے اجازت طلب کی۔

”کیوں نہیں فارحہ تمہیں کب سے اجازت کی ضرورت پڑ گئی۔“ شایان نے پچھلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کھربا کھری سی فارحہ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔ کبھی یہ چہرہ اس کے شب و روز پر حاوی تھا مگر اب اس کی ساتھی اس کی تہانیاں تھیں جن میں وہ کسی کوئل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ شایان کچھ اور سوچتا فارحہ مسکراتے ہوئے اس کے بیڈ کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی اور پلیٹ میں رکھا ہوا سیب کاٹ کر اسے دینے لگی۔

”رہنے دو تمہارا روزہ ہے میں خود کرنوں گا۔“ وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

”نہیں شایان مجھے کرنے دیں مجھے اچھا لگتا ہے۔“

پھر سے پہلے والا شانی بن گیا تھا۔ فارحہ کے چہرے پر اپنائیت کے رنگ دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوئی تھی اب وہ چاہتا تھا کہ فارحہ ہی اس کی ہمسفر بن کر اس گھر میں آئے مگر وہ دیتا تھا کہ کہیں اس کی معذوری دیکھ کر وہ انکار نہ کر دے۔ اسی روز کی شام جب فارحہ چھت پر کھڑی چاند کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی وہ چپکے سے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

”فارحہ..... کیا تم عید کے بعد چلی جاؤ گی؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہاں۔“ فارحہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر.....!“ اس نے اپنا رخ شایان کی طرف کر لیا۔ شایان دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”میں دلچسپ ضرور آؤں گی کیونکہ اب اگلی ساری عیدیں مجھے اسی گھر میں کرنا ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے چلی گئی۔

اب اس کے چہرے پر چھپا اقرار کے سارے رنگوں کو وہ جان گیا تھا۔

وہ نیچے آیا تو ٹی وی پر چاند نظر آنے کا اعلان ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ عید کے بعد فارحہ کو اس گھر میں رہنا کرانے کا پروگرام فائنل ہو چکا ہے۔ اب ان دونوں کے ایک ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس کی زندگی میں بہار کے رنگ پھر سے لوٹ آئے تھے۔



دیتا کہ کر اس نے سیب کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا۔

”چاہتے ہوئے بھی اسے وہ اپنا پڑا۔“

”شایان زندگی کی طرف ٹوٹ آئیں۔“ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

”آپ سے محبت کرنے والے لوگ بہت تکلیف میں ہیں ان کو مزید تکلیف مت دیں خدا را ہم پر رحم کریں۔“ فارحہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شایان کے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا۔

”چلی جاؤ یہاں سے۔“ اس کے درشت نیچے پر فارحہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بھیجی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ شایان نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا۔ قرآن کی آیتیں پڑھ کر اس کے دماغ میں پڑی بہت سی گہری کھنکی لگیں۔ اس نے اپنے روئے پر غور کرنا شروع کیا تو سوائے شرمندگی کے اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اس روز اس نے اپنی بیسٹ کھی پکڑ کر پہلی بار کمرے سے باہر قدم نکالا۔ ابھی روزہ کھلنے میں دو دن مٹتے تھے اس نے مسکراتے ہوئے سب کی جانب دیکھا اور شکور صاحب کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا سب اسے دیکھ کر حیران تھے۔

”پچھو پچھو بڑے جلدی آنا میں روزہ کھلنے والا ہوں۔“

وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ صاحب میز کے گرد بیٹھ گئے سائرن بجا اور روزہ کھل گیا۔ یہ وہ پہلی افطار تھی جو اس گھر کے لیکنوں نے بہت خوشی سے کی تھی۔ شایان نے کہہ دیا تھا کہ اب وہ سارے روزے رکھے گا سب کو خوشی تھی کہ اب روزہ نگاری کی طرف لوٹ رہا تھا اور اس سلسلے میں پورے گھر والوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور روزانہ ایک کھانے تک جیسا کہ گھر کے بہارے چلتے۔ سعد یہ بیگم کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اب اس نے اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے بھی ملنا شروع کر دیا تھا۔ شکور صاحب نے اس کی معذوری مانگ لی اور جب عید سے محبت کے دنوں پہلے وہ یہ معذوری مانگ لیا تو گھر آ یا تو سب حیران رہ گئے۔ اب وہ

حرفاتی مسائل کا حسل

حافظ شہباز احمد

گل رعنا خان۔۔۔۔۔ گجرات

جواب:- بعد نماز عشاء سورۃ قمریش 111 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ روزگار اور اپنے لیے دعا کیا کریں۔ شوہر صدقہ دیتے رہا کریں۔

جمیل۔۔۔۔۔ سرگودھا

جواب:- سورۃ عرفان کی آیت نمبر 74 اور 3 مرتبہ سورۃ یسین اولیٰ و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف۔ صرف یہ 2 وظائف جاری رکھیں صدقہ دیں رکاوٹ ختم ہوگی۔ اللہ آپ کے لیے آسانی فرمائے۔

شازیہ فاروق۔۔۔۔۔ رحیم یار خان

جواب:- مسئلہ نمبر 21: آپ اثرات زود اور غفلت ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد سورۃ قمریش 111 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ روزگار کے لیے۔

بعد نماز عشاء سورۃ فلق سورۃ الناس 41,41 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے پورے جسم پر دم کریں۔

مسئلہ نمبر 3: شادی کے لیے خود استقارہ کہیں پھر کوئی فیصلہ کریں۔

مسئلہ نمبر 3: والدہ سورۃ فاتحہ پڑھا کریں کثرت سے۔ باوجود رہا کریں۔

ق۔۔۔۔۔ گجرات

جواب:- والدہ خود پڑھیں روزانہ سورۃ العصر 41 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ اعجاز کے سرہانے کھڑے ہو کر جب وہ غیند میں ہو۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔

نوکری کے لیے سورۃ قمریش 111 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء۔

بشریٰ حین محمد۔۔۔۔۔ راولپنڈی

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74 70 مرتبہ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ فلق سورۃ الناس 1,1 تسبیح روزانہ۔ رکاوٹ بندش ختم کرنے کے لیے بہن خود کمرے یا والدہ۔

شببانہ عرفان۔۔۔۔۔ قصور

جواب:- و تنزل من القرآن ما هو شفاء و رحمۃ للعوالمین۔ روزانہ قرآن پڑھیں۔ جتنا بھی پڑھیں۔ پانی یہ پھونک کر پیئیں۔ انشاء اللہ شفاء ہوگی۔

طاہرہ ساجد۔۔۔۔۔ نیو کراچی

جواب:- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد 21,21 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ غائب کرائیں۔

ماہیر ظفر۔۔۔۔۔ گجرات

جواب:- سورۃ قمریش بعد نماز عشاء 11 مرتبہ روزانہ۔ اولیٰ و آخر درود شریف۔ 3,3 مرتبہ۔ کامیابی کے لیے۔

ہر نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر با قویٰ 11 مرتبہ پڑھا کریں۔

نازیہ خالد۔۔۔۔۔ گوجرانوالہ

جواب:- سورۃ العصر روزانہ سرہانے کھڑے ہو کر 11 مرتبہ پڑھا کریں جب بچہ سو جائے۔

عائشہ زاہد۔۔۔۔۔ لاہور

جواب:- گھر میں جنات ہیں۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 1,1 تسبیح روزانہ۔ اولیٰ و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ اپنے اوپر دم کیا کریں۔

طاہرہ حبیب۔۔۔۔۔ راولپنڈی

جواب:- سورۃ اخلاص سورۃ الفلق

سورۃ الناس 11.11 مرتبہ صبح و شام پانی پر دم کر کے پیا کریں، روزانہ۔ اول و آخر 3.3 مرتبہ درود شریف۔ بھائی کو بھی پلائیں۔

شمالیہ رفیق سمندر کا

جواب:- سورۃ فرقان والا وقت جاری رکھیں۔ ساتھ ہی بعد نماز عشاء سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی 1.1 تسبیح بھی کریں۔ بندش سخت ہے رشتے آتے ہیں تو رکاوٹ آ جاتی ہے۔ صدقہ دیں گوشت کا ہر اشتہ۔

جن کا مسئلہ ہے ان کا نام مع والدہ کے نام کے ساتھ بتائیں۔

مسرت حبیب چچہ وطنی

جواب:- سورۃ مزمل 3 مرتبہ چٹنی پر دم کر لیں۔ چٹنی گھر کے تمام افراد کے استعمال میں آئے۔ اول و آخر 3.3 مرتبہ درود شریف۔ گھر کے لڑائی جھگڑے کے لیے۔

سورۃ القریش 111 مرتبہ بعد نماز عشاء اول و آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔ تھوڑا خور پڑ جائے پتہ کام کے لیے روزانہ۔

لویدہ پر تعویذات ہیں، علاج کروائیے۔

تس کوہاٹ

جواب:- (1) آیات شفاء 100 مرتبہ چٹنی پر دم کر لیں اور روزانہ ناش کریں۔ اول و آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔

(2) سورۃ القریش 111 مرتبہ اول و آخر

11.11 مرتبہ درود شریف، روزانہ۔

جائیداد کا دوبارہ امتحان تینوں کے لیے دعا کریں۔

بی بی شمالیہ گوجرانوالہ

جواب: رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان کی آیت نمبر 74-70 مرتبہ اول و آخر 11.11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ عبس بعد نماز عشاء 3 مرتبہ پڑھا کریں۔ پانی پر دم کر کے پائے گھر میں پھڑکاؤ کریں (حمام کے علاوہ)

بچہ

<http://facebook.com/elajbilquran>
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیتے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ غفلت کرنے کی صورت میں اللہ کی صورت افسوس ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ہفتے شائع ہوں گے۔

ای میل صرف ہر دن ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن

برائے دوست 2000

گھر کا مکمل پتا

واحد کا نام

نام

کوہاٹ کے لوگ سے ملنے میں رہائش پزیر ہیں۔

آج

214

جولائی 2014

بسیل

میسونہ رویمان

biadill@aanchal.com.pk

نہارضوان.....کراچی

تصور ہاندھ کر دل میں تمہارا پارسل اللہ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارہ پارسل اللہ
خدا کا وہ نہیں ہوتا خدا اس کا نہیں ہوتا
جسے ہوتا نہیں آتا تمہارا یا رسول اللہ
ارم کمال.....فیصل آباد

کہاں آ کے رکھتے تھے راستے کہاں سوز تھا اسے بھول جا
وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ جو نہیں ملا اسے بھول جا
وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا
کشش یاسین.....محمد پوردیوان

زندگی اس کی جس کی موت پر زمانہ افسوس کرے اقبال
یوں تو ہر شخص آتا ہے دنیا میں مرنے کے لیے
مادر خسیال.....سرگودھا

میں گریزاں ہوں محبت سے تو سب کچھ ہیں
ورنہ ہے کون جو چاہت کا طلبگار نہیں
میں تو سرتاپا محبت ہوں مگر پھر بھی
مجھے اس لفظ محبت کا اعتبار نہیں
ثناء اجالا.....بھاول

دل تو کیا چیز ہے ہم روح میں اترے ہوتے
تم نے چاہا ہی نہیں چاہتے والوں کی طرح
ایمان بٹ.....لوہراں

ہمارے شہر آ جاؤ سدا برسات رہتی ہے
کبھی ہاول برستے ہیں بھی آنکھیں ہستی ہیں
شبانائین رائی پور.....کوٹ راولپنڈی

نہ دیکھ ہے نہ غنیمت نہ حرف ہے نہ پیام
کوئی بھی دیکھ تسکین نہیں اور آس بہت ہے
اسید یاز نظر کا مزاج درد کا رنگ

تم آج کچھ بھی نہ پوچھو کہ دل اداس بہت ہے
طیب طاہرہ طلونی.....صیور شریف
چلے آؤ کہ پھر سے رنجی ہو کر میں
تم میرا ہم پوچھو میں تمہارا حال پوچھوں
نورین مسکان.....ڈسکہ

وہاں تک ساتھ چلتے ہیں جہاں تک ساتھ ممکن ہے
جہاں حالات بدلیں گے وہاں تم بھی بدل جانا
نصیب صغف خان.....ملتان

اس جگہ کی عجب ریت ہے
کسی کی بار کسی کی جیت ہے
دل کو زخم زخم کرے ہو
کہتے ہیں اس کو ریت ہے
ایمن مبارک.....کھدیاں خاص

گناہ ہے آج ہر تعلق مٹ گیا فریاد
اس نے مجھے دیکھا مگر پہچانا نہیں
نورین لطیف.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

بس یہی عادت اس کی مجھے آگئی تھی
اداس کر کے کہتا ہے ناراض تو نہیں ہوتا

حافظ میرا 157 ابن بی
اک نظر مجھے دیکھ کر آزاد کردے محسن
کہ میں آج تک تیری سہلی نگاہ کی قید میں ہوں
آنسہ شہیر.....ڈوگہ گجرات

وہ بولے محبت کا سمندر بہت گہرا ہوتا ہے
ہم نے بھی کہہ دیا ڈوبنے والے سوچا نہیں کرتے
فریدہ فخری یوسف زئی.....لاہور

جو ہو سکے تو بھلا دینا رنجشیں دل کی
کہ محبت کا تقاضا ہے درگزر کروینا
تیرے طرزِ تحافل سے کیا گلہ ہمیں
شاید ہمیں ہی آتا نہیں دلوں میں گھر کرنا
طیب.....انٹک

پلا یوں رنگ اس نے کہ حیرت ہوئی مجھے
گرگٹ کو مات دے گئی نصرت جناب کی

بس وہ لہجہ بدلتے گئے اور ہم اجنبی ہوتے گئے
ماہد شہیر راہ..... رحمان گڑھ

ہم نے جسے چاہا وہ دور ہو گیا
چاہتوں کا یہ عجب دستور ہو گیا
خوشیاں نہ مل سکیں تو غم کو عزیز جانا
غم بھی اسی خوشی میں مفروز ہو گیا
منیبہ نواز..... صبور شریف

بھول بیٹھے ہو ہمیں یا نظر انداز کر رہے ہو دوست
تم خوش ہو ہمیں بھول کر تو صدا خوش رہو
پروین افضل شاہین..... بہادر لنگر
لڑتے تھے جس کی سائے کی تقسیم پر بھی
حدت بڑھی تو جہنم کیا وہ ساتباں ہی
عظمیٰ فرید..... ڈی آئی خان

وفا کی لوح میں مٹا لیتے تو اچھا تھا
انا کی جنگ میں اکثر جدائی جیت جاتی ہے
سازید چوہدری..... ذوالکرم گجرات
بھول جانا اسے مشکل تو نہیں ہے فیضی
نکمر آسان کام بھی ہم سے بھلا کہاں ہوتے ہیں؟
مہر گل..... اورنگ ناؤن کراچی

اپنے آپ میں بیٹھے بیٹھے لم ہو جاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں
فائزہ بیڈلفٹ عباسی..... ہارون آباد چناری
پرندوں جیسی فطرت تھی اس کی میرے دل میں
جب پند نکل آئے تو آشیاں ہی بدل والا
امبر گل..... جھڈو سندھ

بھرا رہے تیری خوشبو سے تیرا سخن چمن
بس اک موسم غبر فشاں گزرتا رہے
ماریہ الماس..... ہارون آباد

چاہت کی بے بسی کا یہ قصہ ہے مختصر
دل نے سکون نہ پایا کبھی دل لگی کے بعد
ذریعہ نکل..... منڈھیالہ چٹھہ

وجہ پوچھنے کا تو موقع نہ ملا سمجھ نہیں آتی مجھے محبت کی کہانی اے دوست

صدف ممتاز مریم مختار..... ہوساں مصور

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے کتنے ہیں شجر شام کے بعد
تو ہے سورج تجھے کہاں معلوم رات کا دکھ
کسی روز میرے گھر میں اتر تو شام کے بعد
فریح شہیر..... شاد گلڈر

میں تیرے ذکر کے زندان میں مقید ہو کر
ایک دیوانہ سخن ایسا قلم بند کروں
جو سنے اس میں تیری دید کی خواہش جاگے
جو پڑھے تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے
دلکش مریم..... چنیوٹ

اس نے چھوڑا ایسے موڑ پر دلکش
جب مجھ کو ساتھ نبھانا آ گیا تھا
فائزہ سکندر حیات..... لنگڑیاں گجرات

ہماری استقامت زمانہ خوب جانتا ہے
نہ ہم نے منزل بس بدلی نہ ہم نے دوست بدلے ہیں
شکفتہ خان..... بھلوال

پھر کہاں حساب رہتا ہے
پیار جب بے حساب ہو جائے
راجہ مبارک..... پٹوکی

نگل اس کی آنکھوں نے کیا زحمت گنگو کی تھی
گماں تک نہ ہوا کہ وہ چھڑے والا ہے
اقراء ویل..... لطیفی امر کو دھا

بھنگی آنکھوں والی لڑکی
میری طرف جب دیکھتی ہے تو
من میں جل تھل کر جاتی ہے
مجھ کو پاگل کر جاتی ہے

سائرہ حبیب الرحمن اوڈ..... عبدالکحیم
شاید کبھی خلوص کو منزل نہ مل سکے
وابستہ ہے مفاد ہر اک دوستی کے ساتھ

عائشہ پروین..... کراچی

دلوں میں فرق آجائے تو اتنا یاد رکھنا تم
دلیلیں، نشیں اور فلسفے بے کار جاتے ہیں
کوثر ناز .. حیدر آباد

ہم پر ذرا سی تنگ دستی کیا آن ٹھہری دوست
تم نے تو لیجے کی مٹھاس ہی نہیں رکھ چھوڑی
عشاق نور پور .. نواب شاہ

کون جتنے گا اس سے باتوں میں
جس کی آنکھیں بھی کھام کرتی ہوں
ناز ش مجید گوری .. بلیر

مر جائے تو بڑھ جاتی ہے انسان کی قیمت
زندہ رہیں تو جینے کی سزا دیتے ہیں لوگ
مریم اقبال .. شریفور شریف

مجھے حیرت ہے میرے پاس کچھ بھی نہیں بچتا
میں اپنا ذات سے جب بھی تمہیں تفریق کرتا ہوں
شرین کنول .. کراچی

کہہ رہی ہے فضا کی خاموشی
ان دنوں تم اداس ہو شاید
طلعت نظامی .. کراچی

جن پتھروں کو عطا کی ہم نے دھڑکن
ان کو جب زباں ملی تو ہم پر برس پڑے
نہت حسین .. بلیر کراچی

وقت ملے تو سمجھنا مجھے ضرور
میں تابیاب الجھنوں کی تھکن کتاب ہوں
صوفیہ زری گل .. گوجر گڑھی مردان

درختوں کو اجڑتے ہوئے دیکھا تو بہت تھا
یوں ہم بھی اجڑ جائیں گے سوچا کبھی نہ تھا
فییم شہزادی .. کوٹ موئن

اب تو کر لیجئے سماعت قصہ عشق میر کا حسن
آہ تک تو آگیا ہے مختصر کرتے کرتے



تجدد خدا کو کرتے ہیں اور مانگتے انسان کو ہیں
نفسہ حبیب .. لودھراں

شعور نے آنکھ کھولی تو مسلمان کو جھکا پایا
عقل نے پوچھا عروج سے یہ زوال کس طرح آیا
قرآن نے کہا مجھ پر عمل چھوڑ دیا تھا
سنہ بولی اسلام سے دوری کا مزا پایا
نوشین اقبال نوشی .. گاؤں بدر مرجان

سبز جنگل میں پرندوں کے ٹھکانوں میں کہیں
وقت لے آیا ہمیں گزرے زمانوں میں کہیں
گم بھی ہو سکتے ہیں تاریخ کے اوراق میں ہم
مل بھی سکتے ہیں مگر نازہ فسانوں میں کہیں
مدیحہ اشفاق .. گجرات

جل جاتا ہوں میں تم کو یوں سب پر مہرباں ہوتا دیکھ کر
یوں خیانت نہ کیا کرو تم امانت ہو میری
سارہ شاہین .. تلونڈی

اس کی تصویر میرے دل پر اسی طرح ہے نقش
کہ جس طرح آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنا
نجمہ بھٹی .. اوکاڑہ

ذرا دیکھو تو دردناک ہے پر دستک کون دیتا ہے
محبت ہو تو کہنا یہاں اب ہم نہیں رہتے
ہمشیرہ حافظہ وقت علی .. چوئیاں

اسلام کا ہم سکہ دنیا میں بٹھا دیں گے
توحید کی دنیا میں اک دھوم مچا دیں گے
اسلام زمانے میں دبے کو نہیں آیا
تاریخ میں یہ مضمون ہم تم کو دکھا دیں گے
دیا خان .. میانوالی

یہ بھول ہے اس کی کہ آغاز گھٹکو ہم کریں گے
ہم تو خود سے بھی روٹھ جائیں تو صدیوں خاموش رہتے ہیں
ماریہ چوہدری .. ناہل

میری یادوں سے بچ نکلو وعدہ ہے تم سے
میں دنیا سے کہہ دوں گی گی میری وفا میں کمی ہے
عطیہ .. جہلم

دُشِ مَقْبَالہ

طلعت الغار

کھجور کی کھویا بھری بانر

اجزاء

کھجور

چٹنی

الٹا چٹنی پاؤڈر

دودھ

کھویا

بانر میں پاؤڈر

آدھا کلو

حسب ذائقہ

آدھا چائے کا چمچ

روکپ

ایک پاؤ

ایک کپ

ترکیب:-

کھجوروں کی کھٹلیاں نکال کر صاف کر لیں اور چوپر میں چس لیں۔ ایک سوں مین میں کھجور کا آمیزہ دودھ اور الٹا چٹنی پاؤڈر ڈال کر پکائیں۔ دودھ خشک ہو جائے تو چمچ سے اچھی طرح مکس کر کے اور ٹھنڈا کر لیں کھوئے میں چاہیں تو تھوڑی بھنی چٹنی ملا کر اس کی چھوٹی بانر بنالیں۔ اب کھوئے کی بانر پر کھجور آمیزہ لپیٹ کر دوبارہ اسے بانر کی شوپ دے دیں اور بانر میں روٹی تھنڈا کر کے انظار کے وقت سرو کریں۔

دُش..... کراچی

چھوٹے چاٹ

اجزاء

چھوٹے

سوڈا

ہر ہشیا

ہری مرچیں

بانر

بلی

ایک پاؤ (رات بھجوریں)

آدھا چائے کا چمچ

آدھا کپ (چوپ کر لیں)

تین عدد (چوپ کر لیں)

ایک عدد (کات لیں)

ایک کپ (بھجوریں اور چمچ نکال کر

پیسٹ الٹ کر لیں)

حسب ذائقہ

ایک چائے کا چمچ (کھجور)

تمک

نیل مرچ

ایک کھانے کا چمچ (کٹا ہوا)

حسب ذائقہ

ایک چائے کا چمچ

ایک کپ (چوڑا کات لیں)

زیرہ

چاٹ مصالحہ

چٹنی

ٹماٹر

ترکیب:-

چھوٹوں میں سوڈا ڈال کر رات کو بھجوریں۔ اس کے بعد چھوٹوں میں سے سوڈا کا پانی نکال کر دوسرا پانی اور تمک ڈال کر چھوٹوں کو ہال لیں۔ گل جاتیں تو اس کا پچا ہوا پانی مقدار کر چھوٹوں میں بلی کا پیسٹ، تمک، کٹی ہوئی نیل مرچیں، زیرہ، چٹنی اچھی طرح مکس کر دیں۔ لٹا کر ہر ہشیا اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کریں۔ دُش میں چھوٹے نکال کر اوپر سے چاٹ مصالحہ چھڑک کر چس کریں۔

عائشہ سلیم..... کراچی

مرچوں کے پکڑے

اجزاء

ہری مرچیں (بڑی والی)

ایک پاؤ

حسب ضرورت

حسب ذائقہ

ایک کھانے کا چمچ

ایک کھانے کا چمچ

ایک کپ

تیل

تمک

چاٹ مصالحہ

کھٹائی پاؤڈر

بیسن

ترکیب:-

مرچوں کو جوڑ کر چیرا لگا کر اس میں تمک، چاٹ مصالحہ اور کھٹائی پاؤڈر مکس کر کے بھجوریں۔ بیسن میں تمک، والی مرچ پاؤڈر، بلی کی پاؤڈر، ٹماٹر، سوڈا، زیرہ پاؤڈر ملا کر پانی سے پیسٹ لیں۔ ایک کڑا ہی میں تیل گرم کریں۔ مرچوں کو بیسن سے آمیزہ میں ڈپ کر کے تیل میں ڈال کر دوسریاں آچے پر فرائی کریں۔ ٹشو پیپر پر نکالیں۔ میٹھی چٹنی، ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

فتیسہ ایفغان..... لاہور

بال موٹک کے وقت پڑے



○

آرٹھیا کے بارے

سوں چین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر
 فرائی کر لیں۔ قیہ، لہسن اور ک پیسٹ تمک، کئی ڈال
 مرچیں اور سیاہ مرچیں ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد
 ڈھکن ڈھک کر پکائیں۔ آخر میں پودینہ، جیرا، مرچ
 زیرہ ڈال کر مکس کر کے آمیزے کو ٹھنڈا کر لیں۔ یہ
 میں تمک، جی، اجوائن ڈالیں اور مکس کر کے پائے
 آٹا گوندھ لیں اور ڈھک کر رکھیں۔ گندھ سے
 کی بڑی سی روٹی تیل لیں اور کڑے گوندھ سے سائز
 کی پوریاں گاٹ لیں۔ اس پر قیہ رکھیں۔ اس کی شکل
 دے کر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کر کے اس کی پرچھنی کے
 ساتھ سرو کریں۔

چکات و برائے

گوئی: جیسا کہ کرپسی پر پڑھا ہے

2126

Cl

لے

ریکھانے کے لیے

212



نویسنده: محمد علی باقری

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

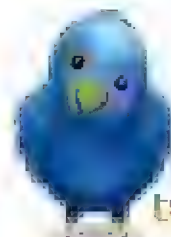
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہائے کا درد رنگ

ڈیڑھ گرام

چند قطرے

اسپائسی چکن ڈرم اسٹک

ترکیب :-

آلو بخارے اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں۔ آدھا کر پانی میں آلو بخارے ڈال کر رات بھر کے لیے چھوڑ دیں۔ صبح کو اسی پانی میں آلو بخاروں کو بال لیں۔ دو جوش آنے کے بعد چوبیس سے اتار لیں۔ جھلکے اور کھل نکال کر پھینک دیں۔ اب اس دس میں چھٹی ملا کر پکائیں۔ ایک تار کی چاشنی تیار ہو جائے تو اسے صاف کر کے درد رنگ بھی ملا دیں اور پیچ چلا کر سب کچھ اچھی طرح ملا لیں۔ پھر اتار کر ٹھنڈا کر لیں اور صاف بوتل میں بھر لیں۔

اشیاء:

چکن ڈرم اسٹک
ادرنک، لہسن پیسٹ
ہلدی نمک
سرخ مرچ
سرکہ
گرم مسالا پاؤڈر
لیموں کارس
ہرا دھنیا
سیاہ مرچیں (جنوبی پس ہوئی)
آئل

آٹھ عدد
دو کھانے کے چمچے
حسب ضرورت
ایک چائے کا چمچ
آدھا کپ
آدھا چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچے
دو کھانے کے چمچے
ایک چائے کا چمچ
حسب ضرورت

حنا فرحان..... لاہور

نکس فروٹ اسکواش

اجزاء :-

ایک کپ
ایک کپ
ایک کپ
ایک کپ
تین کپ
آٹھ کپ

نکس فروٹ اسکواش
ایک کپ
ایک کپ
ایک کپ
ایک کپ
تین کپ
آٹھ کپ

آدھا چھوٹا جج
چوتھائی چھوٹا جج

پوٹاشیم مینا بائی سلفائیٹ

ترکیب :-

لیموں، انگور، انٹناس اور انگور کے رس کو ایک ساتھ ملا کر ایک کپڑے سے چھان لیں۔ چھنی کو پانی میں حل کریں۔ پانی کو بھی باریک کپڑے سے چھان لیں چھنی سے پانی سے ایک تار کی چاشنی بنا لیں چاشنی ٹھنڈی کر لیں۔ دس، چاشنی اور نمک کو اچھی طرح سے ملا لیں۔ ٹھنڈے مرکب میں آدھا کپ پانی میں پوٹاشیم مینا بائی سلفائیٹ گھول کر ملا لیں۔ تیار اسکواش کو بوتلوں میں

اجزاء:

چکن
نوڈلز
کٹی لال مرچ
زیرہ بھنا ہوا
مسٹر پیسٹ
سویا ساس
کالی مرچ

ایک پیالی
ایک پیالی (بال لیں)
آدھا چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ

نوبت جین..... کراچی
کروسی چکن مینڈوج

پیرکھنڈ میں لپکا ہوا
تیل (سلائس) پر لگانے اور کھانے کے لیے
ڈبل روٹی سلائس

اس میں ہری مرچ ڈال کر بھاریں اور سرے سے
چٹوں کا لطف اٹھائیں۔
طلعت نظامی..... کراچی
چائیر سلاو

ترکیب!
چکن کی بوٹیاں کالی مرچ، چٹنی نمک کے ساتھ اہل
کر ریشہ کر لیں۔ اب نوڈلز بھی اہل کر ٹھنڈے کر
لیں۔ ایک بڑے پیالے میں چکن نوڈلز اور تمام مصالحے
ملا لیں۔ پھر آخر میں ملا لیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس کے
کنارے چاروں طرف سے لگاں دیں۔ اب ایک سلائس
پر آمیزہ لگا میں اور دوسرا اس کے اوپر لگھیں۔ باہر کی طرف
اچھٹ سے تیل لگا دیں۔ اب اس تیار شدہ سینڈویچ کو
سینڈویچ میکر میں بیک کر لیں۔ بہت سی طرح سے دار کرہی
سینڈویچ گرم گرم تیار ہیں۔ سینڈویچ میکر کے بغیر بھی
آپ سلائس کی فلیٹنگ کر کے چھری سے دو حصوں میں
کٹ کے سینڈویچ بنا سکتی ہیں۔

اشیاء:
چکن
سفید چنے
ایک کھی پاؤڈر
سلاو کے پتے
ہری پیاز
ٹماٹر

ایک کپ پانی ہونی (باریک ریشہ کر لیں)
ایک کپ (اچھے ہوئے)
ایک کپ (اچھے ہوئے)
چار عدد
دو عدد
ایک عدد (سرخ بڑا)
چکن عدد
تین بڑے چمچے
حسب ذائقہ
ایک چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
تین بڑے چمچے
چھ بڑے چمچے
ایک کپ (باریک کٹی ہوئی)

بڑے کے سلائس
نیشنل بوائے اسٹوڈنٹس
نیشنل بوائے اسٹوڈنٹس
مستز پاؤڈر
نیشنل سیاہ مرچ
نیشنل سفید سرکہ

صائمہ اسحاق علی کراچی

کھٹے چنے

اشیاء:
آدھا کھو پنے
پیاز
سرخ مرچ
اورک، لہسن پیسٹ
آلی کاڑی
سفید زیرہ پاؤڈر
ہری مرچ
انار دانہ عرق

ماونیز
بند کھجور
ترکیب:
برٹے کے سلائس کے کنارے کٹ کر چھوٹے ٹکڑوں
کر لیں اور ڈیپ فرائی کر لیں اور کاغذ پر نکال کر رکھیں۔
ایک شیشے کے بڑے پاؤل میں پانی ہونی چکن سفید
چنے نوڈلز باریک کٹی ہوئی ہری پیاز بند کھجور، انار دانہ
سلاو کے پتے اور برٹے کے ٹکڑے ملا لیں۔ سلاو سرہ
کرنے سے پہلے سوڈا ساس نیشنل ریٹینٹ سالت اسٹرو
پاؤڈر سیاہ مرچ سفید سرکہ ماونیز کس کر کے سلاو میں
کائے کی عدد سے اچھی طرح کس کریں اور کھانے سے
لے پیش کریں۔

ہر روز رات بھر کے لیے بھجھو دیں
تین عدد بارے کھٹے ہوئے
آدھا چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
آدھی پیالی
ایک چائے کا چمچ
تین عدد
آدھی پیالی

ترکیب:
چٹوں میں چھ سات پیالی پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر
چڑھا دیں اور ساتھ ہی تمام مصالحے اس میں ڈال دیں اور
پختہ ہو کر کھٹے دیں۔ جب پانی سوکھ جائے چنے گل

بیرونی کانسیڈ

درد بین احمد

موسم گرمیوں میں آئی میک اپ سال کے جتنے بھی موسم ہیں ان سب کا اثر ہمارے جسم پر پڑتا ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ موسم اچھا ہے یا برا۔ ہوشیاری یہی ہے کہ آپ اچھے موسم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور برے موسم سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ آنکھوں کے بارے میں سب کی مشفقہ رائے ہے کہ یہ ہمارے جسم کا سب سے نازک اور پرکشش عضو ہے۔ مائے اس گرہی میں آنکھوں کو محفوظ رکھنے کے حوالے سے آپ کو کچھ کارآمد نہیں بتاتے ہیں۔

موسم سرما میں سویرے خوب آگ برساتا ہے۔ ہوا بھی گرم چلتی ہے اور گرمی و غبار کا بھی زور ہوتا ہے اور یہ سب آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ آپ کو کچھ حفاظتی اقدامات کرنے ہوں گے اگر آپ چاہتی ہیں کہ گرم موسم میں بھی آپ کی آنکھیں صحت مند اور زبردست نظر آئیں تو آپ کو آنکھوں کے حوالے سے ذیل میں دیے گئے اقدامات ضرور کرنا چاہیے۔

۱۔ اپنی آنکھوں کے نیچے حصہ کو چھپا کر رکھیں کیونکہ یہی حصہ بہت حساس ہوتا ہے۔ مطلب آپ کو چشمہ لگانا چاہیے۔

۲۔ زیادہ ٹیکسٹور والی سن اسکرین کا استعمال کریں اور اسے آنکھوں کے نیچے پولوں پر لگائیں اس کا مقصد یہ ہے کہ گرمیوں میں آپ کی رنگت میں فرق نہ پڑے۔ اس سے آپ کی آنکھوں کے نیچے شگنائیں بھی نہیں بنیں گی۔

۳۔ گرمیوں کے حوالے سے ایک بہت ہی آسان ٹکرموٹر کیئر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانی پیا جائے کیونکہ گرمیوں میں جسم کے ہر عضو کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور آنکھوں کو تو ازمنہ پانی چاہیے کیونکہ یہ

ہمیشہ نم رہتی ہیں گرمیوں میں زیادہ پانی پینے سے آنکھوں میں چمک بھی پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ گرمیوں میں آنکھوں کی دیکھ بھال کا مطلب ان کی صفائی ستھرائی ہے۔ صاف پانی سے آنکھوں کو پانچ سے چھ مرتبہ روزانہ دھوئیں۔ اگر آپ آنکھوں کے حوالے سے مزید سکون چاہتی ہیں تو عرق گلاب کا استعمال کریں یہ بہت پرانا اور آزمودہ نسخہ ہے اور بہت کارآمد اور موثر بھی۔ عرق گلاب ایک اسٹین بیکٹریل ٹانک کے طور پر کام آتا ہے اور آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے۔

۵۔ آنکھوں کو آرام پہنچانے اور ان کے نیچے سیاہ حلقے کو ختم کرنے میں کھیرا بھی اپنے اندر جادوئی اثر رکھتا ہے۔ سوئے سے اپنی آنکھوں پر کھیرے کے سلائس رکھیں اور اس کی خشک اور تازگی سے لطف اندوز ہوں۔

۶۔ گرمیوں میں آنکھوں کا میک اپ ہلکے سے ہونا چاہیے۔ تیز اور شوخ شیڈ بالکل بھی اچھے نہیں لگیں گے۔ گرمیوں میں آئی میک اپ کے لیے مندرجہ ذیل میک اپ استعمال کرنا چاہیے کیونکہ یہ قدرتی ہوتے ہیں اور آپ کی آنکھوں کو گرمیوں میں محفوظ اور فریش رکھتے ہیں۔

آئی میک اپ

مشہور بات ہے کہ آنکھیں دل کی کھڑکی ہوتی ہیں مگر جب ان کو میک اپ کر کے خوب صورت بنانے کی بات آتی ہے تو اکثر خواتین اس میں ناکام رہتی ہیں۔ قریب چھوٹی ہو یا بڑی آنکھیں بہر حال توجہ کا مرکز ہونی چاہیں کیونکہ ہمارے چہرے پر سب سے پہلے جس چیز کا نوٹس لیا جاتا ہے وہ ہماری آنکھیں ہی تو ہیں۔ آنکھوں کا ہلکا سا میک اپ بھی جادوئی اثر دے سکتا ہے اور آپ کے لک میں اضافہ کر سکتا ہے۔

آئی میک اپ کا اہم مقصد ہوتا ہے آپ کی آنکھوں کو ایک ٹیکسٹورس لک دینا مگر اس کے لیے آپ

آئی

223

جولائی 2014

آئی لائٹر استعمال کیا جائے محض جھک اور براؤن آئی لائٹر کے ذریعے بھی ایک شان دار آئی لائٹر تخلیق کر سکتی ہیں۔ آئی لائٹر بھی زیادہ تاثر انگیز بنتی اور ہفتی اور نظر آتی ہے جب ان کو چکوں سے قریب تر لگایا جاتا ہے اور اندرونی کنارے سے بیرونی کنارے کی طرف لگایا جاتا ہے۔

ہائی لائٹر

ہائی لائٹر کے ذریعے آئی میک اپ کو مزید زندگی ملتی ہے اور یہ اور واضح ہو جاتا ہے بطور باختر یاٹ شیدو کا استعمال کیا جائے اور اسے اندرونی کنارے پر زیادہ نمایاں کیا جائے۔ اسی شیدو کو بھنوں کی ہڈی پر بھی تھوڑا سا لگایا جاتا ہے۔

کولنگ

آئی میک اپ اور زیادہ پرکشش چکوں کو کرل کر کے بنایا جاسکتا ہے اور ان کو اور زیادہ نمایاں بھی کیا جاسکتا ہے۔ کرل کر چند سیکنڈ کے لیے بلوڈ رائے سے نرم کریں اور احتیاط سے اسے چکوں پر کرل کرنے کے لیے استعمال کریں۔

مسکارا

آئی میک اپ کا آخری مرحلہ مسکارے کا استعمال ہے اور اسے اوپر اور نیچے دونوں چکوں پر لگاتا ہے۔ مسکارے کی ڈنڈی کو بہت ہوشیاری سے آگے بچھ کر کے استعمال کریں اور اپنا آئی میک اپ مکمل کریں۔

فار یہ بتوں..... سب لکھت



کے پاس آئی میک اپ کو استعمال کرنے کا ہر بھی ہوتا چاہیے۔ ہم سب شام کی پارٹی کے لیے ایک پرکشش آئی میک اپ چاہتے ہیں مگر اکثر خواتین کو آئی میک اپ کی تکنیک کا پتا نہیں ہوتا۔ ذیل میں اس سلسلے میں سب سے اقدام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو آپ کے آئی میک اپ میں کامیابی ثابت ہو سکتے ہیں۔

تیار کرنا

آئی میک اپ کرنے سے قبل کنسیلر کا استعمال کر کے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے یا کوئی دامنہ وغیرہ کا نشان ہے تو اسے ختم کر لیں۔ ہر آنکھ کے نیچے کنسیلر کے تین ڈاٹ لگائیں اور ان کو اندرونی کنارے سے پلینڈ کرتے ہوئے بیرونی کنارے تک آجائیں تا وقت یہ کہ یہ برابر ہو جائے اور بالکل نظر نہ آئے۔

آئی بیس

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آئی میک اپ کئی گھنٹوں تک اصل حالت میں برقرار رہے تو دونوں پہوٹوں پر آئی بیس لگائیں اور ان کو اچھی طرح سے پلینڈ کر لیں۔

آئی شیدو

آئی میک اپ کرتے وقت یہ بہت ضروری ہے کہ آپ درست کمر اور شیدو کا انتخاب کریں اور ان کو اپنے ڈرنس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ آنکھوں کو پرکشش بنانے کے لیے عموماً تھری ٹونڈ آئی شیدو کا استعمال کیا جاتا ہے بہترین طریقہ یہ ہے کہ لائنٹ کمر سے میک اپ کا آغاز کریں جو آپ کی جلد کے ٹون سے صحیح کرنا ہوا ہو۔ اسے پہوٹوں پر اس طرح استعمال کریں کہ ہشروک بھنوں کی طرف جا کر ختم ہو۔ اس کے بعد پہوٹوں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک میڈیم کمر آئی شیدو لگائیں اور کریز میں اس سے تھوڑا استعمال کریں۔ آئی میک اپ کو نیچرل لک دینے کے لیے برکھرو اچھی طرح پلینڈ کر لیں۔

آئی لائٹر

بہترین آئی میک اپ یہ ہے کہ ڈارک شیدو کو بطور

نیرنگ خیال

ایمن وقار

ماہی صیام

یہ رہب کا لطف و انعام ہے

آیا ماہی صیام ہے.....!

اگرش ہوتا ہے

نور ہے

ہر کوئی شاد

اور مسرور ہے

آیا ماہی صیام ہے!

دھنوں کے درختے

عیاں ہوں کے شریے

ذرا ہر ایرنگی کا

سزگنا اجر ہے

آیا ماہی صیام ہے!

مسجد کی بہاریں

لوٹا میں

تراویح کی محافل

لوٹا میں

بچے بھی جھوم کر

کھتے ہیں

حرف و افطار کی

رواق کوٹا کی

آیا ماہی صیام ہے!

پہلے دس دن

باران رحمت

اس کتا گے ہے

اذان مغرت

آخری عشرہ ہے

دونوں سے نجات

ساتھ میں ہے

شب قدر کی رات

گناہگاروں نہ گھبراؤ

رہب سے اب تم

بختیش پاؤ

آیا ماہی صیام ہے!

یہ رہب کا لطف و انعام ہے!

مذاق لطیف..... کراچی

غزل

گل رنگ نظاروں سے بہاروں کی حدوں تک
چمچا ہے ترا چاند ستاروں کی حدوں تک
دیکھا ہے ترے حسن کا چڑھتا ہوا سورج
خوش ہو کے جزیروں سے گلابوں کی حدوں تک
منظر ہے تری دید کا آنکھوں میں دھاری
پہرہ ہے تری پاؤ کا خوابوں کی حدوں تک
چلتے ہیں دینے تیرے اشراف سے سر شام
چلتا ہے ترا چاند آوازوں کی حدوں تک
اک عمر غمزدہی ہے محبت میں تمہاری
دھونڈا ہے تجھے ہم نے سراپوں کی حدوں تک
تسلیں حکیم ہیں کو کیا پیار سے ہم نے
چاہا تھا جسے ہم نے دلاؤں کی حدوں تک
حکیم خان حکیم..... ایک

نظم

کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
پھولوں پہ جب شبنم پڑتی ہے
سادوں کی چھری جب کتی ہے
یاد و رحمت میں پھولوں کے
کوئی کوئل نغمہ گاتی ہے
یا ماہی صیام پھر جسے
دھیمی سرگوشی کرتی ہے
یا تیرا اندھ میں بھی نہیں
وفا کا وہ پہ جو جتنا ہے
یا پھر مہربانی کا موشی میں
کوئی نہ جانتی سر کتا ہے
یا پھر گاہوں کی گلیوں سے
کوئی ہے پس شخص گزرتا ہے
جب سونے سونے آگے میں
کوئی تھا خود سے الجھتا ہے

انجیل

225

جولائی 2014

جب دم چھم برکتی بارش میں
اک دھندلا نقش ابھرتا ہے
یا پھر دل کی دھڑکن ہی
کبھی پاگل سی ہو جاتی ہے
یا اس بھیر میں دنیا کی
کوئی خواہش ہی کھو جاتی ہے
یا بھولے بھٹکے کبھی ہی گھروں کو لوٹ کے چلتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

نافیہ فتن عائی ... نکانہ صاحب
اوجھوڑے خواب

ہر بچہ قلب پہ تیرے آئینا
قد سوں کی آہستہ ...
روایتیں جنہم پہ تیرے وصل کے
اوجھوڑے خواب ...
منتشر سانسوں کی بے چینی سامعین ...
شب کے تباہیوں میں
اوجھوڑے شہر کے خوابوں کی طرح ...
اوجھوڑا مجھ کو گھر ہے ہیں
جیسے خواب زندگی بھل رہے ہیں
اوجھوڑے لوگ مر رہے ہیں

سامع ملک پر دین ... پھیرتے خانہ پر ہزارہ
من موبنے خواب

سنو کیلی!
ان سے فک کے رہو کہ
ہوئی عمر کے خواب بڑے ظالم ہوتے ہیں
کبھی بناتے ہیں
کبھی رلاتے ہیں
پتھریں لٹکانوں سے بھر پور ہوتے ہیں
کچھ سننے سننے سے
کچھ بھڑکنے بھڑکنے سے
بہت بہانے ہوتے ہیں
برسات کے موسم کی طرح
بہت پرکشش لگتے ہیں
نرا لے اچھوڑتے اور منظر دوکتے ہیں

مگر جب ٹوٹتے ہیں
تو اپنی شخصی تلوار سے
بڑا گہرا زخم لگاتے ہیں

سورہ فلک ... کراچی

نگاہ یار میں سب سے شباب لگتا ہے
کبھی چراغ کبھی آفتاب لگتا ہے
طا ہے شرف اسے دل گداز ہونے کا
ستم ظریف ہے ایسا کہ خواب لگتا ہے
ترا گنگہ کہ جسے تو بجا سمجھتا ہے
مرا گماں کہ مجھے بھی شباب لگتا ہے
پہ چاند زوب کے ہاتھ سے جب لگتا ہے
کبھی شباب بھی ہے خواب لگتا ہے
بھر کہوں جو غزل تھو سے دل شکست پر
تو جان کو بھی نہیں خطرہ لگتا ہے
ذمہ داری کی شب غم خیال چاہیں گے
غزل یار میں جینا خواب لگتا ہے
نیاں خبر خیال

ڈروان

ذہنی دھوپ
زردی کرشم
سنان ہی راہیں
خاموش فضا میں
بوسے چھپی
شام اندھیری
کٹری ہو لڑکی
راہ میں ایلی
یا کھڑی ہی ...
یا کھڑی ہی ...
گھر تھا جس کا
بہت قریب پارا
گرا ہے جس پہ
آگ کا دھارا
کیا تھا بگاڑ ...
اس نے تمہارا

پھر کیوں میں اُنجانے مہماں ڈھونڈوں
مرے دل میں ہے پر پھر بھی دور ہوں اس سے
پھر کیوں میں نہ اسے پریشاں ڈھونڈوں
دو سب سے پیار کرتا ہے بے حد و بے حساب
پھر کیوں میں اپنے لیے جاننا ہڈیاں ڈھونڈوں
اس کی یاد ہی دولت افضل ہے بہم
پھر کیوں میں ساز و ساماں ڈھونڈوں
وقامس خان بہم

تم آنے کے

راستہ ڈھنڈے لگی
چاند تھکنے لگا
سوچ کا ہر زاویہ
رنگ بدلنے لگا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آئیں
کتنی خوشی آج کا نظام لے کر
میری ریشوں سے خوش ہو جاتی ہوئی
گلے دگڑاؤ کو جھگانے پھیں
اور نہ چاہیں.....؟
میرے تئیں گئے اک جھٹکنے چیز پر
چھپانے نہیں
اور ہم.....!
رت جگوں کے مسافر
ہر شب کی طرح
خوابوں، خیالوں کی آواز سے روتا
سوچتے ہی رہے
تم ہے وہاں تو نہیں شاید مجبور ہو
تنبہی توڑتے دل کی کوئی بھی صدا سن نہ پائے کبھی
ہم پھلتے رہے
راستہ ڈھنڈی رہی
چاند جھٹکا رہا
دل تھکتا رہا
بعدہ کر کے صدمہ ہم کھا کے قسم
نہا نہ سکے
ہم تو پتے رہے، تم آنے کے

سیدہ جیا عباسی..... تانہ گنگ

جس کا تم نے
گھر ہے چاڑھا.....!!
صدیقہ خان..... باغ آزاد کشمیر
بے بسی

وقت کی روانی میں
عشق کی کہانی میں
زیست اک قیامت ہے
اور اس قیامت میں
ساتھ دھیرے دھیرے اس کا
رگوں میں بچھ
خون کی مانند دوڑتا
کبھی دھوپ کی زندگی کو
سیاہ سا بچھتا ہے
تو بھی رشت کے لاکھ صل
سفر کا ہم سفر بنا ہے
دھوپ اور پھیلاؤں کے
اس تکیاں میں
جھپٹتی میں
دور لگی آئی دلوں
اس قدر دور کہ
اب واقف کا راستہ
خوابوں کی دھول ہے
اور اس دھول کی خاک
میرے چہرے پر لپکتی
میرے حناں پر مسکراتی ہے
اور درافت پہ جھگڑاتا
دشت کا تنہا چاند
مجھے بے بسی سے ٹکاتا ہے.....!

سیرا غزل صدیقی..... کراچی

نغم

ڈھونڈنے سے جب خدا ملتا ہے
پھر کیوں میں قلی جہاں ڈھونڈوں
خدا کا گھر ہی کافی ہے میرے لیے
پھر کیوں میں اپنا مکان ڈھونڈوں
اس کی یاد جو ازل سے ہے میرے دل میں

نظم

میرے مولا

میری زیست کے وہ لحاظ
جو تیری یاد سے غافل گزرے
بے بسی رنج و ملال کا اظہار
اشک کی صورت تم سے معافی کا طلبگار
تجھے تیری رہنمائی کا واسطہ
کردے معاف نشانِ کرمی کا واسطہ

میرے نفس کو پاک کر دے

قلب و نظر کو روشن کر دے

بس میرے مولا اتنی ہی سے انتہا

کر دے معاف مجھے بس اتنی ہی سے دعا

آنسو شہیر..... ڈوگہ بھرات

غزل

مجھے کیا پڑی کوئی مشکل ہے
جب سورج ہی دریا کا حائل ہے
بنا کے گھر وندے توڑ رہا ہوں
دور سمندر سے قریب ساحل ہے
اسے بھینسی تم اپنی ہی رہنا
فسانہ غم میرا حالِ دل ہے
لگاؤں جھگی ہیں مسکرا رہے ہو
جیسے زہر میں آمربہ شہل ہے
دفا میں لٹکی ہی ہوئی ہیں
جو مسیحا ہے وہی تکلی ہے
سہرا راہ اک حادثہ دیکھا میں نے
وہ اب تک مجھ سے غافل ہے
سیف وہ پریوں میں رہتی ہوئی
وہی تو اس کی اصل منزل ہے

سیف الاسلام..... لیاقت آباد، کراچی

نظم

اس عشق کے دریا میں

اگر تم ڈوبنا چاہو

تو تم کو انتہا سے کہ

درا انجام پر بھی تم

نظم اک نظر تو کر لو

ذرا معلوم تو کر لو

کہ یہ جو عشق ہے اس کا

تو دریا بھی سمندر ہے

یہ گہرا بھی ہے اور

دلہلی کی طرح بھی ہے

اگر یہ صحیح لے تم کو وسیع تر سورج سے اپنی

تو تم واپسی کا راستہ بھول جاؤ گے

یہ تم کو چھین لے گا جب

تمہارے اپنے پیاروں سے

تو تم بچھتاؤ گے بے حد

مگر کچھ کر نہ پاؤ گے

اگر یہ عشق کا دریا

تمہیں لے زوبے کے بعد

تم کو مل نہ پاسے تو

بتاؤ کیا کر دے جب

بھیں معلوم ہے یہ سب

بھیں انہم ہوا تھا

کہ ہمیں بھی پیار ہوا تھا

شعاعِ ذہنیں... کراچی

غزل

بادلِ غمِ رے ہیں گھٹاؤں کی خیر ہو
ہیں لوگ بے زبان صدائوں کی خیر ہو
طفلیانیوں کا خوف ہے دریا میں ان دنوں
سب کچھ اجاڑ جائیں نہ گاؤں کی خیر ہو
کب سے مسافروں کے لیے ساجیان ہے
چپلیں کے گھرے ہڈ کی پھاؤں کی خیر ہو
سورجِ دنگ رہا ہے ہڈی آن بان سے
دھڑلے اپنی خشک پہلوؤں کی خیر ہو
صحرا نور چل پڑے ہیں بھوسے اوزہ کر
چنے لگی ہے ریت بھی پاؤں کی خیر ہو
سُکری ہے ہم نے ختم جہالت کی خیر ہو
روشن ہے صمیم علم نیاؤں کی خیر ہو
مہلک بیماریوں میں ہیں بچے کھرے ہوئے
عاری ہیں احتیاط سے ماؤں کی خیر ہو

انجیل

228

جولائی 2017

ہمارا ہاتھ چھوڑ دینا

حمیرا افشا..... رحیم یا دھان

غزل

تم جانا چاہتے ہو مجھ سے دنیا کا حساب
آؤ میں بتاؤں تمہیں پھر آخرت کا حساب
چھو بتاؤں ہوں تم کو پس منظر میں حشر کا
ڈرنا بھی تم، کرنا بھی تم اے لوگوں بے حساب
تم جیتے ہو دنیا میں رب سے ہو کر ہوں غافل
پھر روتے ہو اس وقت جب دیتا ہے وہ عذاب
رحمن ہے رحیم ہے بے شک کریم ہے
مانگو تو سہی دل سے دے گا وہ بے حساب
دیتے ہو دیکھ ہر شخص کو اس لوگوں بے پناہ
ظاہر ہے دے گا کائنات پھر نہ دے گا وہ غلاب
نہ دیکھ غلام تو دنیا کی حسرت، رفاقت
تو راضی کر خدا کو وہ بخشے گا بے حساب.....
علمہ شمشاد حسین ... درنگی گرامچی
نظم

تم نے کہا تھا
پہلی بارش کے پڑتے ہی
لوٹ آؤ گے
ہم اور تم مل کر بھٹکیں گے
دیکھو جاناں
کتنی چھوڑیں بیت چکی ہیں
ساؤں پھر سے لوٹ آیا ہے
برسوں پہلے کیا تھا تم نے
مجھ سے عہد
نبھاؤ نا
اب تو لوٹ کے آؤ نا

فیاض اسحاق..... سلا نوان



ان کے سروں پر کاش سلامت رہیں سدا
ملت کی ٹہنیوں کی رداؤں کی خیر ہو
آنکھوں میں اشتیاق ہے دل میں تڑپ مرے
امی دل رہا کی شوخ اداؤں کی خیر ہو
شاگر نہیں تیر جب رزق حلال کی
کسے ہوں مستجاب دعاؤں کی خیر ہو
شاگر نکلائی..... سرگودھا

فیض

اپنی زیست کے صفحات سے
ہمارے وجود کا صفحہ
تار تار کر دینا
اپنی بھر کن
سوچ سے
بوسیدہ محبت کے بوجھ سے
ہمارا خیال کھرچ کر دینا
ہمارا دم مٹا کر دینا
جذ بے جب سرد پڑ جائیں
ارمان دل سے اتر جائیں
تورٹتے کو
مناقت کے دھاگوں سے
دنیاوی برسوں سے
ملاوٹی باتوں سے
آزاد کر دینا
جذ بے جب سرد پڑ جائیں
جانتیں بے موت مر جائیں
توسلح کے رستے پر
پرستوں قدموں سے
واپس پلٹ جانا
ہمارا ساتھ چھوڑ دینا
احساس کی مٹی سے
تعمیر سینوں کے محلات
سہا کر دینا
جذ بے جب سرد پڑ جائیں
کوئی مجھ پر اور نہ لینا
تعلق جبرائیل نہیں ہے

دوست کا پیغام آئے

بہار احمد

dkp@anchal.com.pk

شاہ گروپ کے نام

استقامت علیکم السلام! آج تو شاہ گروپ کے ٹیکے تارے کی سالگرہ ہے اور وہ چھٹا بار ہے شرمین قیوم، بی بی سیٹ فریڈیکا اور برنی کی 25 ویں سالگرہ ہے۔ 25 جولائی کو تمہاری برتھ ڈے ہوگی۔ صدا سنکر آتی رہو زندگی کے سفر میں خوشیوں کے راستے میں چاہتوں کے درمیان وہ سب کچھ ملے تم کو جو فخر میں ہے جو صبح کی ابتداء میں ہے جو ستاروں کی چمک میں ہے جو چاند کی دھبہ میں ہے جو پھولوں کی مہک میں ہے اور جو تمہارے دل میں ہے آمین۔ سنو! شرمین سالگرہ مبارک ہو جیو کی رہائی زندگی شاہ تالیوں کے ساتھ یہی گنتی دن پتی برتھ ڈے ہو۔

سنتی شاہ... چک سارو بکرات

بیارے ہو جی کے نام

استقامت علیکم السلام! سب سے پہلے تو ابو جی آپ کو بہت بہت مبارک ہو کیا آپ منقریب حج پر جانے والے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ کرم ہے اور مجھے سب سے زیادہ اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے میری سالگرہ والے دن آپ کو اور ہم سب کو یہ تحفہ دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام امت مسلمہ کو اور بالخصوص مجھے اور تمام بھائیوں اور دوستوں کو مرنے سے پہلے ایک بار تو جنت مدینے کی حاضری ضرور نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ اور 25 جولائی کو میری دلی جان کی برسی ہے تو میری اپنی تمام راکھ زاریہ رونا اور فریڈ سے درخواست ہے کہ وہ ایک بار سورۃ فاتحہ اور 1 بار سورۃ اخلاص پڑھ کر ان کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے آمین اور ان تمام دوستوں کی بھی شکر گزار ہوں جو مجھے اپنے پیغامات میں یاد کرتی ہیں۔ میں بھی آپ کی دوستی اور اپنے لیے محبت پر فخر کرتی ہوں سویت نوشی جانو 27 جولائی کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ تمہاری اور میری تمام پریشانیوں کو حل کرے آمین۔

امبر گل... جھنڈو سندھ

آنگن کی ٹھیں کے نام

میرے آنگن کی ننھی ننھی کھیں کرن اور صبیحہ تم دونوں کو تمہاری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے تم دونوں ہمیشہ شاد و ہار ہو اور قدر دان لوگوں میں باؤف 19 جولائی کو صبیحہ اور کرن کی 31 جولائی کو سالگرہ ہے جس اپنے پیارے بھائی کے توسط سے تم دونوں کو شکر کرتی ہوں تمہارے پیارے بھائی اور بھی راجہ احمد جمال بھی تم دونوں کو بہت بہت مبارک باد دیتے ہیں۔ ارم کمال... منتظر آباو

عسیر بھائی کے نام

استقامت علیکم السلام! کیا حال چال ہے میرے پیارے بھائی 24 اگست کو آپ کی سالگرہ ہے پتی برتھ ڈے کرنا چاہتے ہیں کھڑا پھر گنٹ بھی دوں گی پگی۔ ابھی سب سے پہلے دوش کرنے کا اعزاز جو حاصل کر رہی ہوں ویسے عسیر بھائی فخر کب تشریف لادے ہو آپ سے زیادہ آپ کے لپ ٹاپ کی یاد آتی ہے باااا۔ اپنا خیال رکھنا بھیا جی اللہ حافظ۔

سعدیہ رمضان سعدی... صادق آباو

بیارے پیارے کے نام

بیارے پیارے ہمیں آپ سے اتنی محبت ہے کہ جیسے سمندر میں پانی۔ ہم پر ہے ہمیشہ آپ کا سانس پوری زندگی ہم سے آپ کے ساتھ ہے جالی۔ آئی کو جو پیارے بھائی آخر میں سب سے بہنا چاہوں گا کہ شب معراج کی رات میرے رات کی وفات ہوئی تھی تو آپ سب سے گزارش ہے کہ ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور باقی سب قارئین بہنوں کو سلام۔

عائشہ پروین... کراچی

آنجل فریڈ کے نام

ایس جوں شاہ طیب طاہرہ طوبی خدیہ شریوال ریحانہ کوثر... میرے سوالات پسند کرنے پر آپ کا بہت بہت شکریہ ہے تو آپ دوستوں کی محبت ہے جو کہ میرے سوالات کو پسند کرتی ہیں میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام آنجل فریڈز کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین۔

پروین افضل شاہین... بہاولنگر

بیاری دوستوں کے نام

میری پیاری سی دوستوں عائشہ ملک طلحہ انا مڈل کول رہا ب سکنی ملک شاہ زندگی یاد یہ انٹر سب کو میرا سلام۔ کسی ہو دوستو! اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوشیاں دے گا فرمائے آمین۔

آنجل

230

جولائی 2011

مٹکی ملک آپ کو اللہ سے عمرہ کی سعادت عطا فرمائی بہت بہت مبارک ہو۔ چند مثال جناب آپ کہیں لم ہو؟ صحت تمہاری باتیں بہت پیاری ہوتی ہیں، ظلمے جہاں تم اپنا خیال رکھا کرو، ہر نفل تم بھی کوئی یار کہاں دیتی ہو؟ اور تم کوئی فرح میری بہت ہی پیاری تھی، کڑن شفقت (رکھو لو مجھے یاد تھا) اور تمام آچل قارئین راہِ نواز آچل اسٹاف اور تمام اہل اسلام کو میری جانب سے دُعاؤں بہت بہت مبارک ہو۔ ام شامہ آپ کو میری دوستی قبول نہیں آپ نے کوئی جواب نہیں دیا رمضان مبارک دعاؤں کی طالب۔

سبا نواز بھی۔ ساکھڑ
سبب زنگر آتا چل فریڈ کے نام

اسلام علیکم دوستو! کیسے مزاج ہے سب کے؟ سب سے پہلے منیاں زنگر آپ کی والدہ کا سن کے بے حد فکس ہوئے۔ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل دے آمین اور سبھی خان کسی ہیں آپ؟ اور بھوس میں نے تمہیں آچل میں یاد کیا باقی تمام آچل فریڈ کو سلام اور باں شکر رہا میں آپ کا نام بہت اچھا لگا اس کا معنی کیا ہے؟ اور تمام آچل فریڈ زبیر آچل اسٹاف کو رمضان مبارک ہو۔

نورین لطیف۔۔۔ لو پیٹنگ سنگھ
پیارے بھائی جان کے نام

اسلام علیکم! کیسے ہیں میرے پرس بھیا! 19 جولائی کو آپ کا برتھ ڈے ہے، نا سوچتی برتھ ڈے ٹو ڈیئر برادر حیران نہ ہوں گی یہ ہم ہیں آپ کی لاڈلیاں مریم بٹ، تمیلہ بٹ، شکیلہ راجیلہ اینڈ آپ کی سوئیٹ سی گزیا، امین فاطمہ! آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمیں ہر سال کچھ نیائی سوچتا ہے تو اس سال ہم نے سوچا کہ آپ کو آچل کے ذریعے ڈن کیا جائے۔ ہم سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں آنکھیں شامی، گزیا، امی اور ابو جی تو آپ کو ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ آپ کا آپ کے معش میں کامیاب کرے اور آپ کو آپ کے اپنے والدین کے لیے خوشیوں کا ذریعہ بنائے۔ 17 جولائی کو میری فریڈ سدرہ زمان کی سالگرہ ہے سدرہ پکی برتھ ڈے ٹو پو مالی ڈیئر۔ اقراء زمین آئی مس یو اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

مریم بٹ، تمیلہ بٹ۔۔۔ جو قیماں گہرات
دوستوں کے نام

اسلام علیکم! ڈیئر آچل فریڈ کسی ہیں سب؟ جن فریڈز نے مجھے شادی کی مبارک بادوں ان سب کا بہت بہت شکر ہے۔ لاڈو ملک کسی ہو یا را اللہ تمہیں خوش رکھے آمین۔ ارپہ شاہ تمہیں بھی اللہ پاک خوش رکھے آمین۔ عبدال ذہیر تمہیں کامیابیاں ملیں اور تم بہت آگے جاؤ پرنی پندہ پرنی جاناں ملک! ایس احمدی! ماورخ سیال! ریحانہ! چوست! سارہ! پندہ پرنی! فریحہ! شبیر! شاہزادہ! محمد! یحیٰ! نورین! ملک! سہاس! گل! (نورین فاطمہ! آچل میں انٹری دو) صبا نواز! بھٹی! کرن! شامہ! نازیبا! پی! کیرا! پی! مریم! آچی! کوثر! ناز! سب کو پیار بھرا سلام اور سبھی ہیں آپ! انا خان آپ کیسے ہوا صاحب کو پیار! انا خان میں آپ کو بھلائی نہیں سکتی جو دلی میں بستے ہوں انہیں بھلا پا نہیں جاتا! شادی کے بعد سے مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ سب دوستوں کو اللہ پاک بہت سی خوشیاں نصیب کرے آمین۔

صائمہ سکندر علی سومرو۔ حیدر آباد سندھ
دل سے وابستہ لوگوں کے نام

اسلام علیکم! الوری باؤی کیسے ہو سب؟ جی تو آپ را شدہ! آپ نے آچل پڑھا! کیسا لگا میرا آچل میں! نا ضرور بتائیے گا۔ آپ کی صحت آپ کو بھی خوشی ہوگی یقیناً۔ تو میرے پیارے پیارے بھائیوں! اسامہ! عدیل! احمد! سر فراز! الفت! احمد! عبداللہ! عمر! سب تمہیک ہوتاں؟ اور سے یاد رکھو! گئے آپ اپنی آنٹی ماری کو! کیسا ہی ہوتا ہے اس شہد دل دنیا میں! اب جہاں چل کو پڑھے گا اسی کے ساتھ میرا راجہ ہوگا ورنہ نہیں کہے آپ! کنجوں لوگ! 50 روپے نہیں نکال سکتے سب سے ساجد بھائی پلیز آپ بھی میرا ساتھ مت چھوڑیے گا ورنہ میں ہار جاؤں گی رشتوں کے کھیل میں۔

ماری یا سہیل۔۔۔۔۔ سرگودھا
چاچو ویم کے نام

اسلام علیکم! چاچو ویم اکرم جی! آپ پریشان ہوتے تھے تا دیکھیں اب آپ کا کام آگیا ہے اور میں تمہاری سے آپ کی ہنگر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں تک پہنچانے میں میری سخی مدد کی ہے اگر آپ سچ بھی انکار کر دیتے تو۔۔۔ اللہ آپ کو لمبی عمر عطا کرے! لچھی بڑی سخی ہوں تا تو اس لیے سب سے چھوٹے چاچو کو دعا کریں دے رہی ہوں اور ہاں اللہ جلد از جلد آپ کی ٹانگ ٹھیک کر دے آمین۔ میں تمام قارئین و اسٹاف سے اپنے چاچو کی صحت یابی کی دعا کی درخواست کروں گی۔ اس کے بعد

پھر پوڈس کی شادی کے بعد آپ پریشان رہتے ہیں ابھی خوش رہا کریں ہونے نہیں ہیں تو اب میں آؤ ہوں (چاہے کام چھوڑوں یا بابا) اب میں آپ کو ایک بات..... چلیں چھوڑیں سوچ بخت کے میلے پر تاروں کی (بابا) اللہ حافظ۔

نورین مسکان..... دوسرے
عائشہ نور اور کرنز کے نام
ڈیئر عائشہ نور کیسے ہو؟ اوہ بچہ چھنے کی کیا ضرورت ہے اب تو تم خوش باش ہوئی ہوگی جو ہوگی جناب کی۔ چلو اب ذرا مطلب کی بات کرتے ہیں تمہیں یہ مسئلہ کی بہت بہت مبارک ہو اور ہاں ساری سلامیاں خود کھانی کچھ تو میرا بھی حصہ بنتا تھا جناب! آخر کو تمہاری چھوٹی بہن ہوں۔ یہاں تو منگیوں کا سیزن اسٹارٹ ہے ارم اور کرن شہزادی کو بھی میری طرف سے مبارک۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو شاد و آباد رکھے ہانگل میرے اوٹے نچل کی طرح آئیں۔

اقتی گلین۔ شادیوں کی جرات
تمام دوستوں کے نام
اسلام علیکم؟ تمام بڑھنے والوں کو رمضان مبارک اور کنول آپا اسعد یہ باتی خانی کا تڑپنا گفت باتی خانیہ صمیمی صبا آپا ساتھ بھائی خانیہ آپ سب کو بھی میری طرف سے رمضان مبارک اور بھی جن جن کے نام روکتے ہیں سب کو مبارک۔ اچھی آپا مومنہ آپ کو بھی مبارک آپ کا نام مرہ گیا تھا اچھا اللہ حافظ۔

شمن گیلہ فیروز صبریت..... چیاں بالا آزاد کشمیر
ساتھیوں کے نام

عظمیٰ شاہین انیلہ نازیں رابعہ زمانہ اساتذہ طاہرہ سومرہ سونیا کنول عین نور عمر شاہ طیبہ افضل طیبہ نذیر شمع مسکان شمع فیاضہ لیلہ ملک صدیقہ خانہ سباس گل فیضیہ آپا ایس بتول شادآپ سب کو میری طرف سے پُر خلوص سلام۔ امید واثق ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ نیلہ زبیر کہاں ہو یا زآپل میں اتھری دو۔ طیبہ بہنا آپ نے پکارا اور میں حاضر ہوئی اور ہاں میرا اہل نام میرا احمد ہے۔ شمع فیاضہ انشاء اللہ آپ مجھ سے بھی مایوس نہیں ہوں گی۔ صدیقہ خانہ دیر سے ہی سکی سوسٹ ویکم ایس بتول آپ نے مجھ کو چھڑ سے دوستی کی لیے ہاتھ بڑھایا بہت اچھا لگا اور عظیمہ ڈیئر شمع ناز فیصل اللہ تعالیٰ آپ کو بھی صحت اور نئی زندگی عطا فرمائے آمین۔ آملہ اور سرگودھا دل چھوٹا

کیوں کرتی ہو میں ہوں ماں آپ کی دوست اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

ایس اصول..... بھائی شریف
ایس بتول شاہ کے نام
اسلام علیکم ڈیئر ایس بتول شاہ کیسی ہیں آپ؟ آپ نے سب کو دوستی کا پیغام دیا جن میں میں بھی شامل تھی تو ڈیئر باقی جواب دیں خدیج میں آپ کو جواب دے رہی ہوں ابھی آپ کی دوستی قبول ہے ہوتا ہے ہم کی دوست ہوئیں۔ امید کرتی ہوں آپ سدا دوستی نبھائیں گی۔

نارین عباس دیا قریشی..... مونی خیل
چارے شوہر کے نام
دل کے مالک زندگی کی خوشی عمر بھر کا تسل کل 20 جون کو ہماری شادی کی پانچویں سالگرہ ہے میری دعا ہے کہ ہمارے گزرے خوب صورت پانچ سالوں کی طرح ہماری آئندہ زندگی یونہی چھوٹی اور بے پناہ جاتوں کے سنگ گزرے میری طرف سے آپ کو ہماری شادی کی سالگرہ مبارک ہو اور یہی دعا ہے کہ ہم اپنے نئے فرشتوں کے ساتھ یونہی خوشیوں بھری زندگی گزاریں۔

شازی گل۔ نصیر احمد
سلو بابا اور راجہ احمد کے نام
سلامین شہزادے سالگرہ مبارک ہو 31 جون کو تمہاری سالگرہ ہے راجہ تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔ ویسے تو ہر سال تم لوگوں کو دوش کرتی ہوں مگر اس وقت میں نے سوچا کہ کچن کے ذریعے دوش کر کے تم لوگوں کو سر پرانز دوں کیسا لگا سر پرانز؟ تمہاری بچی سالگرہ ہے سلو بابا بے اللہ تمہیں نصیر ساری خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین تمہاری پھر پو۔

آملہ خداداد۔ سرگودھا
سویت فریڈز کے نام
اسلام علیکم! فریڈز کیسی ہو سب ایس بتول شاد (ایم این مہجرات) مجھے آپ کی دوستی قبول ہے تو زیہ سلطانہ بڑی شہزادی گزریا ہو تم۔ عظمیٰ شاہین جی کچھ دیر دینی بڑی نہیں ہوئی ہو کوئی اتنا جانتی نہیں آپ اور عظمیٰ قریب بھی سسرال جاکے پھول ہی گئی ہے۔ نادیہ حسین کسی ہونا کہہ سکندریہ حیات اچھی زرگر سنیاں زرگر ایس اصول آلسہ شہزادہ مجھ نورین شمع مسکان ساری چوہدری خضار عباس ادولی علی جاہاں (چخوال) آپ کو استاد

اپنی قسمت کہاں اور پاس گشت کیا ہوگی۔ منہ بند رکھو بدتمیز لڑکی
آج کل کے ذریعے ڈش کرو یا یہ گشت کم ہے کیا۔ اب جلدی سے
کیک اور دس ملائی تیار رکھو۔ دھارے لیے منہ میں پانی آگیا
اواس نہ رہا کرو مجھے بہت برا لگتا ہے اوس کے آخر میں تمہاری
کانچ فریڈز حرا صدق عانتہ کو میرا سلام۔ یاد تم بھی آنا اس لڑکی
کی برتھ ڈے پہ بہت مزہ آئے گا۔ اوس کے جی مانا انا بہت خیال
رکھتا اور عاقل میں ہمیشہ اس ناچیز کو بھی یاد رکھنا اللہ حافظ۔

فی طرہ منظور... درندہ حیر

پیاری سی دوستوں کے نام

اسلام علیکم اذکر فریڈز سب سے پہلے تو میں اپنی بہت
سی پیاری دوست راحیلہ کو یہ کہنا چاہتی ہوں یاد بہت یاد آتی ہو
تمہارے بعد وہ تمام فریڈز جو میرا بہت سا خیال رکھتی ہیں۔
مجھے میری پریشانیوں میں سہارا دیا تو صلہ دیا۔ ان سب کو اللہ
تعالیٰ وحیروں خوشیاں عطا کرے آمین۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں
میں یاد رکھنا پلیز اللہ حافظ۔

ندا اچاز... کوثر خان

پیاری سسٹرن نورین لطیف کے نام

بائے نکمی ہو چھوٹی بہن! میری آج کل میں انٹری کی وجہ
جانتی ہو کیا... نہیں ناں... آؤ یاد آتم تو سوچنے لگتی ہوں۔
میری پیاری سوہنی چوکیٹی جتنی بھی بہن کی برتھ ڈے... وہاں
کرنے کے لیے آج کل سے میرے ساتھ چھوٹیں لگا پرینی سسٹر کیا
لگا میرا دل کرنا۔ میں آپ کا جنم دن بھول نہیں سکتی ہوں سوچو برا
تم؟ آٹھی خان اور سکی خان کی طرف سے آپ کو مبارکباد
اور سدا خوش رہو صرف اپنے خرچے پر... کوئی گشت نہیں رہے
کا بابا بابا۔

سکی خان... نوپیک سنگھ گمر

پھولوں کے نام

تھکتے ہوئے رنگ برنگے پھول آج کا حال بچتا ہے سب کا
گریموں کی چھٹیاں خوب مزے کی ضرورتی ہوگی۔ خوب بلا لگا
دور با ہوگا طیبہ ناز انا احب ساریہ جو بدلتی شاہ زندگی چیا
عباسی شمس ہما لوشین دتال اور دیگر قاریہ آج کل جناب کوئی
لکھت ہی نہیں اور بھائی وکاس آپ کو شگفتگی بہت مبارک ہو
آخر آپ نے اپنے لیے انجینئر لڑکی ڈھونڈ لی لی۔ سو بیہ تم
کراچی کی میر کردتی ہو میرے لیے بہت سی چیزیں لانا
رمضان کی بھی بہت بہت مبارک ہو سب کو اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین محکم... ہر تالی
پیارے سے احسن (بلور) کے نام

جان سے پیار سے بلو کیا حال ہے مجھے معلوم ہے کہ تمہیں
اپنی برتھ ڈے ہمیشہ یاد رہتی ہے گشت کے لیے گشت بھی
یادگار ہوتے ہیں لیکن آج کل میں لکھنے پر لفظ اور بھی یادگار ہیں۔
میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری زندگی میں اتنی خوشیاں بھروسے
جتنے آسمان پر ستارے اور دنیا میں پانی کے قطرے بلکہ ان سے
بھی زیادہ خوشیاں تمہاری منتظر ہوں آمین اور اپنے ائی ابو کی
اسیدوں پر پورا اترو۔ 22 جولائی کو تم پورے دس سال کے
ہو جاؤ گے اللہ تمہیں اپنے حفظ دامن میں رکھے لڑکی اور ابو کو
سلام اور باقی تین چچوں کو پیار۔ تمہاری خوشیوں اور تمہارے
لیے دعا گو تمہاری چانچا

مدیحہ نورین محکم

مدیحہ نورین بھروسہ اکیس جلول شام سیدہ دنیا عباسی کے نام
اسلام علیکم کیا حال ہیں آپ کے؟ مدیحہ نورین تم نے جانو
کے لیے دعائے مغفرت کی جزاک اللہ۔ مدیحہ تم نے ہانگ
ٹھیک سٹاپ ہے میرا شیر چوکی وائی پھولوں کا شیر ہے میرے شہر
میں پاکستان کی سب سے بڑی دوسری موجود ہے جو کہ ہمارے
نیچے اعزاز کی بات ہے۔ سیدہ جیا عباسی شادی بہت بہت
مبارک ہو اللہ تم پر اپنی رحمتیں بادل کرے۔ مدیحہ نورین اکیس
جولائی میں دعا میں آپ کی لیے بھی اور اس کے علاوہ خوش رہیں
جتنی رہیں آج بارہویں اللہ حافظ۔

فاہرہ بھٹی... چوکی

آج کل دوستوں کے نام

اسلام علیکم! میری طرف سے پورے پاکستان کو رمضان کا
بارکات مبارک بہت بہت مبارک ہو میری فریڈز طیبہ نازم سمیرا
شاہ ہادیہ کمران نازیہ نورین سمیرا شریف طوہام صریحہ اللہ احب نام
شامہ کور رمضان کی بہت بہت مبارکباد قبول ہو۔

طیبہ شیرین... نورین ندا بخش

پروین افضل اور دوستوں کے نام

پروین جی آداب آپ ہمیشہ ہی طرح خوش و خرم رہیں اور
دوسروں کو بھی ہنساتی رہیں اپنے اندر کھنگھو سے۔ اللہ تعالیٰ آپ
کے لڑکی مغفرت فرمائے۔ ہمارے کسی ہونا ساجکا لڑکی کے پیچہ
کی تیاری اچھی ہی کرنا اور ہاں مبارکباد... پتا ہے کیوں؟ میں
نے خواب میں دیکھا تم پاس ہوگی ہو (بابا بابا)۔ دوسری فریڈز

کے بارے میں دیکھنے لگی تھی کہ آج کچھ کھل جانی صوبہ تم کیسی ہو؟
 نو شاہزادہ کھانا کرو ہمارے گروپ کی سب سے چھوٹی بچی لگی
 ہو تم تو آفریقہ میں تم پھر والے دن جلدی آج فریڈا جناب چنگ
 کی تو ٹریٹ نہیں فی میں نے تمہارے تمہاری سنگتی کی ضرورت لگی
 سے اور اب جلدی سے شادی بھی کرو (بابا بابا)۔ اب منشی تمہاری
 باری تمہیں تو ذیل ذیل مبارکوں کی ایڈ کرنے کی اور سنگتی کی بھی
 اب شادی کی مبارک باد تب دوں گی جب منشا کی بھجورگی بابا بابا۔
 شیراب تو تم قصور سے ہی دونوں کی مہمان ہو پھر چلی جاؤ گی پیا
 دیں۔ طوبی مریم کاٹی کے بعد تو آپ دونوں ایسے غائب ہوئی
 ہو جیسے کمری کے سر سے جینٹ ہابا۔ کمری اس لیے لکھا کیونکہ
 اس کے تو۔ چنگ کی بھجور ہوتے۔ منشی کی شادی میں آنا اوکے
 رشتہ مہوش شفق سب کیسی ہو۔ یہ وہ تم کیسی ہو؟ حنا مشائ
 آصف اور اقراء شاہزادہ نو شین آپ کو بھی سلام۔ اقراء جب آگے
 کہیں ایڈیشن لینے لگی تو ہانا اور آخر میں مس فوری آپ کو بہت
 بہت سلام یو آر ٹریٹ نچر اللہ پاک آپ کو ہر امتحان میں
 کامیابی عطا فرمائے الخفیۃ الامان۔

منیہ نواز۔ صبور شریف

لولی فریڈا کے نام

ہائی سویٹ فریڈا علامہ لاہورانی کو تمہارا یہ تحفہ دے رہے ہوں
 تمہارے نصیب اچھے کرنے آئیں۔ لولی فریڈا بھگت اور امید
 ہے تم فٹ فٹ کی ہوگی تم مجھے بہت پیاری بنتی ہو سکتی پلیز
 بانی فریڈا ز غصہ نہ رکنا جو میری کیوٹ فریڈا کیسی ہو تم نے تحفہ
 پوزیشن کی ہے اللہ تمہیں ہمیشہ کامیاب کرے آئیں۔ سویت خرا
 میری طرح خوش رہو آباؤ داد ہوں ہے خرم ہے۔ آمنت تم بہت فدی
 ہو پلیز ہمیشہ فدی ہی رہنا۔ فریڈا ز کوئی سنگتی ہوئی ہو تو کوئی گل
 تمیں آپ سے بھی تو ہوئی ہی ہے آپ کی سویت فریڈا۔

سندھ کی بٹ۔ سندھ کی

آچل فریڈا کے نام

اسلام علیکم! آچل پڑھتے ہوئے یقیناً سب کو بہت عرصہ
 ہو گیا ہے ویسے تو آچل میں لکھنے والے بہت ہیں لیکن چند
 ہستیاں لگی ہیں جو ہمیں بہت پسند ہیں ان کے جٹ بے
 تھرتے ہوں یا پھر کہ بھری شاعری ہمیں بہت اٹریکٹ کرلی
 ہے جن میں فونو پے سحر کا خات صدیقہ خان AK 'میں مسکان'
 چندا مثال پردین 'میں شہین اور ایسے بہت سے نام ہیں۔
 آسیہ آئی نے ہمیں ایک کہانی سنائی تھی اس کہانی کی رائٹر کا نام

منزہ بخاری ہے ابھر کا نام شاہزادہ اس کی بہن کا نام فلک ناز تھا
 اگر کسی کو کہانی یاد آئی ہو تو پلیز پلیز ہمیں اس کہانی کا نام اور کسی
 سالی اور مہینے میں شائع ہونی چاہیے۔ کاش فریڈا ز بہت
 بہت بے وفا ہو بھی بات تو کر لیا کہ۔ فرج انوان کیسی ہو تم
 پھر کی تیاری کیسی ہے؟ فرج ناز آج کل کچھ کام کاج کیا کرو
 سوتی۔ مریم خضر کی شادی شائستہ تم سب کے لیے دنا ہے۔
 تمہارے پیپر بہت اچھے ہوں۔

البت ایڈیٹر فائزہ عباسی۔۔۔۔۔ چناری آزاد کشمیر

ابھر گل اور جمع مسکان کے نام

اسلام علیکم! آچل سے دو سنگتی چندا فٹس ہی ہوئی سہا س
 لیے مجھے تم دونوں کی جانت غیور آئیں مسکان مہرب معلوم ہوا کہ
 آچی کو ابھر گل کی سائفرنگی بہت بہت سائفرہ مبارک ہو۔
 ابھر میری بھی ہی حیات کمری مان کے چلے جانے کا کچھ مجھ سنگتی
 ہوں۔ ڈیٹرنگ مسکان تمہاری آباؤ والے خوشگوار جھوٹے کی ہی
 ہوئی ہے جس سلسلے میں تم اور ابھر گل ہوئی ہو ابھر میری اول ترجیح
 ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آچل کے تو سب سے مجھے آتی
 پیاری پیاری سہیلیاں مل جاتی ہیں گی تو قسم سے میں بہت پہلے
 سے آچل سے وابستہ ہو جاتی۔ شکر یہ پردین کا آپ نے مجھے
 یاد رکھا بانی تمام بہنوں کو بھی سہا س فونو پے سائفرنگی لریہ نس شہین
 اور کمال شانیہ محل صدق سلیمان شوروٹ خچہ نذیر آمنت اللہ
 مہر گل دعا گل شاہزادگی انکس مریم (دانش داؤد نس مریم) حافظہ
 سمیرا NI سامیہ چوہدری فریحہ شہینا فائزہ بلال اقراء چاہم پوز
 خاتشہ پردیہ سیدہ جیا عباس اور جو مدگی ہیں انہیں سلام و دعا
 پیا اور رائفر ز ریڈرز ہمیں نازیہ کول نازیہ سہاس گل اسم ثناء
 سمیرا غریب صبرتی تم کو سلام۔ میری ڈیٹ آف برتھ 22 نومبر
 ہے بابا بابا تاکہ تم بھی مجھے ڈس کروا لگے مہینہ آچل میں جواب
 ضرور دیتا۔

عانت خان۔ لکڑی خان



یادگار

جویریہ سالک

yaadgar@aanchal.com.pk

حدیث نبوی

”حضرت انسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو دوسرے یہ کہ صرف اللہ کے لیے کسی سے دوستی رکھے تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اسے اتنا ناگوار ہو جیسا گ میں جھوٹکا جاتا۔“

(بخاری باب طلاق الایمان)

غضب کی یادداشت

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے دربار رسالت میں حدیثیں یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ ”اپنی چادر پھیلاؤ“ انہوں نے قسم کی قسم کی پھر آپؐ نے اپنے دونوں خالی ہاتھ ان کی چادر میں ڈال کر فرمایا کہ چادر سمیت لو حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد میرا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ کسی بات کو ایک دفعہ نہ کہ بے بعد نگاہی نہیں بھولا۔ معجزہ نبویؐ کی بدولت حضرت کی قوت حافظہ اس قدر تیز ہوئی کہ وہ حفظ حدیث کے سلسلے میں سب پر بازی لے گئے ان سے پانچ ہزار تین سو چوبتر احادیث مروی ہیں ایک مرتبہ مردان کے گورنر نے ان کے حافظے کا امتحان لینا چاہا اور ان کو اپنے گھر مدعو کیا اور احادیث بیان کرنے کی فرمائش کی پھر اپنے کاتب ابو غریزہ کو پر دے کے پیچھے بٹھار دیا کہ جو بھی حدیث سنو وہ فوراً لکھ لو چنانچہ ایسے ہی ہوا تقریباً سال بعد گورنر مردان نے پھر وہی احادیث کی فرمائش کی اور کاتب کو ہدایت کر دی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بیان کردہ الفاظ کا متنبہ ساتھ تحریر شدہ الفاظ سے کرنا اور حیرت انگیز طور پر حضرت ابو ہریرہؓ نے وہی احادیث بیان کیں بعد میں معجزہ کیا تو پتا چلا کہ ان میں ایک حرف کی

کی نہ تھی سبحان اللہ

شاملہ رفتی..... مندری

روزہ

کسی آدمی سے کہا گیا ”تو کفرور ہے روزہ تجھے اور بھی کفرور کر دے گا۔“ اس نے جواب دیا ”اس بھوک کو جسوں کی بھوک سے بچنے کے لیے پرداخت کر باہوں کیونکہ اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا آخرت کے عذاب سے آسان تر ہے۔“ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔“ فرمان نبی اکرم صلی علیہ وسلم ہے ”روزہ دنیا کی آفات کے لیے ذیال ہے اور آخرت کے عذاب سے رکاوٹ ہے۔“

روزہ انسان کی ظاہری اور باطنی تعمیر ہے اللہ کی نعمتوں کا شکر ہے فقراء پر خیرات ہے۔ خوف خدا میں گم نہ رہنا اور خشوع و خضوع میں اضافہ ہے انتہا کا ذریعہ ہے۔ انکساری کا سبب ہے گناہوں کی تکلیف ہے نیکیوں میں اضافہ ہے۔ اعمال بد سے نجات کا وسیلہ ہے یہ تو بخش چند فوائد ہیں روزے کے فوائد و اثرات قلمبند کرنا وہ بھی چند لفظوں میں..... ممکن نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہ مبارک کی برکات سے فیض یاب فرمائے آمین۔

سید وحیاء عباس..... تلہ گنگ

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ایک دعا

اے خدا..... اے خدا

اے درجہ و کرم و محبتی..... اے خدا

ان کو ہر اک خطا کی معافی دے

کہ درست اور غلط میں کہاں فرق ہے

اور کیا فرق ہے

یہ نہیں جانتے..... یہ نہیں جانتے

امجد اسلم احمد

امیر حق..... جھڈ و سندھ

چغل خور

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ ایک ضرورت مند کسی

بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ادا چاہی۔ اتفاق

انجل

236

جولائی ۱۴۱۱ھ

آگے تھے تم زمین سے کدھر جاؤ گے؟ اس کے نیچے
دورخ ہے پاتال ہے۔

○ زندگی میں بعض دفعہ ہمیں پتا نہیں چلتا کہ ہم
تاریکی سے باہر آ رہے ہیں یا تاریکی میں داخل ہو رہے
ہیں اندھیرے میں سمت کا پتا نہیں چلتا مگر آسمان اور زمین
کا پتا ضرور چل جاتا ہے بلکہ ہر حالت میں چلتا ہے۔ ہر
اٹھانے پر آسمان ہوتا ہے نظر آنے یا نہ آنے سے چھٹکانے پر
زمین ہی ہوتی ہے دکھائی دے یا نہ دے مگر زندگی میں سفر
کرنے کے لیے صرف چار سمتوں کی ہی ضرورت پڑتی
ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں پانچویں سمت چوروں کے
نیچے ہوتی ہے وہاں زمین نہ ہوتی پھر پاتال آ جاتا ہے۔
پاتال میں گہنچے کے بعد کسی سمت کی ضرورت نہیں رہتی
پچھنی سمت سر سے اوپر ہوتی ہے وہاں جلیا ہی نہیں جاسکتی۔
وہاں اللہ ہوتا ہے آنکھوں سے نظر نہ آنے والا مگر دل کی ہر
دھڑکن خون کی گردش ہر آنے جانے والے سامنے حلق
سے اترنے والے ہر نواسہ کے ساتھ محسوس ہونے والا۔

از..... پیر کمال

ذاتِ مصطفیٰ..... سرگودھا

نوعمر شاعر کی بینک ڈپیتی

ایک نوعمر شاعر بینک میں ڈاکا ڈالنے گیا اور عرض کیا

.....!

تقدیر میں جو ہے وہی ملے گا
کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ملے گا
اپنے کچھ خواب میری آنکھوں سے نکال دو
جو کچھ بھی ہے جلدی سے ان بیگ میں ڈال دو
بہت کوشش کرتا ہوں تیری یاد کو بھلانے کی
کوئی ہوشیاری مت کرنا پولیس کو بلانے کی
دل کا آئینہ تیرے بن ویران پڑا ہے
جلدی کرو باہر غالب پریشان کھڑا ہے
سکھائی نہیں ملے گی شہزادی

حرام کھانے کے نقصانات

پہلا نقصان یہ ہے کہ حرام کھانے سے

سے ان دنوں بزرگ کا ہاتھ جھک تھا لہذا انہوں نے
معذرت کر لی۔ اس شخص کو بزرگ کی بات کا یقین نہ آیا
اور بدگمانی کرتے مکان سے باہر نکلتے ہی انہیں برا بھلا
کہنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے بزرگ کا ایک مرید اس
طرف سے گزرا اس نے اپنے مرشد کی شان میں گستاخانہ
باتیں سنیں تو اس شخص کی تمام باتیں اور دیدہ و بینی کا سارا
حال مرشد کو کچھ نہ آیا۔

مرشد نے فرمایا ”اصل تکلیف تو ہمیں تو نے پہنچائی
ہے وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا اس سے
ہمیں بالکل آگاہی نہ تھی لیکن تو نے آگاہ کر دیا تیری
مثال تو ایسی ہے ایک دشمن نے ہماری طرف تیر پھینکا جو
ہم تک پہنچنے سے پہلے گزر گیا تھا تو وہ تیر ہمارے پاس
اٹھا لیا اور ہمارے پہلو میں چھوڑ دیا ہے۔“ شیخ سعدی نے
دراصل اس حکایت میں چٹل خوری کی مذمت کی ہے۔

لکھنا رضوان..... کراچی

ذرا سوچئے.....!

○ بات یہ ہے کہ کوئی بات نئی نہیں آتی کیسے ہوتا آسمان
وہی زمین وہی پانی وہی ہوا وہی سورج اور چاند وہی
ستارے وہی..... وہی بلبل وہی گل وہی شمع گل..... وہی
آپ نے اپنی طرف سے ایک نئی بات کہی پھر پتا چلا کہ یہ
کوئی کہہ چکا ہے۔ حقیقت ایک ہی ہے جو بھی حقیقت
بتائے گا ظاہر ہے سچی جلتی ہی ہوگی۔

○ تم چاہتے ہو کہ تمہارا رعب و دہرہ ہو لٹھیک ہے
پھر خاموش ہو جاؤ لیکن خاموشی کے پیچھے فرائد چھپا ہوتا
چاہیے۔ پیادوں کی نقل ہیبت ہے وہ خاموش ہیں اسحر کا
رعب ہے وجہ خاموشی۔ تم قبرستان سے ذرتے ہو وہاں تو
مردے ہیں تمہیں کیا کہیں گے کچھ نہیں مگر خوف کہ وہاں
خاموشی ہے۔

○ سوچئے کی بات کہ آدم اور حوا کا لباس شیطان نے
اتر دیا جب وہ بے لباس ہوئے تو اللہ نے انہیں زمین
پر بھیج دیا۔ اب وہ پھر سے تمہارا لباس چھین رہا ہے لباس
کم نظر آتا ہے جسم زیادہ آدم تو جنت سے نیچے زمین پر

انسان کے دل سے نور نکل جاتا ہے

دوسرا نقصان یہ ہے کہ حرام کھانے سے

طبیعت کے اندر کسبستی اور کاملی پیدا ہو جاتی ہے

تیسرا نقصان یہ ہے کہ انسان کے دل میں

نہ سے نہ سے جذبات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں

چوتھا نقصان یہ ہے کہ نیک کام کی طرف سے

انسان کی طبیعت ہٹ جاتی ہے

مدثرہ ضیہ..... کوٹہ شاکر

دعا

ایک شخص نے زندگی میں پہلی مرتبہ روزہ رکھا دن

بڑی مشکل سے گزرا شاہ کو جب انتظار کا وقت ہونے لگا

تو مولوی صاحب نے کہا۔ ”آج رمضان المبارک کا پہلا

روزہ ہے آپ جو دعا مانگیں گے قبول ہوگی۔“ وہ شخص فوراً

بولی۔ ”مولوی صاحب دعا کیجیے کل عید ہو۔“

فردیخ اسحاق مہاتہ..... سلامانوالی

انسان کی مثال

علامہ روٹی نے فرمایا۔ ”دنیا پانی کی طرح ہے اور

انسان کی مثال کشتی جیسی ہے اگر ایک کشتی آپ پانی کے

بغیر چلائے جائے تو وہ نہیں چل سکتی۔ پانی کے لیے کشتی

ضروری ہے اسی طرح انسان دنیا کے مال و متاع کے بغیر

اور کھائے کمائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ پانی کشتی کے

لیے اس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک یہ پانی کشتی

کے ارد گرد اور نیچے ہے اگر یہ پانی کشتی کے اندر گھسنے

تو وہ کشتی کو ڈبو دے گا تو فرماتے ہیں کہ دنیا جب تک

انسان کے ارد گرد اور اس کے چاروں طرف ہے اس وقت

یہ اس کے لیے بہترین سرمایہ زندگی ہے جس روز یہ دنیا

ارد گرد سے ہٹ کر دل کی کشتی میں اس طرح داخل ہو گیا

کہ اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ

ہوئے کہ دنیا تم کو تباہ کر رہی ہے لہذا دنیا کو دل کی کشتی میں

داخل نہ ہونے دو ورنہ دین و دنیا دونوں میں تباہ و برباد

ہو جاؤ گے۔“

سہلی حبیب..... اسلام آباد

مولی جیسے الفاظ

زندگی کی خوب صورتی رشتوں سے ہے اور رشتے تب

ہی قائم رہتے ہیں جب ہم ایک معمولی سی مسکراہٹ اور

ہلکی سی محبت سے سب کو نظر انداز کر دیتے ہیں اب اس

خوش رہیے اپنوں کو خوش رکھیے اور خوشیاں بانٹنے۔“

غلام شاہ..... وہاٹ

افسوس مولی

وہ غصہ انسان کو بہت سی باتوں سے غافل رکھتا ہے

کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگتا فصول ہے

جس کے نہ پورا ہونے کا گمان ہو

وہ سفر میں یقین کو بھسور بنایا جائے تو منزل مل ہی

جاتی ہے۔

وہ اعتبار دہانے کی کوشش بھی اعتبار نہیں دلا سکتی

جب تک آپ خود قائل اعتبار نہ ہوں۔

وہ کل اور آج میں فرق کا زور انسان خود ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کا

مجموعہ ہے۔

وہ ایک سوال اپنے حل کے لیے ایک سے زیادہ کیے

رکھتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر سوال کے لیے ایک کلیہ

درست ثابت ہو۔

وہ انسان کے چند الفاظ است دوسروں کی نظروں

سے گرا دیتے ہیں اور چند دلوں پر راج کر دیتے ہیں۔

وہ کسی کو سچا ف کرنا جتنا مشکل ہے اتنا سکون بخش

بھی ہے۔

عائشہ نور..... شادی والی کجرات

خطرہ

بس میں کافی بھینر تھی ایک سیٹ پر بہت سونا آ دی

بیٹھا تھا قریب ہی ایک بچہ کھڑا تھا اس نے نیچے سے کہا۔

”آؤ میں میری گود میں بیٹھ جاؤ ورنہ تم گر جاؤ گے۔“

”نہیں جناب!“ بچے نے جواب دیا۔ ”گر گیا تو بس

ہی میں گروں گا نہ لیکن آپ کی گود میں بیٹھ گیا اور آپ نے

سانس لیا تو میں دور بس کے باہر سڑک پر جا گروں گا۔“

انجیل

238

جولائی 2014

رخصتا نامائیل... تو نہ شریف

محبت..... مضامین کی نظر سے

اسامیات..... ہر ایک سے بے غرض محبت

عبادت ہے۔

اردو..... محبت بے وفا کی کھیل ہے۔

حساب..... خوشی + غم کا نام = محبت۔

فخر کس..... دو دلوں کے درمیان قوت کشش پیدا کرتی ہے۔

کیسٹری..... محبت دلوں کی بوند تک کا نام ہے۔

بانٹی..... محبت اک ایسا پودا ہے جو دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے کبھی نہیں مرجھاتا۔

انگلش... Love is ever lasting

عائشہ پرویز..... تراپتی

اقوال حضرت ابو بکر صدیق

● زبان کو شکوے سے روک دو خوش رہو گے۔

● گناہ جوان کا بھی اگر چہ بد ہے لیکن بزرگ کا

بدتر ہے۔

● گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا

واجب تر ہے۔

● بد بخت ہے وہ شخص جو خود تو مر جائے لیکن اس کا

گناہ نہ مرے۔

● جس دل پر نصیحت اثر نہ کرے وہ جان لے لے اس

کا دل ایمان سے خالی ہے۔

● منہیت میں صبر کرنا مشکل کام ہے مگر صبر کے

ثواب کو ضائع نہ ہونے دینا مشکل ترین ہے۔

● مجھے نئے کپڑوں میں ذن نہ کیا جائے کیونکہ

کپڑوں کے مستحق وہ ہیں جو زندہ اور پرست ہیں۔

● پروین انضام شادیوں..... بہاؤ نظر

یہ کہاں تک جی ہے

● شادی وہ رومال ناول ہے جس کے ہیرو ہیروئن

پہلا باب شروع ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔

● بیسویں صدی میں ہم روپے کے بغیر نہیں رہ سکتے

طیبہ نذیر..... شادیوں کی گجرات

کام کی باتیں

+ خوش رہنا چاہتے ہو تو معاف کرنے میں

جندی کرو۔

+ اگر چاہتے ہو کہ کبھی تنہا نہ رہو تو دوستوں کی

فاطیوں پر درگزر کرو۔

+ اگر چاہتے ہو کہ سب تم سے محبت کریں تو غصہ

پی لیا کرو اور درد پڑھا کرو۔

+ اگر چاہتے ہو کہ سب تمہاری دل سے عزت

کریں تو لہجے میں مٹھاس پیدا کرو۔

+ اللہ کے ہر فیصلے پر مطمئن رہو کیونکہ اللہ وہ نہیں دیتا

جناپ کو اچھا لگتا ہے بلکہ وہ دیتا ہے جتنا آپ کے لیے اچھا

ہوتا ہے۔

+ ہر ایک کی سنو اور ہر ایک سے سیکھو کیونکہ ہر

کوئی سب کچھ نہیں جانتا لیکن ہر ایک کچھ نہ کچھ ضرور

جانتا ہے۔

سین..... چھیوٹ

گناہ

+ جس گناہ سے عمر کم ہوتی ہے وہ ماں سے

بد سلوئی ہے۔

+ جس گناہ سے انسان پر لعنت ہوتی ہے وہ

جھوٹ ہے۔

+ جس گناہ سے دنیا میں ہی پکڑ ہوتی ہے وہ

ظلم ہے۔

+ جس گناہ سے رزق تنگ ہوتا ہے وہ زنا ہے۔

+ جس گناہ سے پوری انسانیت تباہ ہوتی ہے وہ

قتل ہے۔

+ جس گناہ سے نعمتیں چھین جاتی ہیں وہ تکبر ہے۔

+ جس گناہ سے دعا میں قبول نہیں ہوتی وہ حرام

خوردی ہے۔

+ جس گناہ سے جنت حرام ہو جاتی ہے وہ

شرک ہے۔

البتہ وہ ماٹ کے بغیر بخوشی رہ سکتے ہیں۔

● کامیاب ترین شادی کرنے کے لیے آئیڈیل ترین عمر ستر سال ہے کیونکہ بعض مناکہ میں انسان کی طبعی عمر اتنی ہی بتائی گئی ہے۔

● نفرت کرنے لگو تو زندگی سے بالکل مت کرو کیونکہ جیتے جی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔
● اب آوارہ گرد لوگ برقع پوشی کا تعاقب نہیں کرتے وہ جان گئے ہیں کہ آج کل کوئی بھی انہی صورت زیر نقاب آپا پسند نہیں کرتی۔

● جھوٹ بولنے پر جہنم میں عورتوں کی نسبت مرد زیادہ جائیں گے کیونکہ عورتیں وکالت کے پیشے میں ابھی ذرا کم ہی آئی ہیں۔

● شوہر بیوی کی طرف داری درودوں میں کرتا ہے جب اس بیوی اچھی لگتی ہو یا پھر اپنی عافیت اچھی لگے۔
ارم کنال..... فیصل آباد

میری ماں

ایک شخص کی بیوی وفات پا گئی اس کا ایک ہی بیٹا تھا اس شخص نے دوسری شادی کر لی اور اپنے بیٹے سے پوچھا۔
”بیٹا تمہاری اس ماں میں اور اس ماں میں کیا فرق ہے؟“

بیٹے نے جواب دیا ”میری یہی ماں چھوٹی تھی اور یہ بچی ہے۔“

باپ نے حیرت سے پوچھا ”وہ کیسے؟“
بیٹے نے جواب دیا ”پہلے جب میں شرارت کرتا تھا تو میری ماں کہتی تھی کہ تجھے کھانا نہیں دوں گی میں شرارت کرتا ماں پھر بھی مجھے دھوئے ترا لاتی اور کھانا کھلاتی اور آج میں تین دن سے بھوکا ہوں۔“

سعد یدر مشان سعدی..... صادق آباد
سانچا لوری تحقیق کے مطابق
● اگر کوئی چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑتا ہے تو وہ معصوم اور نرم ہل ہے۔

● اگر کوئی چھوٹی چھوٹی اور خوب صورت باتوں پر

بھی غصہ کرے تو اسے پیار کی ضرورت ہے۔

● اگر کوئی اچلی ٹارٹن طریقے سے کھائے تو وہ پریشان ہے۔

● اگر کوئی رو نہیں سکتا تو وہ کمزور ہے۔
● اگر کوئی شخص بہت زیادہ ہنستا ہے حتیٰ کہ فصول باتوں پر بھی ہنستا ہے تو وہ بہت تنہا لیکن اندرستہ بہت گہرا ہے۔
لوگوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

نوزیہ سلطانہ . تونسہ شریف
دلچسپ معلومات

● ایک رات کی نیند میں انسان ساڑھے چھ ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔

● انسانی جسم میں ساڑھے تین کروڑ مسام ہوتے ہیں جن سے پسینہ خارج ہوتا ہے۔

● جنونی افریقہ میں ایک کٹری پائی جاتی ہے جو پرندوں کا شکار کرتی ہے۔

● چیل سورج کی طرف ایک گھنٹہ دیکھ سکتی ہے۔
● چین میں ایک ایسا پھول ہے جس کا رنگ رات میں سفید اور سورج نکلنے ہی سرخ ہو جاتا ہے۔

نورین لطیف . نوبلک سنگھ
کچھ باتیں بچوں کی

○ کتنی دکھ کی بات ہوئی ہے ماں جب ام کسی پر اندھوں کی طرح اختیار کریں اور وہ یہ واقعی ثابت کر دے کہ ہم چھٹا اندھے ہیں۔

○ کسی کے کہنے سے کوئی اپنا نہیں ہوتا اپنا وہ ہوتا ہے جس کے لیے دل میں جگہ ہو اور دل میں جگہ بھی اسی کے لیے ہوئی ہے جو اپنا ہوتا ہے۔

○ معاف کر دو انہیں جنہیں تم بھول نہیں سکتے یا بھول جاؤ انہیں جنہیں تم معاف نہیں کر سکتے۔

○ زندگی کی سب سے بڑی ہار کسی کی آنکھوں میں آنسو آپ کی وجہ سے اور زندگی کی سب سے بڑی جیت کسی کی آنکھوں میں آنسو ہوں صرف آپ کے لیے۔

○ زندگی میں جب تم کسی سے محبت کرو تو اس سے ذرا

شہزاد بلوچ..... جھنگ

آپ بھی جاننے کے لئے گھر سے.....!

- لیے قد والے ۱۸ فیصد مرد ہیں۔
- بھاری جسم اور چھوٹے قد والے ۱۹ فیصد ست اور کال ہوئے ہیں۔
- کشادہ چہرے اور گندمی رنگت والے ۸۱ فیصد کی سوچ وسیع ہوتی ہے۔

- گولی چہرے اور چھوٹے کانوں والے ۱۸ فیصد بے وقوف ہوتے ہیں۔
- لمبا چہرہ اور چھوٹے سر والے کی ۱۵ فیصد سوچ محدود ہوتی ہے۔

- چھوٹی آنکھوں والے ۱۱ فیصد بغض رکھتے ہیں۔

- سبز آنکھوں والے ۱۶ فیصد خود کو فوقیت دینے کے عادی ہوتے ہیں۔

- بڑی اور کالی آنکھوں والے ۱۹ فیصد صاف گو ہوتے ہیں۔

- گوری رنگت اور ستواں ناک والے ۷۵ فیصد اپنی سن مانی کرتے ہیں۔

- سانولے اور درمیانے قد والے ۱۱ فیصد ڈرپاک ہوتے ہیں۔

خدا بھگت اکبر کی مقامی..... کھدیاں خاص تصور

کامیاب

ایک شخص نے بس میں بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا: "مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔"

وہ شخص جھٹکا کر بولا: "میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور وہ بھی بد قسمتی سے کامیاب ہو گیا۔"

میں نے پوچھا: "کیسی بد قسمتی؟"



بھی محبت مت مانگو کیونکہ تم نے محبت کی ہے تجارت نہیں۔
○ زندگی برباد کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں پھر بھی پتا نہیں کیوں دل کو محبت ہی پسند آتی ہے۔
○ رونے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی صرف وجہ ہوتی ہے اور اگر یہی وجہ دل میں بس جائے تو انسان نہیں رہ سکتا ہے۔
سیرا عجیب..... سرگودھا

○ زندگی میں جو چاہو حاصل کر لو بس اتنا خیال رکھنا کہ آپ کی منزل کا راستہ کبھی لوگوں کے دلوں کو توڑتے ہوئے نہ گزرے۔

○ کسی بھی وجہ سے گناہ نہ کرنا کیونکہ وجہ ختم ہو جائے گی لیکن گناہ نہیں اور ہر نیکی کے لیے تکلیف اٹھانا کرو کیونکہ تکلیف ختم ہو جائے لیکن نیکی نہیں۔

○ اپنے دوست کی عزت کرو اس لیے نہیں کہ وہ تمہارے عیب جانتا ہے اس لیے کہ وہ تمہارے عیبوں سے واقف ہونے کے باوجود تم کو دوست مانتا ہے۔

○ غلطی مان لینا اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت کرو کیونکہ سفر جتنا طویل ہوتا جائے واپسی اتنی ہی دشوار ہو جاتی ہے۔

لیلی شاہ..... چک ساوہ گجرات

اقوالِ دراصل غلی و اصف

□ پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

□ جتنے تم اللہ پر راضی ہو اللہ اتنا ہی تم پر راضی ہے۔

□ غصہ ایسا شہر ہے جو مستقبل کو بکرا بنا کر رکھا جاتا ہے۔

□ توبہ اگر منظور ہو جائے تو گناہ کی یاد باقی نہیں رہتی۔

□ مذہب علم نہیں مل ہے۔

□ بدی کا اگر موقع ملے اور بدی نہ کریں تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

□ شادی دولت سے نہیں اللہ تعالیٰ کے ختم سے ہوتی ہے۔

□ دولت عزت نہیں خوف پیدا کرتی ہے۔

اعلیٰ

شہباز احمد

اسلام شہر محرم و رحمتہ اللہ علیہ برکات الہیہ ہے اس پروردگار کے پاک نام سے جو وحدہ لا شریک ہے جولائی کا شمار بطور رمضان شہر چشمت سے ماورضان کی آمد ہے اللہ تعالیٰ اس بابرکت مہینے کے صدقے ہمارے دشمن عزیز پر اپنے رحم فرمائے اور ہم سب کو ہر لحاظ سے مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصرہ کی جانب۔

مہر گل..... کو اچھی..... شہلا جی آداب عرض..... ارے بھئی دور واز باتو کھولیں اومانی گاڑا اتنی لڑی لوؤ شیدھ اور بزم آئینہ میں اتنی بھیڑ..... بھئی بس تھوڑا سا آگے سرک جائیں ہم بہت اسارت ہیں اگدا ہی جائیں گے۔ قہقہہ پو شہلا آتی کتاب نے ہمیں دیا اور نہ ہم تو بے ہوش ہونے ہی والے تھے۔ اس مرتبہ پنگ رنگ کے ملبوس اور ہنرے کے پس منظر میں صدف جی بہت پیاری لگیں مگر ایک درخواست ہے کہ سائل گرل ذرا اسارت لیا کریں۔ حمد باری تعالیٰ بہت ہی دلکش تھی اعلیٰ رسول ﷺ بھی مکی ہوئی تھی۔ مانگ یوم الدین سے قیامت کی نشانیوں سے متعلق مزید گاہی تھی۔ فرزند وراثت ریحانہ اور نفیسہ چادوں میں چھل چھل کی لگیں اور بھوں پر مسکان بھیر گئیں۔ شہلا جی رو میٹے اگدا ہی ہوں کسرتو نکالتے ہیں جی۔ ”برف کے نسو“ بہترین تھی۔ ”بھئی پلوں پر“ کا اختتام بہت تھوڑا تھا۔ بوا اقرام جی اتنا مسنوی ہیں ایک دم سے شیریں کا سا گنگو ہونا اور پھر ٹھیک ہو کر معالیٰ غلب کر لینا حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا اور آپ تو اتنی سمور معترف ہیں۔ ”لوٹا ہوا تارا“ میں یہ کیا ولید کے بابا اور شہوار کے بابا جانی مل کر بھی آئینہ گیت سے محروم ہیں۔ ”مجھے سے قسم اداں“ زبردست جی اب لاریب کو عقل آئی ناں اور سکندر کو شناخت مل گئی۔ ندلی جب فاطمہ بن گئی ہے تو عباس اسے مسسہ کیوں نہیں کر دیتا فاطمہ کے بالکل قابل نہیں ہے یہ عباس بھونہ سا گنگو نہیں۔ قحمرہ کے لیے یہی کہوں گی بہترین اگدا گری کے موضوع پر تو بہت سی کہانیاں لکھی جا چکی ہیں مگر آپ نے بہت حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ والدین کو دانی بڑے ہوتے بچوں کے سامنے احتیاط کرنی چاہیے یہ چارہ ہی ہے تو بے مول لٹ تھی۔ ”اعتبار محبت“ کچھ خاص نہ تھی ہر ایک نے مناس کو مسرور وار فہرینا اور پھر شہر کا مسوری نہنا مل کر دواور نہ دوسری۔ ”تیرے“ منظر کا موسم ایسے تھی ہیں بھئی میں اور ”تیرے“ میں بہترین کاوش تھی۔ ”محمودی کا سفر“ الیہ بڑے کے حوالے سے خاص الخاص تحریر تھی۔ مہر گل آنسو شہین پروین افضل اسیدہ جیا اور خندہ حیدر کا انتخاب دل کو چھو گیا۔ رخسانہ جی بھی زبردست رہیں بھئی پلاؤ میں“ اور..... قحمرہ کا تو دلچسپ کر ہم بہت ہنسے اگدا ناں چاہا ادا لوٹھا۔ ذریعہ اثر اور جو یہی کی غزلیں دلکش تھیں رتبہ راکھل

ملا مہر ذریعہ بزم آئینہ میں خوش آمدید کئی ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے شکر ہے کہ تم آلودہ الو میں فرق جان گئیں اگر یو کی ٹرائی کرتیں تو واقعی الوبن جاتیں بہر حال تمہارا جامع تبصرہ پسند آیا۔

ارم کمال..... فیصل آباد۔ اسلام علیکم امید ہے خوش باش ہوں گی گرمیاں انجوائے کر رہی ہوں گی۔ اب آئی ہوں آنکھ کی جانب سرورق سو یا سو یا تھا مذہب کی گاہی آنکھیں سوکرائنے کی کہانی سنار ہی تھیں۔ دانش کدہ میں قیامت سے متعلق باتیں پڑھ کر روح تھرا گئی۔ ہارڈ آنکھ میں ریحانہ یا سکین اور نفیسہ ہر فراز کا تعارف متاثر کر گیا۔ بہنوں کی مداخلت میں نازی نس تے آگئے تے چھا گئے اور..... ”بھئی پلوں پر“ کی آخری قسط بھی چھوڑ گئی پری اور طفلوں کا کردار ہم تھا شیریں کو بھر تاک سزا ملنی چاہیے تھی اسے ایسے ہی نہیں چھوڑنا چاہیے تھا بہر حال معافی مانگ کر بھئی وہ بڑے کا بڑا ہی ہے۔ اقرام صغیر احمد کا یہ ناول بدقول وہیں کی کتاب میں رہے گا اتنے اچھے ناول پر میری طرف سے بہت بہت مبارک

باد۔ "تو نا ہوا تارا" میں مصطفیٰ کو چاہیے کہ شہوار کو بالکل نظر انداز کرے تب شاید شہوار کو عقل آئے جبکہ مجھے ولید پر بہت غصہ آتا ہے وہ انا کو بجا وجہ تنگ کیوں کر رہا ہے اسے انا کو کوئی خوش رنگ اقرار محبت کا لمحہ ضرور پکڑنا چاہیے سن رہے ہو ولید کیونکہ ہمیں انا بہت پیاری ہے۔ "مجھے ہے حکم ازاں" میں فاطمہ کی مصیبتوں کا کب اختتام ہوگا؟ شکریہ سکندر کو اس کی شناخت ملی اب لاریب بی بی کو اپنی گنتی شروع کر دینی چاہیے بے چارے سکندر کو بہت ستایا ہے۔ فرار کو چاہیے اریہ کو معاف کر دے۔ "وہی ایک نوحہ زیست کا" میں فاطمہ گل نے بہت ہی نازک محاطات کو اپنے قلم سے بیان کیا ہے دوسرے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔ "انتہا محبت" میں اشہد کی آنکھوں کی پٹی کسی تیسرے کے کہنے پر ہی اٹھی۔ "تیرے انتظار کا موسم" میں سکین کا انتظار تو انتظار ہی رہا ویسے شہروز کیا اتنا بھلا کر دیکھا کہ نہ اسے سیکند کو کچھ کر یا تا کی تدوین گاہوں یہ بات کچھ ہضم نہیں ہوئی۔ "ایسے بھی ہیں کچھ مہرباں" بہت ہی اچھولی اور زبردست تحریر تھی۔ ہم بھی ایسے ہی کچھ مہربان کے عاشق ہیں جو ہمیں زندگی کی شاہراہ پر مصیبتوں پریشانیوں سے بچنے کا گرجاتے ہیں۔ "گلاب لکھوں گی چاندنی" میں علیہ اپنے غلط دوست کے باعث بروقت سنبھال گئی۔ "اہر نیساں" میں دنیا کی چمک دمک میں کھوکھری نے ممتا کے ہر نیساں سے خود کو محروم کر دیا نئی کوٹلیس میں "محرومی کا سفر" نے دل کو لڑا کے رکھ دیا معاشرے میں دوغلی منافقت بڑھتی جا رہی ہے۔ پاشی دل میں بدخشاں اسماعیل فرزانہ محمد ویت کڑیا اور سیدہ جیا عباس کے اشعار اسے دن بھر سے ڈش مقابلہ میں ایرانی بریالی اوما شریلیں نلس سویٹ ٹافٹ بنانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ "بیوٹی گائیڈ" سے اچھی اچھی ٹیس ٹوٹ کر لیں۔ غزلیات میں شگفتہ خان نسیم سیکتہ صدف مسز نگہت غفانہ یحسود اور جویریہ خان کی غزلیں سہر سے بھی اوپر رہیں دوست کا پیغام آئے تمام آٹھ نچل فریڈز کے خوشگوار ملتے ہوئے پیغامات پڑھ کر دل پی پی ہو گیا۔ یادگار تھے میں کاملہ شمشاد حسین صدف مختار اور نئی ایمان کی مراسلات بہت ہی ایمان افروز رہے۔ آئینہ میں سب کے تہمتے ایک سے بڑھ کر ایک تھے ہم سے پوچھتے ہیں شگرف ریاض ٹو بیوٹر اور ریاضہ کوثر کے سوالات اور شائد باجی کے جوابات نے ہنسنا کس پیت میں درد کر دیا نتیجہ تمام سلسلے بھی اچھے تھے اب اجازت زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

نثار احمد زبیر انجیلی تبصرہ کرنے والا نچل کی پسندیدگی کا شکر۔

مسکان جاوید..... کوٹ سہابہ۔ السلام علیکم اہل گوشیاں کا بغور مطالعہ کیا بڑا شبہ قیصر آراذلوں دھار لکھتی ہیں اور ہمیشہ سچ لکھتی ہیں۔ امجد بن احمد انجم کی نعت بہت اچھی لگی پھر میں نے جلدی سے اپنا نام ذمہ دہانتہ نے کی کوشش کی یہ کیا مجھے اپنا نام کہیں بھی نظر نہیں آیا تو مجھل دل کے ساتھ دوست کا پیغام آئے میں پہنچ گئی نامہ دیکھ کر دل بان باغ ہو گیا۔ آٹھ نچل میں اقرار فیہرانی سے "بھئی پلوں پر" کا اینڈ بالآخر کر ہی دیا گستاخا آخری تیرا جلدی بیلدی کیشی کی کوشش کی ہے آخری قسط نے دل پر کوئی اچھا تاثر نہیں دیا۔ "تو نا ہوا تارا" ہر ماہ ہمیں مزاد سے جانی ہے ویل دن۔ "مجھے ہے حکم ازاں" میں بہترین موزا آیا ہے آپ کی آپ کے دولت کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ "برف کے نسو" ارے سنیوان میں نے آپ کے بارے میں کیا سوچا اور آپ کیا لکھے اگر میرے سامنے ہوتے تو فوراً شوٹ کر دیتی۔ ہادیہ فاطمہ کا مکمل مادل سپر ہٹ تھا فاطمہ گل اور ندا فاطمہ کے ٹائونٹ اے دن تھے۔ افسانوں میں سب کی کاوش بہت اچھی تھی بہنوں کی عدالت میں تازیہ کنول نازی کے جوابات نے چار چاند لگا دیے۔ غزلوں میں سہاس گل "فریہ شبیر شگفتہ خان مسز نگہت غفانہ" کی غزل ہو شعر ہو یا کوئی پیغام بہت زیادہ دلی ہو رہا ہے (نوٹیں اقباس نوشی جویریہ خان فریہ خانم سب کی غزلیں ناپ پر تھیں۔ یادگار لمحے میں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا یا نہیں دل میں فرزانہ محمد دین کڑیا فرار احمد غفانہ الدین حرار مضان صدف مختار عائشہ پرویز سیدہ جیا عباس آپ سب کے شعر بہت بہت اچھے تھے واسطیام۔

نہاؤئیر مسکان! امید ہے کہ عینہ میں اپنا عکس جھٹکنا یاد رکھ کر ہونٹوں پر بھی دلفریب مسکان آنکھیں ہونگی خوش آمدید۔
 خدیجہ وانا مقامی..... کھڈیاں خاص۔ اسلام علیکم! سب سے پہلے ہمدردی سے دل دو جان کو
 معطر کرتے ہوئے دانش کدہ پر پہنچے۔ دانش کدہ سے علم وحدیث کے موتی چن کر "بھنگی پنگوں پر" آگے ہاول کا اینڈ ہمیشہ
 یاد رہے گا کچھ یوں ہوا میں نے پیاز فرانی کرنے کے لیے رکھ دی ایک آچل سے لائی اور ہم بھنگی پنگوں پر ایسے کھوئے کہ
 پیاز جتنے کے سیاہ دھوئیں کے مرغونے بھی نظر نہیں آئے آگے مت پوچھو کیا ہوا۔ "برف کے آئینہ نازی آپی نے بہت
 اچھا لکھا زورنگار کو چاہیے سندان کو خوب مزہ ادا ہے شمر ہے عاترہ سندان سے بچ گئی۔ عاترہ کو تو زحیم ٹھیک نہ رہی دے گا
 زورنگار ریان کی بجائے دولت کی پیچھے بھاگ رہی ہے۔ فخر وہ گل نے بھی خوب لکھا جانی جیسے بچوں کی اصلاح نہ کی
 جائے تو وہ بڑے ہو کر معاشرے کا سوراخ بن جاتے ہیں بچو کا چند سکے دکان سے لے کر آنا اور خوش ہونا یہاں سے کہانی
 میں پھر جھول سا نظر آئے۔ "تو ہوتا ہوتا" بھی اچھا جادو ہے مجھے لگتا ہے شہزاد اورانا کے درمیان کوئی رشتہ ہے۔ "اعتبار محبت"
 مادیہ فاطمہ نے بھی بس ٹھیک ہی لکھا "یقین ہی نہیں آیا کوئی ماں اپنی سگی اولاد کے ساتھ برابر یہ برت سکتی ہے جب کہ
 منائیں بے قصور ہے۔" مجھے ہے ختم اذان! وقاص کو تو موت ہی آ جانی چاہیے تھی لگتا ہے وقاص اب سدھر جائے گا فاطمہ کا
 خود کو ڈی گریڈ کرنا اچھا نہیں لگتا۔ "ابرنیساں" انداز فاطمہ واقعی ہمارے معاشرے کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ غیر کی رسموں
 کی تقلید میں ہم اپنی والدین کی بے غرضی بے لوث محبت کو کھو دیتے ہیں۔ باورزیب کا دوست کے پیچھے بھاگنا اور اپنے
 گھر کے جہاں اس کا بچپن گزرا تھا وطن زدہ کہنا اپنے گھر سے تو بچپن کی یادیں وابستہ ہوتی ہیں لیکن وہ بات سچ ہے تاکہ
 انسان کو اس کی اوقات سے زیادہ ملے تو وہ مزید اور کی رٹ لگانے جاتا ہے۔ "گورا کاغذ" (زینب اصفہر) کچھ خاص
 متاثر نہ کر سکی وہ ہی عام کی بات۔ "محروری کا سفر" نے آنکھوں کو آنسوؤں سے لبریز کر دیا۔ ایسی این جی اوز تو آگ میں
 تھوکتے کے لائق ہیں جو صرف زبانی کلامی وعدوں تک محدود ہوں لائق بنائے ماری ماری آئیے یہ قانون بھی سرف
 غریبوں پر لاگو ہوتا ہے بھئی ان بے چاروں کے پاس ٹوٹوں کی گتیاں جو نہیں ہوتیں کسی نے یونہی تو نہیں کہا جس کی لائی
 اس کی بھینس اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

عینہ ناز دیشانی..... فتح جنگ، اٹل۔ اسلام علیکم! جون کا آچل چلچلائی گرمی میں 29 مئی کو لا
 ماڈل جون کے وہ میں گرمی میں پرسکون آئیں دیکھ رہی ہے اوسر ہم گرمی سے شرابور ہو چکے ہیں۔ آغاز سرگوشیاں سے کیا
 پڑھ کر غم زدہ ہو گئے۔ "حمد و نعت" اپنی سریلی آواز میں پڑھ کر جواب آں دانش کدہ میں۔ تاکہ پوسالہ میں پڑھی تو ہر سے
 روٹنے کھڑے ہو گئے۔ اللہ ہمیں قیامت کے عذاب سے بچائے آمین۔ ہمارا آچل فرزانہ اکرم زوہاس خان نصیر
 سرفراز اور سیمین سے ملاقات ہوئی۔ بہنوں کی عداوت میں نازیہ کنول نازی سے ملاقات ہوئی۔ "بھنگی پنگوں پر"
 اقرام جی آپ نے اتنی جلدی اینڈ کر دیا ہمارے ذہن میں تھا کہ پری کو شیریں انخواہ کرے گا اور پھر اس کے ساتھ زبردستی
 نکاح کرے گا پھر..... خیر اچھا اینڈ ہوا۔ "تو ہوتا ہوتا" سمیرا انور کا اول بہت زبردست چل رہا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ ولید
 شہزاد کا بھائی ہے مصطفیٰ اور عباس کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ "مجھے ہے حکم اذان" ام سریم کا ماڈل فرسٹ کلاس چل رہا ہے
 فاطمہ بے چاری کا امتحان ابھی تک ختم نہیں ہو رہا ہے۔ "برف کے آئینہ نازی کنول نازی زبردست چل رہا ہے تیسری
 قسط کا انتظار کرتے پڑے گا۔" ویسی لکھ زیت کا "فاخرہ گل" پڑھ رہی تھی پھر یہ کیا یہ تو مکمل ہے اگلے قسط کا انتظار کرتے پڑے
 گا۔ "ابرنیساں" انداز فاطمہ کا ماڈل چھا اچھا لگا۔ افسانوں میں "تیرے انتظار کا موسم" نہ بہت جیس غمیا، بکا افسانہ اچھا لگا۔
 مستغل سلسلے کی جانب چلے روحانی مسائل آپ کی شخصیت آپ کی حست و شمس مقابلہ ہونی گائیڈ سے مستفید ہوئے۔
 آئینہ کی طرف لپکتے جیسے رخاں کا تبصرہ پسند آیا۔

سمائات عابد..... فصل آباد۔ اسلام علیکم! جی تو آنجل بچل بیٹھ کی طرح بیٹھ تھا۔ ”مجھے سے حکم آواں“ آپ! اس ہار ناول بہت زبردست تھا۔ عزت آگیا قاطر اور عباس کی شادی ہوئی اور پلیز ام مریم آپ! ایمان کو ٹھیک کر دیں۔ سمیرا آپ! کا ناول بھی اچھا جا رہا ہے۔ بس جلدی سے شہوار کی رخصتی کر دیں اور وہ یہ کا پٹا صاف کر دیں۔ ”انتہا رحمت“ بھی اچھا ناول تھا۔ ”ابریسیاں“ بھی زبردست تھا۔ ماہ زرب پر بہت شہسہ آیا ہے اپنے ماں باپ کا ذرا خیال نہ آیا مٹی بے حس ہے وہ۔ ”بہنوں کی عدالت“ میں نازیبا آپ! کو پا کر دل کا رڈن کا رڈن ہو گیا قسم سے۔ نازیبا آپ! کا ناول ”برف سے نسا“ اچھا جا رہا ہے۔ بس جلدی سے ختم ہو جائے اور پھر ان کا نیا ناول پڑھنے کو ملے۔ ”بھگی پکوں پر“ کی اینڈنگ بھی پس پس ہو گئی۔ بڑا مزہ آیا ناول پڑھ کے۔ بیاض دل میں ناویہ عباس دیا قریشی کا شعر دل کو چھو گیا یادگار کچھ بھی جیسٹ تھے۔ تبصرے بھی کے انتہی تھے۔ غزلوں میں مریم اکرم کی غزل بہت کمال کی تھی کتنا اعلیٰ لکھا تھا۔ ہمارا آنجل میں فرزانہ اکرم کا تعارف اچھا لگا اللہ تعالیٰ آنجل کو یونہی ترقی دے آمین۔

بڑے کائنات ذریعہ ہماری دعا میں آپ کے ہمراہ ہیں ہمیشہ کامیاب و کامران رہیں۔ آمین۔

ارم مصطفیٰ..... طور جھلم۔ اسلام علیکم! امید ہے آپ سب شہریت سے ہوں گے آنجل 28 کو خانا نائل اچھا تھا۔ ہم نے قیصر آرا آپ! کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے پھر ہم نے سیدھی چھانگ لگائی ”نونا ہوا مارا“ کی طرف سمیرا آپ! کی سنی تے گریٹ اور پلیز آپ! شہوار کو ٹھوڑی عقل سے نواز دیں اور دونوں کی جلدی رخصتی کر دیں۔ آپ! یہ وہ یہ کہ تو نہیں سمجھ دیں اور پلیز اب جلدی سے تاجندہ بوا کے ماضی کو کھول دیں تاکہ ہمیں بھی کچھ پھین ملے۔ نازی آپ! کے جوابات بہت پسند آئے۔ مسئلہ عقل سلسلے بھی بہت اچھے تھے افسانے اور ناولت بہت اچھے تھے۔ نئی کوئٹہ میں شانزیہ فاروقی آپ! نے بہت اچھا لکھا۔ ہمیں دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھنا چاہیے اچھا اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

بڑا ارزا میرا خوش آمدید۔

حافظہ سمیرا..... 157 این این۔ اسلام علیکم! تمام قارئین کو ہمارا محبت بھر اسنا مقبول ہو بلوں غیر حاضری کے بعد آج پھر قلم پکڑ کے لکھنے بیٹھ گئے۔ پلیز ماڈل کے سر پر آنجل نواز دیا کریں حمد و نعت سے فینش باب ہوتے ہی ”بھگی پکوں پر“ چاہیے خبری قصہ دیکھ کر دل بے چین ہو گیا۔ اقرار آپ! شیری اتنا خوبیت آپ! نے اسے ایک جھنگ میں ہی سیدھا کر دیا۔ باقی سب اچھا رہا۔ سمیرا آپ! ولید کے تصور مجھے اتنے نہیں لگ رہے انگریز کاغذ کے ساتھ انوالو ہو گیا تو اتنا بے چاری کا کیا ہے گا۔ (بھگت کریم کریں) اب اب آرا زاد ہو کر کیا کرتے ہیں تو اگلی قسط پڑھ کر ہی چاہے گا۔ بابا جی کا ماضی میں ضیاء لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ضرور رہا ہے پلیز ذرا جلدی سے ظاہر کر دیں (ضمیر نہیں ہو رہا)۔ مریم آپ! آپ! نے سکندر کو ان کے اپنوں سے ملا دیا اور اب لاریب کو بھی اس کی اہمیت کا احساس ہو رہا ہے۔ یہ دو قلم کو تو اچھی جانتی ہزاروں اور انیم احمد کی بہن مندی ہی ہوئی (ہے ہاں)۔ نازی آپ! بہت گریٹ ہیں پلیز یہ ناول اتنا لمبا مت کیجیے گا۔ آپ! کا آخری کتا آپ! نے بھی بہت اچھا لکھا اور یہ بے چاری جو سے کیا کر دیا (افسوس)۔ ”نایبہ بھی ہیں کچھ مہربان“ نے تو دل لوٹ لیا ام شام آپ! بہت اچھے جائیں گی ان شاء اللہ۔ ”کورا کاغذ“ ایک سبق آموز تحریر تھی خصوصاً آج کل کی پولیس فورس کے لیے۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ بیاض دل میں عائشہ اور شفاعت کے شعریا وہ پسند آئے۔ دوست کے نام پیغام آئے میں ہم اپنے نام ہی ڈھونڈتے رہے۔ یادگار لمحے واقعی ہمارے کچھ بچوں کو یادگار بنائے گاغذ نوزیہ اور افسانے افسانے کے تبصرے پسند آئے۔ سمیرا عجیب آپ! سے کچھ عجیب سی انیمیت محسوس ہوتی ہے۔ اب ہیکال آپ! کے سوال اور آپ! کے جواب دلچسپ لگے اور پھر کامر کی باتیں پڑھتے ہوئے اپنے بہت سے کام یاد آئے ہیں اس لیے اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے

ساتھ کدائقا نچل کو مزید ترقی دے اور یہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سایہ قلمن رہے آمین۔

سعدیہ رمضان سعدی..... صادق آباد۔ اسلام علیکم آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اپنے تے ہیں پیار سے آنچل کی طرف.... داد آئی اپنے آنچل کی تو کیا ہی بات ہے سب راغز منصب کا کھنٹی ہیں۔ مجھے آنچل کی ہر ایک تحریر سے پیار ہے اللہ تعالیٰ آنچل کو ان دینی راست چوٹی ترقی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

بہار سعدی ڈیرا خوش آمدید اور دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

روما شہزادی، ثمن وقاص، قمر قاسم..... گجرات۔ سب سے پہلے حمد و ثناء پڑھنے کے بعد ہم اپنے پسندیدہ ناول "ٹوٹا ہوا تہرا" پر پہنچا جس میں ولید اور اننا مصطفیٰ اور شہوار کا پہلی بیسٹ جارہا ہے۔ شہوار کو اپنی ضد اب چھوڑ دینی چاہیے اور بغیر اب ولید اور اننا کو الگ مت کیجیے گا۔ ہمیں لگتا ہے یا تو شہوار ولید کی بہن ہے یا پھر اس کا ان کی فیملی سے کوئی تعلق ہے۔ مازیہ کنول، مازی کا ناول "برف کے نسو" بیسٹ جارہا ہے اس کے بعد "لگتے ہے عظم انوں" ام مریم کا ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ باقی بھی سب سلیس اچھے ہیں اللہ حافظ۔

فائزہ بیٹی..... پنوکی۔ اسلام علیکم پاکستان! ایک بے حد گرمیوں کے اختتام پر آنچل نے اپنا دیدار کر دیا سب سے پہلی نظر سرورق پر پڑی پھر سرگوشیاں پڑھیں آئی جی کاش آپ کی طرحت ہمارے ملک کے حکمران بھی سوچنا شروع کر دیں پڑھنے کا باقاعدہ آغاز مازی کے انٹرویو سے کیا ملاقات اچھی رہی۔ "ٹوٹا ہوا تہرا" شہوار سدھر چاؤ کیوں مصطفیٰ سے کھینچ کھائے کا ارادہ ہے تم اور اننا تو بعض دفعہ بالکل عجیب ہو جاتی ہو میری مادی تو جو پیسے تم لوگوں نے اسن بھائی سے، نور سے ہیں ان سے ساری کامرسٹ سے ایک ملاقات کرو۔ ولید اس بات تم اتھے لگے ہو کھینچ کر رہے ہوئے ہی اتھے لگتے ہو کھینچ کر کوئی بار وہ اس میں کیا رکھا ہے یا بعد تم عادی کی باتوں میں ہانگل نہیں آتا کھینچیں۔ "نیشی پکوں پر" اور مازی جانے کب سے کی گئی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے ہوئے اقراء اچھی نے آخر کہا بی بی تم کو بی بی بہت شکر یا قرآن! "لگتے ہے عظم انوں" اور سب اب تو متل لڑا لگتا ہے تم بھی شہوار لوگوں کے قبیضے سے تعلق رکھتی ہو۔ سندھو سے حسب اللہ کا ہم نے لڑا پنا کا م شروع کر دیا لو وقاص صاحب مرتے مرتے پھر چائے گئے ایمان کدھر غائب ہو عباس صاحب اپنی مادیوں کا بدلہ قلم سے کیوں لے رہے ہو اور اتھم ہو رہی گڈ لگتے ہو ویسے ام مریم اس کہانی میں پہلے جیسا چاہو مادی نہیں رہا کیا خیال ہے؟ "برف کے نسو" مازیہ آپ کی کہانی کا وہی دیہاتی مرد اور شہری لڑکی کی یکسانیت پائی جاتی ہے آپ کی انٹس کہانیوں میں۔ ویسے محبوبی چھو پر کہانی اچھی لگی۔ "وہی ایک لمحہ زست کا" قاضی گل کی کہانی نے اچھا تاثر قائم کیا۔ "اعتبار محبت" مزہ دے گئی اشد تمہیں اس طرح کا پرچہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فسانے سارے ہی لگتے رہتے۔ "ہمارا آنچل" زوہد باش خان اللہ پاک تمہاری آرمی والی خواہش ضرور پوری کرے آمین۔ بیاض دل فراد احمد غلام کی الدین صدف مختار عائشہ حسین کے شہر اچھے لگے۔ غزلیں نظمیں ہیں سہاس گل شگفتہ خان مسرت گدھت غفار جو یہ خان فرید خانم نے اچھا لکھا۔ "یادگار لمحے" شمشاد حسین ارم کمال لکھی شاہ نے اچھا لکھا۔ "آہستہ عاکشہ پرویز وڈیہ خان لکھ ہاشمی نے اچھا لکھا۔ شمع ناز تحلیل شہر پسند کرنے کا شکریہ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک اس ملک اور اس کے باسیوں پر اپنی رحمتوں کا نزول کرے آمین اللہ حافظ۔

نجمہ فردوس رانا..... مانگٹ۔ میں پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں مجھے اقراء صغیر احمد کے ناول "بھگی پکوں پر" نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا پہلے کہانی کو اتنا آہستہ آہستہ چلایا اور جب کہانی سپر ہٹ ہوئی ایک دم سے ختم ہو گئی شیریں کوہسرت اتنی ہی سزا اور یہ ماہ رخ نور کا غلام کہاں غائب ہو گئے؟ اور رجا تو کہانی میں سے ایسے غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سیلنگ غائب ہوتے ہیں بس اینڈ اچھا ہی تھا پر کہانی کی طرح سپر ہٹ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میرا شریف غور

کا "ٹوٹا ہوا تارا" زبردست چار باب سے سمیرا آپی نذر اولید کا داغ درست کر دیتا ہے یہ شہوار آف میرادل چاہتا ہے کیا ہے ایک آدھ تھپڑ لگا ہی دوں شہوار اور مصطفیٰ میرے فیورٹ کردار ہیں اور یہ شہوار اتنی بھی اکثر اور مغروری اچھی نہیں ہوتی۔ واہ نازی! پی زبردست بہت اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

بہت بخیر ہر مآئینہ میں خوش آمدید۔

طیبہ شیریں..... کھوری خدا بخش۔ استلام ٹیکم! کافی عرصے کے بعد آنجل کا میں حاضری دیتی ہے آنجل ہر وقت بہت اچھا تھا سب سے پہلے سرگوشیاں اس کے بعد اقراء پیغمبر احمد کا ناول "بھگلی پلوں پر" پڑھا بہت بہت مبارک ہو ناول کا اینڈ بہت اچھا ہوا! شیریں کو اچھے طریقے سے سب مل گیا اس کے بعد "مجھے ہے قسم ازاں" پڑھا پلیز ام مریم تمہوڑا زیادہ لکھا کریں! کیوں کہ جیسے ہی پڑھا شروع کرو تو ختم اس دفعہ تو کوئی مزا نہیں آیا۔ "برف کے آئینے" نازی یہ کنول نازی ہوتی! موز ناول ہے۔ "اعتبار محبت" نازیہ قلم رضوی بہت اچھے اور بیسٹ طریقے سے لکھا گیا ہے منہ بل کا کردار بہت پسند آیا۔ باقی کہانیاں بھی بہت زبردست تھیں! ہمارے آنجل میں سب کا تعارف پسند آیا! اللہ تعالیٰ آنجل کو ترقی دے! مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے! سب کو رمضان کی بہت بہت مبارک ہو! السلام۔

دملہ ایمل..... جھلم۔ استلام ٹیکم! جہر وعت سے مستفید ہونے کے بعد اپنے پسندیدہ ناول "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف دوڑ لگائی مگر افسوس کہ میرا اس کا سرا کوئی ہاتھ لگائے نہیں دے رہی! تمہارے اب بابا صاحب کا راز ختم ہو جانا پاپتہ تھا چلے ہم پھر بھی قبول کرتے ہیں۔ خیرت کی بات ہے "بھگلی پلوں پر" کا اتنا سا وہ سنا اینڈ تھا۔ بہنوں کی عدالت میں نازیہ کی سے مل کر اچھا لگا نازی آپی یہ کیا محبت کے ہر سوال پر جواب کنول..... آپ کی حاضری مانگی کو داد دیتی ہوں۔ ام مریم! اریب کو سکندر سے جدا مت کیجیے گا اور مندی کو اس کی منزل تک پہنچا دیجیے گا کیوں کہ مندی کی لگن بھی ہے باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح زبردست تھے۔

منیبہ نواز..... صبور شریف۔ استلام ٹیکم! بات ہو جائے اس ماہ کے آنجل کی تولد! خوش رہو۔ ناول خوب صورت تھی سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف دوڑ لگائی روٹھانے اور احسن کی شادی ہوئی یہ بہت اچھا ہوا۔ دلیہ اور اما کے درمیان اب کوئی جھگڑا نہیں ہوا چاہیے! یاز کی ضمانت ہو گئی اب وہ ضرور کوئی مسئلہ کھڑا کرے گا۔ دیتے ہوں بہت ہی زبردست چار باب ہے کیپ اس! اب میرا جی پورا گریت۔ "بھگلی پلوں پر" اقراء جی! کچھ مزا نہیں آیا! ناول کا اینڈ ہو گیا ایک دم سے اور پتا ہی نہیں چلا دیتا آپ کو بہت بہت مبارک! اب کسی اچھے سے ناول کے ساتھ دوبارہ آنجل میں حاضری ہوئے گا۔ "مجھے ہے قسم ازاں" ام مریم آپی گریت بہت ہی عمدہ! انداز سکندر کو اب اس کا حق مل ہی جائے گا اور اریب کو شکر ہے قتل آئی! دیر یا بدیر دوست آپ بس ابھی تک اتنا ہی پڑھا صحیح پریشانی بھی ہے! او کے اللہ حافظ۔

شمازیہ اسلم..... خانیوال۔ تلی جیسی لڑکیوں کو موٹی کیوٹی آئیوں اور شہلا آپی کو شمار یہ کی طرف سے سلام۔ مجھے پتا ہے آپ سب مجھے بھول گئی ہوگی! خیر چھوڑو جون کا آنجل تو ایک دم بیسٹ تھا وہ اس لیے کہ اس میں میری سوسٹ فیورٹ رائٹر تھی کہ نازیہ کنول نازی کا انٹرویو جو تھا۔ "بھگلی پلوں پر" مبارک! مبارک! اینڈ اچھا ہوا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" ویسے مجھے لگتا ہے شہوار مصطفیٰ کی آزن ہوگی! (میرا سٹڈ تو یہی کہتا ہے باقی سمیرا آپی بہتر جانتی ہے) مجھے لگتا ہے "قسم ازاں" ایک دو اقساط میں ختم ہو جائے گا! (ایم رائٹ!) "اعتبار محبت" نازیہ قلم رضوی کا اچھا ناول تھا وہ کافی دنوں کے بعد نظر آئی ہیں لیکن وہ کہتے ہیں بدیر یا بدیر دوست آپ۔ باقی سب نے بھی بہت اچھا لکھا! خاص کر "ایسے بھی کچھ مہرباں" ام شمار نے آنجل شروع سے لے کر اینڈ تک دلوں میں اتر جانے والا تھا! اللہ حافظ۔

میرنگھت غفار..... کراچی۔ استلام ٹیکم! اس ماہ کا رسالہ خوب صورت! ٹائٹل لیے تھا! سب عزت

سرگوشیاں سنیں دیرلوں پر یہ دعا آگئی کہ بت العزت ہم سب کو نیکی اور بھلائی کے راستے پر چلائے۔ حمد باری تعالیٰ نعت رسول مقبول دونوں مقدس تحریروں کو باادب پڑھتے ہوئے آگے بڑھے تو معتبر و مقدس تحریر "مالک یوم الدین" اس کی بقیہ تحریر کا انتظار ہے۔ ماریہ کنول ماری "بہنوں کی عدالت" میں جنوب دریچہ ہوئی بہت اچھی لگیں۔ افسانوں میں "بھٹی چنگوں پر" اقربا صغیر احمد نے بے حد خوب صورت تحریر لکھی ہے۔ "وہی ایک لمحہ زیست کا" فائزہ بی آپ کہاں ہیں مجھے اکثر مخاطب کرتی تھیں میں بھی آپ کو یاد کرتی تھی آپ کی یہ تحریر بہت خوب صورت لگی ماشاء اللہ در قلم اور زیادہ۔ "اعتبار محبت" مادیہ فاطمہ رشوی اولیٰ ڈن۔ منال کو اس کی منزل مل گئی۔ ام مریم کہانی کی اچھی قسط کا انتظار ہے۔ "ایسے بھی ہیں کچھ مہرباں" ام ثناء نے بے حد خوب صورت تحریر لکھی۔ "گورا کاغذ" مریب اصغر نے مختصر مگر بڑی ہی براثر تحریر لکھی۔ یادگار رسالے میں صفحہ شمس اوسباس گل ارم کمال رملہ رمل "حافظہ میرا غیبیہ نذیری" تحریر پسند آئی۔ غزلوں اور نظمیں میں ماریہ کنول سباس گل نسیم سکندر ریاض حسین نوشین اقبال راشد ترین مریم اکرم فریدہ خانم کی تحریریں پسند آئیں۔ بیاض دل میرا راجا پروین افضل امیر اعجازی عارف مختار پارس شاد۔ اب اجازت چاہوں فی اللہ حافظ۔

ثناء اقبال..... بھلوال۔ السلام علیکم شہلا بی! کس چیز سے سرگوشیاں پڑھیں جنگ کا نہیں بھرے الفاظ انداز و شیرینی و ندر فل پھر وائش کدہ پر گئے پلیر 4 صفحات کو زیادہ کریں بہت سکون ملتا ہے دلچسپی کدہ پڑھ کر انگلی مشتاق احمد قریشی صاحب بہت بہت شکریہ محفل کے بندہ پروے کھولنے کے لیے۔ پھر ماریہ بی کے سوالات و جوابات پڑھنے "برف کے آنسو" مانی گاؤں سب کو اپنی اپنی فکر ہے انسانے ٹھیک تھے۔ اقربا مانی کے لیے خط لکھا ہے یہ کیا اتنی جلدی اینڈ کر دیا آپ پری اور ظفر کی شادی ہی دکھا دیتیں شیریں کو محفل آگیا بڑی بات ہے پلیر اب آج کل سے غائب نہ ہو جانا دقت تو قیامت کی درجہ رہنا اوکے اللہ حافظ۔

عائشہ خان..... نندو محمد خبان۔ السلام علیکم ایزی بے صبری سے سنا چل کا انتظار تھا، ناسل چھانکا سب سے پہلے نہرست میں شاز یہ کام پڑھ کر "تحریر کا سفر" طے کیا بہت زبردست نکلا شاز یہ مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی جیسے میرا فسانہ شائع ہو گیا ہے۔ "بھٹی چنگوں پر" جلدی جلدی پڑھنا شروع کیا کہ غول کیا کرتی ہے دعا تھی کہ پری شیریں کے ناپاکہ عزائم سے محفوظ رہیں اور اللہ سے ناسے محفوظ رکھا کہانی اچھی لگی۔ بہنوں کی عدالت قلمی سفر کے مختصر سے سفر میں بے پناہ شہرت پانے والی ماریہ کنول ماری کو پڑھنے کا شرف آج کل میں حاصل ہوا۔ آپ کتنے پیار سے ہر بات کا جواب دیتی ہیں میں تو آپ کی لکھی ہوئی فیصل آباد سے مدد محفل نے جو سوالات کیے وہ بہنوں کی عدالت نہیں پریم کورٹ لگ رہا تھا۔ ہمارا آج کل میں چاروں کے تعارف پسند آتے خاص طور پر نفیسہ سرفراز کا۔ ہم سے پوچھئے میں تمام سوال و جواب اچھے لگے۔ دوست کے پیغام آئے میں تمام ہی بہت اچھے لگے تو یہ کوڑ کا چنی منی کا کی کورواں پیش کرنا اچھا لگا ہوا ہوا۔

جدا دیر کشی! آپ دیکھ کر تعجب پر بھی تو اپنا تبصرہ قلمبند کرشمی بہر حال شریک محفل رہیے گا۔

فاطمہ منظور۔ سمیرا یال۔ "بھٹی چنگوں پر" مزہ دے گی اولیٰ ڈن اقربا مانی بی۔ "اعتبار محبت" بھی بہت اچھی رہی اس میں اشد مہر بہت پیارا تھا ام مریم آپ قافٹ اینڈ کریں اب۔ ماریہ بی کا غول "برف کے آنسو" بھی اچھا ہے۔ "ہمارا آج کل" میں تعارف سب کے ہی اچھے تھے لیکن فرزانہ اکرم کا تعارف پڑھ کے حیرت کیا فرزانہ اکرم بی آپ میری کس بات جاؤ۔ زو بائش خان یہ باادب بالاطحہ ہوشیار بنائے میں مریجاواں یہ بھی اچھا ڈالیا اب بے اللہ حافظ۔

ابو رش زبیرت مکرم آفریدی۔ ہنیاں بالا آزاد کشمیر۔ السلام علیکم اولیٰ رسالے میں لکھنے کے لیے آج پہلی بار قلم اٹھایا آج کل ایک بہترین تقریر کی اولیٰ رسالہ ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ سبق بھی سکھاتا

جیسے "بھیلی پکوں پر" کے ایک کرکٹر صباحت جتیم کے رویے کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے
 خطائیں دیکھ کر بھی وہ عطا میں گم نہیں کرتا
 سمجھ میں یہ نہیں آتا وہ اتنا مہربان کیوں ہے

"ٹوٹا ہوا تارا" میرا شریف طور کی ادنیٰ صلاحیتوں کا ایک بہترین شاہکار ہے مگر اس کو اتنی زیادہ طول استندی ہے۔
 شہوار کو بھی ذرا اس کے رویے کی سزا دیں ویسے یقیناً ولید روشی اور شہوار بہن بھائی ہوں گے اب بہترین ناولٹ "مجھے ہے
 حکم ازاں" کی بات کرتے ہیں۔ لگتا ہے کہ ابراہیم احمد نو مسلمہ فاطمہ کا بھائی ہو گا۔ آج کل کے تمام نگار یوں کی کوشش
 بہترین ہے اللہ تعالیٰ۔

جنگ بھریش و شیر خوش آمدید۔

ندا اعجاز۔ گوجر خان۔ آج کل کے تمام اسٹاف اور تمام قارئین کو میری طرف سے اسلام علیکم! اس
 ماہ آج کل کا ناول بالکل اچھا نہیں لگتا لیکن "بھیلی پکوں پر" کا اینڈ بہت اچھا لگا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" اور "مجھے ہے حکم ازاں" دونوں
 ناول تیرے دست ہیں۔ تازیا پانی کا "برف کے کتا نسو" بہت مزے کا ناول ہے بلکہ پورے کا پورا آج کل ہی بہت مزے کا ہے
 اللہ تعالیٰ آج کل کو دن رات چوٹی ترن دے آمین۔

ایمن مبارک مقامی۔ کھڈیاں خاص۔ اسلام علیکم! ہم سے پوچھنے میں مجھے چھوٹی گڑیا کا
 خطاب دیا مجھے بہت اچھا لگا! آئی ہزاری رسائی تو صرف یادگار لکھناں تک ہی ہے ہالی رسالے کے ورق پٹنے پر ہمیں
 گھوڑیاں مفت ملتی ہیں۔ اپنا کا کہنا ہے باقی ساتویں سے پڑھنا اور ہم ٹھہرے گا بھی پانچویں کلاس کے مسافر۔ سب سے
 پہلے نام محمد علی ہے فیض یاب ہو کر نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے منور ہو کر سب اس گل کا وہ نیپ قطعاً اپنی ڈائری کی
 زینت بنایا۔ نیت کا اثر (صرف مختار) نے نو شیرواں کا قصہ لکھا میں نے اپنی کتاب میں پڑھا تھا اعمال کا دار و مدار شیئوں پر
 ہوتا ہے ہمارے ٹوٹکے (اقرا آفرین قارئین بلاں) دونوں آئینوں نے ہمیں خوب ہنسایا! آئی جو کہ تو مجھے سمجھ ہی نہیں آتے
 البتہ اقوال زریں سارے ذہن نشین کر لیتی ہوں اچھا آئی اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔
 جنگ بھری گڑیا خوش آمدید۔

شذا بلوچ۔ جھنگ۔ ہائے سوئے کیسی ہیں آپ؟ اس ماہ آج کل 27 کو ملا ناول بالکل بھی پسند نہیں آیا
 (سوری)۔ جون کی فرسٹ ویک میں ایگزٹر اشارت ہو رہی ہے میں سو سارا ڈائجسٹ تو نہیں پڑھ پائی۔ "برف کے کتا نسو"
 بہت اچھی اسٹوری ہے لیکن غائر نے جو حرکت کی وہ بہت غلط بات ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ریان نے اس
 سے بڑھ کر غلط قدم اٹھایا جو عورت اپنے شوہر کو دھوکہ دے سکتی ہے کیا وہ کل ریان کو نہیں دے سکتی اور سندان حسن اب جتا
 نہیں اسے خمیر کی چوٹ برداشت کر پائے گا کہ نہیں چھوٹا گھر دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ یادگار لمحے میں اقرا آفرین قارئین
 بلاں کے ٹوٹکوں نے خوب ہنسایا! آپ لوگوں کے کٹھے ٹٹھے تعارف کا شدت سے انتظار رہے گا۔ دلچسپ تھا! حافظہ میرا
 کافی دلچسپ لگے گا مگر باتیں بھی کام کی نہیں جو کہ سارے ناچھے تھے۔ باقی سب بولی گزرنے سے بہت اچھا لکھا! ابھی کے
 لیے میری بیسٹ وشر۔

جنگ اس دعا کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شہر رمضان کا احترام کرنے اور قرآنی احکامات پر عمل
 کرنے والا بنادے آمین۔



ہم سے پوچھئے

شمالیہ کی شہر

شہزادہ بلوچ..... جھنگ

س: ہائے میں پھرا گئی۔

ج: اے اللہ! آپ نے پھر سے اتنی زحمت کر لی۔

س: شعر کا جواب دیں

تیری یادوں کے بھول جانے تک

مار ڈالے گا تیرا یاد آنا

ج: دنیا میں اب خلوص ہے بس مصلحت کا نام

بے لوث دوستی کے زمانے گزر گئے

س: اے جون کو پہلا پیچہ ہے کوئی اچھی سی دعا دے

دیں۔

ج: بغیر عقل کے اپنی عقل سے اچھے ٹیسروں سے پاس

ہو جاؤ آئین۔

سعدیہ رمضان سعدیہ..... صادق آباد

س: آپ آئیں ہر وقت ہنسی کے دور سے بڑے رہتے

ہیں ہر کسی سے ہماری عزت ہو جاتی ہے کوئی علاج

بتا دیں کیا کریں؟

ج: اپنی ہنسی نکلو اور بس۔

س: بڑے بے آبرو ہو کے تیرے کو بچے سے نکلے

کیوں کہ آپ ہمیں اپنی محفل میں جگہ نہیں دیتیں؟

ج: کہاں نکلے جناب آپ تو ہمارے کوپے میں ہی

چپک گئی ہیں۔

س: اچھی سی دعا سے درخواست کریں؟

ج: جگہ جگہ دیو۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: ماہ رمضان میں مجھے سحری کے لیے اٹھنے کے

لیے الارم لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے میاں جانی

خرا لے اتنے زوردار لیتے ہیں کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے

میری بات بتا پ کو یقین آیا یا نہیں؟

جولائی 2011

ج: ان کے گلے میں ایک عدد ڈھول ڈال دینا تاکہ

اٹل مٹل بھی سحری میں جاگ جائے۔

س: ماہ رمضان میں میرا دل کرتا ہے کہ.....؟

ج: جلدی سے عید کا چاند نظر آ جائے۔

س: رمضان کے مہینے میں میرے میاں جانی عصر

کے بعد مجھ پر کیوں برستے ہیں؟

ج: سحری میں انہیں ایک عدد ملائس دو گی تو وہ تو

گزر چیں گے بھی اور برسیں گے بھی۔

عائشہ پروین..... کراچی

س: السلام علیکم! آپ رمضان مبارک۔

ج: نہ علیکم! سلام! آپ کو بھی ماہ صیام مبارک۔

س: آپ کی بھی زندگی سے ڈر لگتا ہے کیوں؟

ج: ایسے کام منت کیا کرونا کہ ماں کی ڈانٹ کا خوف

ستائے۔

س: آپ شعر کا جواب شعر سے دیں؟

تجانی کے صحرا میں مجھے چھوڑ گئے سب

دعویٰ بنا کرتے تھے بہت ہنسٹری گئے

ج: وہ شائیں شگفتہ مزاج وہ گلاب چہرے

موج زمانہ لے گئی جانے کہاں ان کو

سیدہ جیاد عباس تلہ جھنگ

س: رمضان میں ایمان بکاتا ہے سامان کے ہمارا کیا

اسی لیے مہنگائی ہو جاتی ہے؟

ج: ہمارے ملک میں بارہ ماہ ہی زمین بکاتا ہے سب۔

رمضان سے کیا شروط۔

س: سسرال میں پہلی عید ہے میاں جانی شاپ پر

مصرف ہوئے ہیں کیسے مناؤں عید؟

ج: ابھی عید آنے تو دو پھر میاں جانی ہمس عیدی

آ جائیں گے۔

س: یہ اکثر لوگوں کو روزہ لگتا ہے اتنا تو بتا دیں لگتا

کہاں ہے میں تو سوچ سوچ کر بارگاہی جی؟

ج: تم سوچ سوچ کر خود کو بڑھامت کرو جس کو لگتا

ہے اس کو لگنے دو نہیں۔

انجیل

250

س: آلی قاترہ بیوٹی کریم لگائی! فیس فریشن! صبر دل
بھی لگائی پھر بھی رنگ گورا نہیں ہوتا؟

ج: ٹینشن مت لو تمہیں کون سا گوروں کے دلیس جاتا
ہے پیادلیس ہی تو جاتا ہے ناں! مس کنٹل۔

ارم کمال..... فیصل آباد

س: بابا جی 444 والٹ کا جھڑکا کب لگتا ہے؟

ج: جب پیاجی اچانک سے سامنے جائے اور تو بغیر
سیک اپ کے ہوتے۔

س: آنے سے اس کے آئے بہار بھلا کس کے؟

ج: ناہر رمضان کے۔

س: دل کے شیشے میں ہال آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: تو بچوں کو بال واپس کرو تمہاری کھیلنے کی عمر گزر
چکی ہے نا اب۔

س: دکان کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے گھر کا
دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہے دل کا دروازہ کس طرف کھلتا
ہے؟

ج: دروازہ کھول کر دیکھ لو زور سے گروگی پھر پتا چل
جائے گا۔

س: چار دن کی چاندنی کے بعد اندھیری رات کیوں
ہوتی ہے؟

ج: آج تو کل تو صرف لمبی اور اندھیری رات ہے
چار دن کی چاندنی تو کھو گئی ہے نا اب۔ منجانب کے اکی
اکیس سی۔

نوزیہ سلطانہ..... تونسہ شریف

س: شام لگتی آپ کا دماغ گرم کرنے کے لیے ہم
ایک بار پھر حاضر خدمت ہیں! کیسے کسی لگی سواری آباد
بہاری؟

ج: مس یاد بہاری آپ کی گندھے کی سواری اور یہ
تیاری لا جواب ہے۔

س: شام لگتی آپ کا کالم پڑھ کر ماں مجھے کچھ
ہوتا ہے بھلا کیا؟

ج: پیٹ میں درد! مس! مس! کر۔

س: عشق حقیقی! صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو
ایجاد عا کریں؟

ج: آئین! سدا مسکراتی رہو۔

نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ جی آپ نے مجھے سالگرہ ڈس نہیں کیا
کیوں؟

ج: ٹیک لے کر آئیں تو ضرور کرتے۔

س: آپ جی انسان کے اپنی بھی کچھ مجبوریاں ہوتی
ہیں پھر اسے بد وقت کیوں کہا جاتا ہے؟

ج: بے وفائی ہے سبب نہیں ہوتی

برسات کی وجہ نہیں ہوتی

س: آپ جی آپ کو میرا آغا اچھا نہیں لگتا تو بتا دو نا شری کا
پورڈ کیوں لگا دیا میرے لیے؟

ج: تم چشم لگا کر دیکھتی تو ایسا کوئی بورڈ نظر ہی نہ آتا۔

مدیحہ نورین مہک..... برٹانی

س: گرمی سے بچنے کا کوئی نیا طریقہ بتائیں؟

ج: گرم گرم پانی سے نہاؤ اور لیف میں گھس جاؤ۔

س: آفریڈ شیزڈ ٹف گرمی میں ہی کیوں زیادہ ہوتی
ہے؟

ج: گرمی میں ہی نہیں اب تو سردی گرمی ہر سیزن میں
دستیاب ہے یہ لوز شیزڈ ٹف۔

س: جی چاہتا ہے کہ واپڈ اوٹوں کو.....؟

ج: کال کٹھری میں بند کر دیں۔

س: کسی کو تو بڑ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ج: پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس جن کو قابو کرنا ہے۔

رخسانہ اسماعیل..... تونسہ شریف

س: آبی پانی گیلیا کیوں ہے سماں نیلا کیوں ہے؟

ج: پہلے تم یہ پتہ دو تمہارا دماغ ڈھیلا کیوں ہے؟

س: آپ جی وہ ہر روز میرے خواب میں آ کر مجھے ڈراتا
ہے؟

ج: اور تمہاری صورت دیکھ کر پھر خود ہی چپکنا ہوا بھاک
بھی جاتا ہے۔

س: شام لگاتی رہا ہے نئی خبر لائی ہوں آپ کے لیے
گرمیاں آچکی ہیں (کب کی)؟ اے سی تو چلانا شروع
کر دیجیے بادشاہو؟

ج: یہاں اے سی بی بی بی سی سب چلتا ہے، بی
بی۔

عائشہ عمر..... فیصل آباد

س: سلام بی بی آپ کی طرف کیا خبر ہے؟
ج: اللہ کا کرم ہے اور خبر کے لیے خبر کی دنیا پر نظر ڈالو۔

س: لوڈ شیڈنگ پر کیا کہیں گی کوئی مصرعہ ہو جائے؟

ج: اب تو تجربا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

س: آف اللہ..... یہ اتنی گرمی کہاں سے آگئی ہے؟

ج: بس یہ سب آپ کے غلط اعمال کی سزا ہے۔

ندا اعجاز..... گوجرانوالہ

س: آبی! کیسی ہیں آپ؟ مجھے یاد کیا یا نہیں؟

ج: ہاں بہت یاد کیا خوش فہم لوگوں خوش ہو جاؤ اب۔

س: آبی آج کل عجب وحشت کا موسم سوار بدل پڑا

کیا کروں؟

ج: برف کی سل سے ٹپٹ کے سو جاؤ تو موسم خود بخود

خوشگوار ہو جائے گا اور وحشت بھی دور۔

س: آبی کوئی پیاری سی دعا دیں جس سے دل خوش

ہو جائے؟

ج: بس دعا خوش رہو۔

صاحرا مقامی..... قصور

س: سلام بی بی! چکی باتا رہی ہوں آج کیسی لگی؟

ج: چکی آمد پر خوش آمدید۔

س: آپ اپنی ہم عید کے بعد کراچی آ رہے ہیں تو آپ

سے بھی مل جائیں؟

ج: ذرا دیکھ بھال کر آتا یہاں کے حالات تو معلوم

ہیں ہیں۔

س: ایڈوائس میں رمضان مبارک۔

ج: آپ کو بھی بابا صیام مبارک۔

س: آبی آپ رمضان میں لٹچ میں کیا کیا رہتی ہیں؟
ج: لیتے تو بہت کچھ ہیں لٹچ کے لیے نہیں بلکہ
اظہاری کے لیے کیا سمجھیں۔

عائشہ خان..... ٹنڈو محمد خان

س: ہمارے سیاستدان کب سنجیدہ ہوں گے؟

ج: سنجیدہ ہی تو ہیں عوام کو تنگ کرنے میں۔

س: آپ کی نظر میں سب سے قلمس سیاستدان کون

ہے؟

ج: چراغ تو کیا سورج لے کر بھی ڈھونڈنے نکلیں تو

آج کل ملنا مشکل ہے۔

س: دینا ملک کا ارادہ کسی پارٹی کو بوائے کرنے کا؟

ج: شادی خانہ آبادی پارٹی جو اتنی کرچکی ہیں وہ۔

عائشہ اور انصافی..... شادی والی ہجرات

س: مجاورہ درست کریں "گدھا کیا جانے چاہن کا

سوا"

ج: عائشہ اور انصافی کیا جانے اور ک کا سوا۔

س: ہاں جی اس بار رمضان کے بارے میں کیا

جدبات ہیں؟

ج: شکر ہے بدست انعامین کا اس نے ایک بار پھر ہمیں

یہ مبارک مہینہ نصیب کر دیا۔

س: آپ کا تک نیم کیا ہے؟

ج: ابھی رکھیں گے تو آپ کے پاس بھی اندراج

کرا دیں گے۔

لیلیٰ شاد..... چک سادہ ہجرات

س: شکی آبی بس مختصر ان سے کہنا آ سکتی ہیں ترس جی

جیت تیرے بویہ اور کو؟

ج: کہہ دوں گی لیکن یہ بچی پھر بھی نہیں آئے گی۔

س: کوئی ابھی سی دعا میرے اور میرے آری

بھائیوں کے لیے؟

ج: جگ جگ جیو وطن کا نام روشن کرو۔



آئی سی

بوسیدو اکثر یا شہم ضرر

کر دیں BREAST BEAUTY آپ کے
گھر پہنچ جائے گا۔ مٹی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر
اپنا مکمل نام پتا اور مطلوبہ دوا کا نام بریسٹ بیوٹی ضرور
لکھیں۔

مختصر مٹی آرڈر سیکلکٹ سے لکھتے ہیں کہ (11) روپے کا
مٹی آرڈر کیا تھا مگر دوا نہیں ملی۔

مختصر مٹی آرڈر 14-13-18 کو موصول
ہوا تھا دو بار جسرڈ پوسٹ کے ذریعے ارسال کر دی گئی
تھی جو 14-13-28 کو واپس آ گئی پتا مکمل تھا آپ
مکمل نام پتے سے آ گاؤ فرمائیں۔

سجاد ہرنی پور سے لکھتے ہیں کہ مجھے سرعت انزال
کی شکایت ہے شادی شدہ ہوں کوئی مناسب علاج
نہ ملتا ہے۔

مختصر مٹی آرڈر 3X ACID PHOS کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

قدور حسین جھنگ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پسینہ بہت
ڈیوڑھا آتا ہے ایک جوتا ایک دن ہی پہنتا ہوں خراب
ہو جاتا ہے۔

مختصر مٹی آرڈر 30 LABORANDI کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

مہوش گل ہرنی پور سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن پیٹ
بہت بڑھ گیا ہے ماہانہ اخراج کئی ماہ بعد ہوتا ہے پانی
کی شدید شکایت ہے۔

مختصر مٹی آرڈر 30 PITUTRIN کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

عروشے گل حافظ آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے مایانہ
نظام کی خرابی ہے کئی مہینے ہوئے مٹا پا رہی ہے۔

مختصر مٹی آرڈر 30 SENEIO کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ

ایک سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ عمر 29 سال ہے اور
مٹا پا رہی ہے۔ دوست کا مسئلہ ہے کہ سر میں اتنی خشکی
ہے کہ کانوں تک آتی ہے۔

مختصر مٹی آرڈر PHYTOLACCA-Q کے
دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔ دوست کے لیے HAIR
GROWER سکا لیں 600 روپے کا مٹی آرڈر
میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔

رائف سوات سے لکھتی ہیں کہ سر میں بہت خشکی
ہے بال بہت جھڑ رہے ہیں کوئی علاج بتائیں کہ خشکی
ختم ہو اور بال گرنا بند ہوں اور بال لمبے گھنے اور خوب
صورت ہو جائیں۔

مختصر مٹی آرڈر 600 روپے میرے کلینک کے
نام پتے پر ارسال کر دیں۔ HAIR
GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ آپ کا
مسئلہ حل ہو جائے گا۔

عبدالرحمن کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرا قد بہت
چھوٹا ہے کوئی علاج بتائیں۔

مختصر مٹی آرڈر 6X CLC PHOS کی چار چار
گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM
CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی
میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

اقرا شہزاد کی حافظ آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے نسوانی
حصن کی کمی ہے کوئی اچھا علاج بتائیں۔

مختصر مٹی آرڈر SABA 1
SERULATA-Q کے دس قطرے آدھا کپ

پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 550
روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال

کے پتے پر ارسال کر دیں 6.5 بوتل استعمال کرنا ہوں گی آپ کے بال لیے گھٹنے خوب صورت ہو جائیں گے۔

سودہ بوتل آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت زیادہ گرتے ہیں پتلے بھی ہیں۔

محترمہ آپ میرے کلینک سے HAIR GROWER منگا لیں مسئلہ حل ہو جائے گا۔

صبا امجد گوجرانہ سے لکھتی ہیں کہ میں ہینئر ٹرور استعمال کر چکی ہوں مجھے بہت فائدہ ہوا ہے مزید بھی آرڈر کر رہی ہوں مجھے کتنی بوتل استعمال کرنا ہوں گی۔

محترمہ آپ دوا چاندی رھیں ہینئر ٹرور کی 5.4 بوتل استعمال کرنا ہو گی۔

آپ شفیق ٹکڑ سے لکھتی ہیں کہ باہر نظام ختم ہو چکا ہے عمر 38 سال ہے کوئی دوا بتائیں کہ ماہانہ نظام درست ہو جائے۔

محترمہ آپ GOSSTIUM-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اللہ بہتر کرے گا۔

مشعل آفتاب راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرا رت گورا تھا جوڑیم نہیں ملتی۔

محترمہ JODUM-IM ہی اس کا علاج ہے اور بدن کی ٹگریہ کریں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

ثمینہ بیگم ٹکڑ سے لکھتی ہیں کہ پیدائشی طور پر سانس کا مسئلہ ہے بہت پریشان رہتی ہوں لی بی کا بھی علاج ہو چکا ہے۔

محترمہ آپ NATRUM SULPHI 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ اللہ آپ کو شفا حاصل ہوگی۔

جمیل الدین فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ CALCARE 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ

پیا کریں جب ماہانہ نظام نارمل ہو جائے تو دوا چھوڑ دیں۔

مباہرہ سے لکھتی ہیں کہ میرے پریسٹ میں سخت کمبائن بنی آپ نے ٹکڑ یا فلور تجویز کی تھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

امبر انوار ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت گہرے ہیں سر کی جلد نظر آرہی ہے۔

محترمہ آپ BIOPLASGEN کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔

نہدہ قاسم اسلم جزو الہ سے لکھتے ہیں کہ میری نظر کمزور ہوئی ہے۔

محترمہ آپ CINRARIA DROPS روزانہ آنکھوں میں ڈالیں انشاء اللہ ٹہر کم ہو جائے گا۔

بج سجاد اسلم جزو الہ سے لکھتے ہیں میری عمر 17 سال ہے میرے بال سفید ہو گئے ہیں کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ JABORANDI-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ

پیا کریں اور مسٹک 600 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔

HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

سعدیہ ناز ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ مجھے سیلان الرحم کی شکایت ہے۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

آمنہ سعید لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال جز سے اترتے ہیں بھی ہوئی جارہی ہوں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک

محترم آپ JODUM 30 کے پانچ قطرے
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں
550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر
ارسال کر دیں BREAST BEAUTY آپ
کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے قدرتی حسن
و خوب صورتی بحال ہوگی۔
ممتاز احمد جہلم سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے

بغیر جواب دیں۔
محترم آپ SALINICRA 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔

دلشاد خان ایشاد سے لکھتے ہیں کہ رات سوتے ہیں
کپڑے خراب ہو جاتے ہیں بہت پریشان ہوں کسی
برسے میں بھی نہیں ہوں۔

محترم آپ SALIX NIGRA 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔

ممتاز بٹ لوکاڑہ سے لکھتے ہیں کہ غلط عادت کا
شکار ہوں چھوڑنا چاہتا ہوں۔

محترم آپ USTILAGO Q کے دس
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

نور احمد وزیر آباد سے لکھتے ہیں کہ آنکھ میں آپ
کی صحت کا سلسلہ انتہائی قابل تحسین ہے صاف
ستھرے ادب کے ساتھ ہماری پیاری بول کا علاج بھی
تھوڑے ہو جاتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے آپ کی دن دینی
رات چوٹی ترقی پائے ہماری دعا میں آپ کے ساتھ
ہیں۔ میرا بھی ایک مسئلہ ہے شائع کیے بغیر علاج
نہیں۔

محترم آپ LEDUM PAL 30 کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

پیا کریں۔
عبداللہ مہر گودھا سے لکھتے ہیں کہ میرے بائیں
گروہ میں پتھری ہے درد ہوتا ہے بھی پیشاب میں
تکلیف ہوتی ہے۔

محترم آپ BERBARIS VULG-Q کے دس
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔

راشدہ مجسم بٹان سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر
بال ہیں بہت برے لگتے ہیں۔

محترم آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک
کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔
AAPHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

رشیدہ جیم سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری دوست
نے آپ کے کلینک سے نیا فارمولا
AAPHRODITE منگا دیا تھا۔ اس کے بال ختم
ہو گئے ہیں مجھے بھی VI کر دیں۔

محترم آپ کو 900 روپے کا منی آرڈر کرتا ہے
VI نہیں بھیجئے معذرت چاہتے ہیں۔

فہیم احمد قریشی سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے پریٹ
کی شکایت ہے بہت زیادہ تکلیف ہے پیشاب رک
جاتا ہے۔

محترم آپ SABALSERUATA-Q کے دس قطرے
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔
عدنان بھٹی لاہور سے لکھتے ہیں کہ سخت تکلیف کی
حالت میں خط لکھ رہا ہوں شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم آپ LVCOPODIUM 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔

سدرہ کنول ایبٹ آباد سے لکھتی ہیں کہ بچوں کو
دودھ پلانے سے ٹھپ خراب ہو گیا ہے تھریاں چر گئی
ہیں لنک گئے ہیں۔

کر دیں آپ کو BREAST BEAUTY گھر
پہنچ جائے گا۔ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

شہزین قریشی جہلم سے لکھتی ہیں کہ مجھے
انکار جنٹ آف یوزس کی شکایت ہے۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا
کریں۔

محمد خان بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا بچہ جب اسکول
سے گھر آتا ہے سر درد کی شکایت کرتا ہے۔

محترم آپ NATRUMUR 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں۔

سوزدھند قریشی لکھتی ہیں کہ میرے شوہر کا مسئلہ
ہے کہ خرابی بہت آتی ہے اس کی وجہ سے میں سو
نہیں سکتی۔

محترم آپ ان کو STRAMONIUM
30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین
وقت روزانہ لیں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتہ:

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 کے
ڈی اے فلٹس فیر 4 شاہان ٹاؤن 2 سیکٹر B-14
نارتھ کراچی۔ 050 5857 فون
نمبر: 0213-6997054

خط لکھنے کا پتہ آپ کی صحت مابنامہ آن لائن پوسٹ
بکس 75 کراچی۔



منار احمد قادری کراچی سے لکھتے ہیں کہ میرا قد
چھوٹا ہے بہت پریشان ہوں۔

محترم آپ CALC PHOS 6X کی چار
چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM
200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی
میں ڈال کر برآ ٹھوس دن ایکس ہار پیا کریں۔

سعیدہ خانم سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن
بہت زیادہ ہے وزن کم کرنے کے لیے کوئی دوا
بتائیں۔

محترم آپ PHYTOLACCA Q کے
دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
کھانے سے پہلے لیں۔

محمود عثمان ملتان سے لکھتے ہیں کہ آپ نے مرد
حضرات کی کمزوری دور کرنے کے لیے بھی کوئی دوا
نہیں لکھی ہم جیسے مردوں کا بھی خیال کریں۔

محترم آپ AGNUSCAST 30 کے پانچ
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ
پیا کریں۔

نمر فاطمہ نیازی قصور سے لکھتی ہیں کہ میرا سینہ
بہت بھاری ہے بہت برا لگتا ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CHEMAPHILA 30 کے
پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت
روزانہ پیا کریں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے
کلینک کے نام سہتہ پر ارسال کریں۔

BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ
جائے گا اس کے استعمال سے سائز اینڈ شپ نارل
ہو جائے گا۔

کلثوم خاں انبست آباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے حسن
نسواں کی کمی ہے بہت پریشان ہوں۔

محترم آپ SABALSERULATTA
Q کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں۔
550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام سہتہ پر

گام کی باتیں

حنّا احمد

روزہ اور صحت

قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ "اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزے رکھو۔" (سورۃ البقرۃ) آج سے پندرہ سو سال پہلے بتایا جا چکا ہے کہ روزے رکھو یہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔ روزہ ڈا صرف اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے بلکہ زمانہ قدیم سے شریعت الہی کا جزو لازم رہا ہے چونکہ قرآن مجید اسلام کے مذاہب میں اسے فرض کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ لہذا اس سے یہ بات واضح ہے کہ دین اسلام کی فطرت اور اس کے طریقہ تربیت میں کوئی مذکورہ مناسبت ضرور ہے۔ سال بھر میں ایک ماہ کے لیے جسم کے غیر معمولی نظام تربیت میں جس میں انسان کم از کم 720 گھنٹوں تک مسلسل ایک نظم و ضبط کی حالت میں رہتا ہے اللہ رب العزت کی بہت سی خستیاں پوشیدہ ہیں جنہیں سمجھنا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے اگر ہم دور حاضر کے سائنسی تجاظر میں دیکھیں تو یہ بات بات سانی سمجھ جاتی ہے کہ روزہ کس طرح ہمارے لیے اچھا ہے اور ہمیں اپنی صحت کو بہتر بنانے میں مدد دیتا ہے؟

روزے کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں تک آرام مل جاتا ہے۔ یہ آرام روزے کے بغیر قلمی ناممکن ہے کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک کلوگرام کے دہائی حصے کے برابر بھی اگر معدے میں داخل ہو جائے تو پورا نظام ہضم کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور جگر فوراً مصروف ہو جاتا ہے۔

انسانی معدہ روزے کے ذریعے جو بھی اثرات حاصل کرتا ہے وہ بے حد فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے معدے سے نکلنے والی رطوبتیں بھی بہتر طور پر متوازن ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے روزے کے دوران تیزابیت جمع نہیں ہوتی اگرچہ عام قسم کی بھوک سے یہ بڑھ جاتی ہے لیکن روزے کی نیت اور مقصد کے تحت تیزابیت کی پیداوار رک جاتی ہے اس طریقہ سے معدے کے پٹھے اور رگوں پر

پیدا کرنے والے ظیے رمضان کے مہینے میں حالت میں چلے جاتے ہیں۔

روزہ آنکھوں کو بھی آرام اور توانائی فراہم کرتا ہے روزے کے دوران ان کو بھی توانائی اور تازگی حاصل ہوتی ہے اس طرح ہم ان تمام بیماریوں کے مفلوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں جو ہاضمہ کی تالیوں میں ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اعصابی نظام پر بھی روزہ اثر انداز ہوتا ہے روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون اور آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔ عبادت کی بجا آوری سے حاصل شدہ تسکین ہماری تمام کمزورتوں اور غصے کو دور کرتی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ خشوع و خضوع اور اللہ رب العزت کی مرضی کے سامنے سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہماری پریشانی بھی تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح دور حاضر کے مسائل جو اعصابی دباؤ کی صورت میں ہوتے ہیں تقریباً مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

روزے کے دوران خون پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ روزے کے دوران خون کی رفتار میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہ اثر دل کو انتہائی فائدہ مند آرام پہنچاتا ہے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خلیوں کے درمیان مائع کی مقدار میں کمی کی وجہ سے مسئلہ یعنی پٹھوں پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ پٹھوں پر دباؤ یا عام فہم زبان میں Muscular Pressure انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے روزے کے دوران Muscular Pressure ہمیشہ کم رہتا ہے یعنی اس وقت دل آرام یا ریست کی صورت میں ہوتا ہے۔ رمضان میں مسلسل تین دنوں تک روزے رکھنے سے جسم پر پورے سال پڑنے والا یہ Muscular Pressure بتدریج ہو کر نارمل لیول تک آ جاتا ہے جو صحت کے لیے کسی کرشمے سے برتر کم نہیں۔ روزے میں بطور خاص اظہار کے وقت کے نزدیک خون میں موجود مضر صحت چکنائی غذا نیت کے تمام ذرے تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس طرح خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی یا دیگر مضر صحت غذائی اجزاء جمع نہیں پاتے اس طرح شریانیں سخت ہونے سے محفوظ رہتی ہیں۔ چنانچہ دور جدید کی انتہائی خطرناک بیماریوں جن میں شریانوں کی دیواروں کی سختی نمایاں ہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

روزہ روزہ کی ہے۔

جس سے اہم اثر خلیوں کے درمیان اور درولی سیال مادوں کے درمیان توازن کو قائم ہے۔ چونکہ روزے کے دوران یہ سیال مقدار میں کم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے خلیوں کے عمل میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ جو جسم کی رطوبت کے متواتر اخراج کے ذریعہ ہوتے ہیں ان کو بھی صرف روزے کے ذریعے آرام اور سکون ملتا ہے۔ جس سے ان کی صحت مندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ روزے کا سب سے اہم اثر خلیوں پر مرتب ہوتا ہے۔

خون تشکیل میں بھی روزے کی حکایت پوشیدہ ہے۔ خون ہڈیوں کے گودے میں بنتا ہے جب بھی جسم کو خون کی ضرورت پڑتی ہے ایک خود کار نظام ہڈی کے گودے کو حرکت پزیر کر دیتا ہے مگر وادرسست افراد میں یہ گودا غیر اثر پذیر حالت میں ہو جاتا ہے لیکن روزہ رکھ کر بھرپور طریقے سے عبادت کی بجا آدری کے نتیجے میں نظام جسمانی خصوصاً دوران خون انتہائی تیز ہو جاتا ہے جو ذہنی و جسمانی قوت میں اضافے کا اہم محرک تصور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کمزور افراد روزہ رکھ کر آسانی سے اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح روزہ رکھ کر ایک کمزور اور دبا پتلا شخص اپنا وزن بڑھا بھی سکتا ہے تو دوسری طرف فربہ لوگ روزہ رکھ کر اپنا وزن کم بھی کر سکتے ہیں یعنی روزہ محض ایک روح پرور عبادت ہی نہیں بلکہ ایک بہترین جسمانی ورزش بھی ہے۔

روزہ بہترین ڈائنٹ پلان

تین دن کے مسلسل روزے جسم کے وزن کو کنٹرول کرتے ہیں۔ لہذا موٹے لوگوں کے لیے یہ وزن کم کرنے کا سبب بن سکتا ہے اور دھڑلے پٹے افراد کی بحالی صحت کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔

جدید دور میں اکثر افراد وزن کی زیادتی کا شکار ہو کر مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر انہیں وزن کم کرنے کے لیے ڈائنٹک کارآمد اختیار کرنا پڑتا ہے خصوصاً خواتین میں یہ مسائل بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ روزے کے ذریعے سے ہم اپنے جسم کو بہترین ڈائنٹک کرا سکتے ہیں کیونکہ اس سے ہماری قوت اراوی مضبوط ہوتی

ہے اور زیادہ کھانے کی خواہش کنٹرول ہوتی ہے۔ دوسرے بھی سکر جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ تھوڑی غذا پر بھی اکتفا کر لیتا ہے گویا روزہ رکھنا صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ رمضان المبارک کے علاوہ بھی روزے رکھے جاسکتے ہیں اور روزے سے آبی کی طرز اپنا کر ڈائنٹک بھی کر سکتے ہیں۔ روزہ صحت مند رہنے کے لیے ایک قدرتی ذریعہ ہے کیونکہ روزے میں ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ قدرت نے روزے کو صحت مندی کے لیے ٹانگ کے مانند اہم قرار دیا ہے۔ پیارے نبی کریم ﷺ نے روزے کے طبی فوائد کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے کہ "روزہ رکھو تو صحت مند رہو گے۔" دوسری جگہ ارشاد ہے "ہر چیز کی ایک صفائی ہوتی ہے اور جسم کی صفائی روزہ ہے۔"

کیونکہ روزے کے ذریعے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پاتے ہوئے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ذہنی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کا اہل و عیال زندہ ہو جاتا ہے اور وہ ٹیک کاموں میں سرگرم و مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حج سے آنے والے بھوکے بھوکے رہنے سے اسے فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو سکتا اور غریب لوگوں کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور دل ان کی مدد کرنے اور ان کے ساتھ ہمدردی، محبت اور شفقت کا پیمانہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ الغرض روزہ انسان کو جسمانی و روحانی لحاظ سے تندرست رکھنے میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے رمضان المبارک کے روزے نہ چھوڑیں۔ کیونکہ یہ خالق کائنات کی طرف سے انسانیت کے لیے عظیم تحفہ ہے۔ لہذا اس کی قدر کریں تاکہ دونوں جہانوں (دنیا و آخرت) میں کامیاب و کامران اور سرخرو ہو سکیں۔

منیر قاسم۔ کراچی

